إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (الحدیث)

منتخب تقاریر

حسب ہدایت

خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی
رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

جمع وترتیب

مولانا نظام الدین صاحب قاسمی، سیتامڑھی
استاذ جامعہ اکل کوا

تفصیلات

نام کتاب: منتخب تقاریر

نام مرتب: مولانا نظام الدین صاحب قاسمی 8180963955

کمپوزنگ: رفیق احمد اشاعتی کٹیہاری

پروف ریڈنگ: شفیع احمد صاحب قاسمی، اِجرا، مدھوبنی

سیٹنگ: (مولانا) محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا

ملنے کا پتا

مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوربار مہاراشٹر

فہرست مضامین

کلماتِ مبارکہ

خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہ اللہ ورعاہٗ
بانی ورئیس: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوربار (مہاراشٹر)

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

مدارس دینیہ جو دینی قلعے ہیں اور اِن مدارس میں طلبہ کی تعلیم وتربیت کا اہم کام ہورہا ہے، مدارس دینیہ امتِ محمدیہ کے لیے اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، ان مدارس میں طلبائے عظام کو ہر طرح سے علم وعمل سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

مدارس میں حفاظ، قراء، مبلغین اور مقررین تیار کیے جاتے ہیں، مدارس میں تدریسی اوقات کے علاوہ خارج اوقات میں طلبہ کو تحریری وتقریری مشق کرائی جاتی ہے، ان ہی طلبہ کو تقریری میدان میں کام آنے والی تقاریر کا ایک مجموعہ جامعہ کے استاذ مولانا نظام الدین صاحب قاسمی کی نگرانی میں شائع کیا جارہا ہے اور انشاء اللہ اس کام کو مزید آگے بڑھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کی اِس کاوش کو قبول فرمائے اور طلبۂ مدارس کے لیے اس سلسلے کو مفید بنائے۔

(مولانا) غلام محمد (صاحب) وستانوی
رئیس الجامعہ اکل کوا
۲۰۱۱/۰۹/۲۴

عرضِ مرتب

مدارسِ اسلامیہ میں شروع ہی سے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو کس طرح بیدار کیا جائے، چناں چہ اس کے لیے انجمنیں قائم کی گئیں، اس انجمن کے ماتحت اُن کو مکلّف بنایا گیا کہ ہر ہفتہ ۵/۱۰ رمنٹ کی تقریر یاد کر کے لائیں، اور اپنے ساتھیوں کے مابین اپنی مافی الضمیر کو ادا کریں، اس طرح طلبہ کے اندر عوام وخواص میں بولنے کی صلاحیت پیدا کرائی گئی، اور ایک وقت ایسا آیا کہ اِنہیں مدارسِ اسلامیہ کے فضلا میں ایسے مقرر پیدا ہوئے، جن کی تقریروں نے برِّصغیر میں تہلکہ مچادیا۔ چناں چہ ماضی قریب میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) وغیرہم اِنہیں اداروں کی دین ہیں۔

آج بھی ان دینی اداروں میں اس طرح کی محنتیں کرائی جاتی ہیں، الحمدللہ، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں بھی طلبہ کی کئی انجمنیں قائم ہیں۔ ان میں درجۂ کتب کے طلبہ کی انجمن ''اصلاح الکلام'' درجۂ حفظ کے طلبہ کی انجمن ''عظمتِ قرآن'' اور شعبۂ دینیات کے طلبہ کی انجمن ''ثمرۃ التربیۃ'' ہے، ان تینوں انجمنوں میں ہفتہ واری پروگرام اساتذہ کی نگرانی میں منعقد کئے جاتے ہیں، اور طلبۂ کرام اپنی بشاشت سے اپنے ساتھیوں کے درمیان اپنی مافی الضمیر کو ادا کرتے ہیں، اِسی طرح اُن طلبہ کے درمیان مسابقاتی پروگرام بھی منعقد کرائے جاتے ہیں اور پوزیشن لانے والے طلبہ کو انعامات واعزازات سے نوازا جاتا ہے۔

اِسی طرح کا ایک پروگرام ۲۰۱۱ء میں انجمنِ اصلاح الکلام کے طلبہ کے مابین کرایا گیا، جس میں بہت سارے طلبہ نے حصہ لیا، طلبہ کی تقریری صلاحیت اور دلچسپی کو دیکھتے ہوئے رئیسِ جامعہ نے ناچیز کو اُن تمام ہی طلبہ کی تقاریر کو جمع اور مرتب کرنے کا حکم صادر فرمایا، چناں چہ احقر نے اُن تمام تقریروں کو مع حوالہ جمع کر کے جو (تقریباً ۱۰۵ تھیں) ۴۵ کا انتخاب کیا۔ انہیں تقریروں کے مجموعہ کو "**منتخب تقاریر**" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے، تاکہ مختلف کتابوں میں تقریریں تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ نیز تقریر کی اہمیت کے پیش نظر طریقۂ تقریر بھی درج ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر شکریہ ادا نہ کیا جائے مدیر المسابقات حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی استاذ تفسیر وحدیث وفقہ کا، کہ ان ہی کے اعلان وہدایت پر مجھ تک وہ ساری تقریریں پہنچیں۔

اسی طرح ناچیز ممنون ہے مولانا شفیع احمد صاحب قاسمی، اِجرا، مدھوبنی اور مولانا رفیق احمد صاحب اشاعتی کٹیہاری کا، کہ ان دونوں حضرات نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا کام انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت رئیس جامعہ کی اس فکر کو طلبہ کے حق میں مفید بنائے۔ آمین!

(مولانا) نظام الدین (صاحب)

۲۹ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۱ء

تقریر کی تیاری کیسے کریں؟

تقریر کی تیاری کے پانچ مراحل:

جب آپ کو کسی موضوع پر تقریر کرنے کو کہا جائے تو اس کی تیاری کے لیے بالترتیب ذیل کے پانچ مراحل پر عمل کیجیے۔ان شاء اللہ تقریر تیار ہو جائے گی۔

مواد کی فراہمی:

سب سے پہلے اس موضوع کے متعلق آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات، بزرگان دین کے حکایات، منفرد اور اچھوتے نکات اور ذاتی مشاہدات وتأثرات ترتیب وار جمع کریں۔ پھر موضوع کی مناسبت سے ایک آدھ لطیفہ، چٹکلہ اور تین چار اشعار تلاش کر لیں تاکہ انہیں مناسب جگہ ٹانکا جا سکے۔ اس کام کے لیے آپ کو دو چیزیں کام آئیں گی، ذاتی یادداشتیں اور کتب بینی۔

ذاتی یادداشتیں:

خطابت کی بنیاد علم ہے اور یادداشتیں انسان کے لیے علم کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ کسی بھی موضوع سے متعلق تقریر تیار کرتے وقت مقرر کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی ذاتی یادداشتوں کو ٹٹولے، کھرچے اور کریدے۔ ذہن کے نہاں خانوں میں موضوع سے متعلق اُسے بہت سے مواد اور اشعار بکھرے پڑے ملیں گے۔ ان سب کو وہ احاطۂ تحریر میں لے آئے۔

کتب بینی:

دوسرے مرحلہ میں وہ اپنے وسعت مطالعہ پر نظر دوڑائے کہ متعلقہ موضوع پر اُس نے کن کن کتب اور کن کن رسائل میں کچھ پڑھا تھا؟ ممکن ہو تو دوبارہ ان کتب سے استفادہ کرے۔ ورنہ جو کچھ یاد ہے اسے ہی آئینۂ تحریر میں اتارے۔ مزید مطالعہ کے لیے وہ اپنے ادبی دوستوں اور

اساتذہ واہلِ علم سے رہنمائی حاصل کرسکتا ہے، کہ اسے کون سی کتب پڑھنی چاہیے؟ اب آگے بڑھنے سے پہلے تین چیزیں مزید منتخب فرمالیں، تاکہ تقریر کے لیے درکار مواد مکمل ہوجائے۔

ایک تو مختصر ومنفرد الفاظ پر مشتمل خطبہ؛ دوسرے غیر روایتی اور خوب صورت الفاظ پر مشتمل آغاز؛ تیسرے تقریر کے خلاصہ اور واضح پیغام پر مشتمل بامعنی اور دل کش اختتام۔ یہ تین چیزیں بھی اگر متاثر کن اور معیاری ہیں، تو سمجھیے کہ آپ نے پچاس فیصد کام، کامیابی سے مکمل کرلیا ہے۔

اب ذرا یادداشت پر نظر دوڑائیے۔ آپ کے پاس بالترتیب یہ دس چیزیں جمع ہوچکی ہیں، جو کسی بھی اچھی تقریر کے لیے بنیادی عناصر ہوتی ہیں:

(۱) خطبہ (مختصر ومنفرد) (۲) افتتاحی الفاظ (غیر روایتی)

(۳) آیات قرآنیہ (۴) احادیث نبویہ

(۵) مستند واقعات (۶) کوئی منفرد خیال یا اچھوتا نکتہ

(۷) ذاتی مشاہدات وتأثرات (۸) لطائف اور چٹکلے

(۹) موضوع سے متعلق معیاری اشعار (۱۰) بامعنی اور خوب صورت اختتام

یاد رکھیے! یہ سب چیزیں ہر تقریر میں لازمی نہیں لیکن اچھی اور معیاری تقریر کا قوام بنیادی طور پر اِن ہی دس عناصر سے تیار ہوتا ہے۔

ایک چبھتا ہوا سوال:

ممکن ہے یہاں پہنچ کر طالب علم کے دل میں سوال پیدا ہو کہ کسی مقابلے میں شریک تمام ہی امیدوار یہی چیزیں تیار کرکے لائیں گے تو میری کامیابی کی کیا ضمانت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کامیابی کی ضمانت دو چیزوں میں ہے۔

انفرادیت اور مشق: یعنی آپ نے آغاز غیر روایتی انداز میں کیا، الفاظ کے انتخاب میں سلیقے کا مظاہرہ کیا۔ کوئی ایسا منفرد نکتہ یا اچھوتا خیال پیش کیا جس تک دوسروں کا ذہن نہیں پہنچ سکا۔ آپ کا لہجہ

پر اعتماد او انداز و اطوار اصولوں کے مطابق تھے تو یہ سب چیزیں مل کر آپ کو سبقت دلا سکتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی مشق کیسی تھی؟ جنون کی حد تک پہنچ گئی تھی یا نہیں؟ اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے آپ تقریر کو پکاتے اور رواں کرتے تھے یا نہیں؟ یہ چیزیں ایسی ہیں جو (اس مرتبہ نہیں تو اگلی مرتبہ) کامیابی کا تاج آپ کے سر پر سجا کر چھوڑے گی۔ آزمائش شرط ہے۔

(۲) خاکہ سازی:

اس مرحلہ میں طالب علم جو کچھ جمع کر چکا ہے اس کی شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ انتہائی ضروری ہے۔ حسن ترتیب کے بغیر مقرر کو پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ اُسے بات کہاں سے شروع کرنی اور کس موڑ پر جا کر ختم کرنی ہے؟ خاکہ مرتب کیے بغیر مائیک کے سامنے جانا اندھیرے کمرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات ہے۔ کچھ ہاتھ نہ آئے گا، خطیب خواہ کتنا بڑا عالم اور صاحب مطالعہ شخص ہی کیوں نہ ہو، کم از کم اپنے ذہن میں کوئی خاکہ مرتب ضرور کر لیتا ہے تاکہ اس خاکہ کے مطابق بات آگے بڑھاتا چلا جائے۔

(۳) قلم بندی:

اب آپ کو اس خاکہ میں رنگ بھرنا ہے۔ تقریر کو تحریری صورت میں لانا ہے۔ کسی مقابلے میں حصہ لینے والے ایسا کرتے ہوئے تقریر کے ابتدائیہ، مرکزیہ اور اختتامیہ کے مطابق الفاظ اور مواد مرتب کریں۔ موضوع سے خارج یا کم مطابق مواد کو حذف کر دیں۔ طالب علم مقررین کے لیے یہ بات اور بھی ضروری ہے کہ وہ موضوع کے عین مطابق باتوں کو باقی رکھیں اور غیر متعلق سب باتیں قلم زد کر دیں۔ کیوں کہ مقابلے کی تقریر میں ان کے پاس سات آٹھ منٹ سے زیادہ وقت نہ ہوگا۔ تقریر ایک مرتبہ تحریر میں لانے کے بعد اس پر غور و فکر کریں۔ نامناسب الفاظ، کمزور ترکیبوں اور استعاروں کو نکال باہر کریں اور ان کو زیادہ موزوں الفاظ اور ترکیبات کے موتیوں سے سجائیں۔ یوں آپ کا تقریر نویسی کا مرحلہ طے ہو گیا۔

(۴) ذہن نشینی:

اس مرحلہ سے آپ اپنے کو سامعین کے سامنے لے جانے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

اگر آپ تھوڑے تجربہ کار ہیں تو تقریر کو ذہن نشین کر لینا ہی کافی سمجھیں اور اس کی مشق شروع کر دیں، لیکن اگر آپ بالکل نئے ہیں، تو پھر آپ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ شروع کی چند تقاریر یا ان کا اکثر حصہ لفظ بہ لفظ یاد کر کے ہی سامعین کے سامنے جائیں۔ اس طرح آپ خود کو زیادہ پُراعتماد محسوس کریں گے۔

مقررین کے لیے ضروری ہے کہ ایک آدھ تقریر کر لینے کے بعد جب سامعین کا سامنا کرنے کا خوف دور ہو جائے تو رٹے لگا کر تقریر کرنے کی عادت تو بالکل چھوڑ دیں لیکن ضروری ہے کہ تقریر کا خلاصہ اور خاص خاص نکات کسی چھوٹے کاغذ پر لکھ کر تنہائی میں بیٹھ کر ذہن نشین کرنے اور مرتب انداز میں پیش کرنے کی کوشش اور مشق جاری رکھیں۔

(۵) مشق! مشق! مشق!

یہ تقریر کی تیاری کا آخری اور سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ پہلے خیال میں تقریر کو اتنا پکائیں کہ رواں ہو جائے، پھر آواز کے اتار چڑھاؤ، وقف و وصل اور اعضاء کی زبان (باڈی لینگوئج) کا خیال رکھتے ہوئے عملی مشق شروع کر دیں۔ فن کوئی بھی ہو محنت چاہتا اور وقت کا نذرانہ مانگتا ہے۔ کسی بھی ہنر میں مہارت حاصل کرنے کے لیے دیوانہ وار محنت بہت ضروری ہے۔
جوئے شیر لانے کے لیے تیشہ بکف رہنا ہی پڑتا ہے۔

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا:

خواہ آپ کا کتنا ہی مطالعہ کیوں نہ ہو، مشق کے بغیر تو گویا ابر ہے بارش نہیں، چمن ہے پھول نہیں، درخت ہے ثمر نہیں، چراغ ہے تیل نہیں اور کھانا ہے مگر نمک نہیں، لیکن اگر آپ مطالعے کے ساتھ ساتھ مشق جاری رکھتے ہیں، تو ضرور آپ کے جوہر کھلنے لگیں گے۔

سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

فن خطابت شعر و شاعری سے مختلف ہے، شاعری کے برعکس یہ فن مشق سے سیکھا

جاسکتا ہے اور مسلسل محنت سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ مقرر پیدائشی نہیں ہوتے، مستقل محنت اور مشق سے آگے بڑھتے ہیں۔ فن پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی جھولی میں نہیں گرے گا۔ پہلے آپ کو تخم ریزی کے بعد ایک خاص مدت تک اس کی حفاظت کرنی پڑے گی۔

کچھ ممتاز مقررین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ابتدائی دور میں درختوں کے سامنے تقریر کرتے یا بچوں کو اکٹھا کر لیتے اور ان کے سامنے تقریر کی مشق کرتے رہتے۔ آپ بھی کھلی فضا میں کہیں جاکر، یا کسی بند کمرے میں بیٹھ کر، اپنے سامنے سامعین کا تصور باندھ کر تقریر کی مشق نہایت عمدگی سے کر سکتے ہیں۔ صحت تلفظ اور حسنِ ادا کا جائزہ لینے کے لیے، آپ اپنی تقریر ریکارڈ کر کے سن سکتے ہیں۔ بہت سے مقررین مشق نہ کرنے کی وجہ سے سامعین کے سامنے آکر دو چار منٹ ہی تقریر کرتے ہیں تو ان کا حافظہ، ان کا گلا اور ان کی آواز انہیں بیچ منجد ھار چھوڑ کر کنارے پر کھڑی تماشا دیکھتی رہتی ہے۔

(ایضا: ص ۳۵ تا ۳۹)

تقریر کا عظیم مقصد:

یعنی آپ یہ سوچیے کہ آپ اپنی دھاک بٹھانے نہیں، بل کہ اللہ کا حکم پورا کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی نیابت میں اپنا فرضِ منصبی ادا کرنے جارہے ہیں، آپ خود کچھ بھی نہیں، لیکن جس عظیم ذات کا پیغام آپ اس کے بندوں تک پہنچا رہے ہیں وہ سب کچھ ہے، اور لا متناہی قوتوں کی مالک ہے۔

اس تصور کے ساتھ ہی تعلق مع اللہ کا ایک احساس آپ کے دل و دماغ کو تقویت دے گا، اور آپ وساوس و اوہام کے ہجوم سے آزاد ہو کر سنتِ انبیاء کو ادا کرنے کے لیے بھرپور اعتماد اور قوت قلب کے ساتھ مائیک کے سامنے جاسکیں گے۔ (ایضا: ص ۴۲)

ماہر خطیب کیسے بن سکتے ہیں؟

اس دنیا میں کسی بھی کمال تک پہنچنے کے لیے محنت، ایک لازمی شیٔ ہے اس کے بغیر نہ تو خطیب ماہر خطیب بن سکتا ہے، نہ عالم صاحبِ کمال ہوسکتا ہے۔لہٰذا سب سے پہلے اپنے آپ کو محنت کے لے تیار کرنا ہوگا،خطیب کے ماہر ہونے کے لیے ذیل میں دیے جارہے امور پر محنت کرنا ضروری ہے۔

مطالعہ:

مطالعہ خطیب کے لیے پیٹرول کی مانند ہے،اگر پیٹرول نہ ہوتو گاڑی نہیں چل سکتی، بس اسی طرح مطالعہ کے بغیر خطیب کے خطاب میں جان اور اثر نہیں آسکتا،اور خطیب کو تو ہر چیز کا مطالعہ ضروری ہے، دینوی معلومات بھی ہو اور سائنسی بھی، اہم اور بنیادی معلومات اس کے پاس ہو،معاشیات، سیاسیات، تاریخ،سیرت،قصص وواقعات، ان تمام موضوعات پر ہر وقت مطالعہ ہوتا رہے،تو جب جا کر ذہن میں مواد جمع ہوگا،جس سے سمجھانے میں سہولت ہوگی اور بات میں وزن پیدا ہوگا۔

خطیب خاص طور پر جرائد،مجلات، رسائل،مشہور معاصرین ومتقدمین کے مطبوعہ خطبات وتقریریں جیسے: اردو میں اصلاحی خطبات، خطبات ذوالفقار، بیاناتِ طارق جمیل، خطباتِ قاسمی، ندائے منبر ومحراب، صدائے محراب، خطبات حکیم الامت، خطبات حکیم الاسلام،اصلاحی مواعظ،اصلاحی تقریریں،خطبات علی میاں، خطبات بھاولپور، خطباتِ منور، خطباتِ ادریس،تکبیرِ مسلسل ابوالکلام آزاد،مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وغیرہ کی تقریریں وغیرہ کے مجموعے۔

اگر ابتدائی اردو، فارسی اور عربی اول وغیرہ کے طلبہ ہیں،تو ان کے لیے تقاریر کے عنوان پر شائع شدہ بہت سی کتابیں مثلاً: نظامت اور خطابت گوہر علم جو ہر سیرت، دلنشین تقاریر، دل پذیر تقاریر وغیرہ زیادہ مفید ہوں گی۔ کیوں کہ اس سے الفاظ کا ذخیرہ حافظہ میں اکٹھا ہوجائے گا، جو مقرر اور خطیب کے لیے از حد ضروری ہے۔

نامور خطباء کا مشاہدہ اوران کی تقاریر کا سماع:

اِس میدان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مشہور و معروف مقررین کو دیکھیں، تاکہ اندازِ بیان اور طریقہ معلوم ہو سکے، ان کو یا ان کی کیسٹوں کو سنیں، تاکہ اسلوب بیان کا علم ہو سکے، اور عمدہ لب ولہجہ کو اپنانے میں سہولت ہو، مثلاً قاری حنیف ملتانی، قاری ندیم، مولانا علی میاں ندوی، قاری طیب صاحب، مولانا سلمان ندوی، مولانا طارق جمیل، مولانا ذوالفقار نقشبندی، ابوطالب رحمانی وغیرہ۔

تقریر کے الفاظ میں فصاحت وبلاغت کی چاشنی ضروری ہے تاکہ زبان سے نکل کر بھی کے قلب پر اثر انداز ہو، صاف ستھرے انداز، تسلسل الفاظ کے ساتھ، مجمع کی رعایت کرتے ہوئے اگر علمی جلسہ ہو تو علمی پہلو پر نظر ہو، اگر عوام ہے، اصطلاحی اور فکری پہلو مدِ نظر ہو، اگر تعلیم یافتہ ہو تو اسلام اور دیگر تعلیمات میں تقابل کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی برتری عقلی انداز میں ثابت کرے، مشکل اور پیچیدہ الفاظ تقریر کو غیر مفید بنادیتے ہیں۔

تقریر کرنے کا اسلوب بھی اچھوتا اور نرالا ہو، بات معقول اور لہجہ پر سوز ہو کہ قلب و دماغ کی کایاپلٹ دے، تقریر کے دوران اتار چڑھاؤ ہو، مناسب اشارے یہ بھی تقریر میں حسن پیدا کرنے والی چیزیں ہیں۔

تقریر میں عمدہ معنی خیز اور ولولہ انگیز اشعار وقفہ وقفہ سے پڑھنے سے تقریر کے حسن میں نکھار پیدا کرتے ہیں، البتہ ایک ہی شعر کو بار بار نہ دہرائیں، یا کسی زبان زد عام شعر کو بھی تقریر میں استعمال نہ کرے، ورنہ مزہ رکرکرا ہو جاتا ہے۔

تقریر کے اصول:

عصرِ حاضر میں جہاں دوسرے علوم وفنون کا سائنسی مطالعہ کیا گیا ہے، وہاں فنِ تقریر کے سائنسی تجزیہ اور مطالعہ کی طرف بھی پوری توجہ دی گئی ہے۔ چناں چہ گفتگو اور تقریر کے فن پر مستقل تصنیفات کی گئی ہیں۔ اچھی تقریر کے متعلق ذیل کی باتوں پر تقریباً سبھی مصنفین متفق نظر آتے ہیں۔ اس لیے انہیں ''تقریر کے بنیادی اصول'' کہا جاسکتا ہے۔

(۱) بھرپور تیاری:

(۱) تقریر کرنے سے پہلے اس کی تیاری پر خوب محنت کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں پہلا مرحلہ غور وخوض کا ہے۔ جتنا اہم موضوع ہوگا اتنا ہی زیادہ اس پر غور وخوض ہونا چاہیے۔

(۲) متعلقہ مواد کا تفصیلی مطالعہ نہایت ضروری ہے اور اس تفصیلی مطالعہ میں ابتدائی کتابوں سے لے کر انسائیکلوپیڈیا تک سے کام لینا چاہیے۔

(۳) اس کے بعد بہترین خیالات کا انتخاب کرنا چاہیے، کیوں کہ جتنا کچھ پڑھا گیا وہ سب تو ایک تقریر کے اندر سما نہیں سکتا۔ خیالات کا عمدہ انتخاب تقریر کی عمدگی کا ضامن ہے۔

(۴) اچھی تقریر کے لیے تقریر کا خاکہ تیار کرنا ضروری ہے۔ جس طرح کوئی عقلمند معمار نقشے کے بغیر مکان تعمیر کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، اسی طرح کوئی اچھا مقرر تقریر کا خاکہ تیار کیے بغیر تقریر کا ارادہ نہیں کرتا۔

اندازِ خطاب:

(۱) تقریر کے انداز میں تصنع نہ ہو۔ قدرتی اور بے تکلفانہ انداز اختیار کیا جائے۔ تقریر میں گفتگو کا فطری انداز سامعین کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور مقرر و سامعین کے درمیان خوشگوار رابطے کا کام دیتا ہے۔

(۲) تقریر کے لیے موزوں تیاری ضروری ہے، لیکن تحریری نوٹ لے کر ان کی مدد سے تقریر کو آگے چلانے کی کوشش عام طور پر خوشگوار نتائج پیدا نہیں کرتی۔ اگر ان کو خوبی اور چابکدستی سے استعمال نہ کیا جائے تو یہ نوٹ مقرر اور سامعین کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور ان کا ذہنی رابطہ قائم نہیں رہتا۔

(۳) ہاتھ کے اشاروں، چہرے کے تأثرات، سر اور آنکھوں کی حرکات سے تقریر میں اثر بڑھتا ہے لیکن حرکات و سکنات قدرتی ہونی چاہییں۔ اگر ان میں اداکاری کا بناوٹی رنگ آجائے تو سامعین مقرر کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔

(۴) آواز نہ اتنی بلند ہو کہ مقرر چیختا چلاتا سنائی دے اور نہ اتنی دھیمی کہ تمام سامعین تک بخوبی پہنچ نہ سکے۔

(۵) مائیک سینس بھی بہت اہم چیز ہے۔ بیان کے دوران دائیں بائیں متوجہ ہوتے وقت سینہ تو موڑیں لیکن منہ کو مائیک کے سامنے سے نہ ہٹنے دیں تاکہ آواز کا تسلسل نہ ٹوٹے۔

تقریر کی صحیح تیاری کا طریقہ:

(۱) اساتذہ اور اہلِ ذوق حضرات کی مدد سے کتابوں کا انتخاب، انسائیکلوپیڈیا اور انٹرنیٹ وغیرہ سے معلومات کا حصول۔

(۲) متعلقہ مواد کا گہرا مطالعہ اور گہرا غور وخوض۔

(۳) بہترین خیالات کا انتخاب۔ ایک سو خیالات جمع کریں۔ ان میں سے نوے خیالات ضائع کر دیں۔ مواد اور مقررہ وقت کے باہمی تناسب کا خیال رکھیں۔

(۴) تقریر کا خاکہ تیار کرنا اور پھر اس میں رنگ بھرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مراجعت کرتے رہنا۔

(۵) تقریر آپ کے ذہن کی تخلیق ہونی چاہیے۔ مختلف قسم کا مواد دماغ میں موجود ہو، لیکن خود پھلے پھولے اور لاشعوری طور پر پروان چڑھے۔

(۶) ایک دانشور کا قول ہے: الفاظ کے پیچھے مت بھاگو بل کہ خیالات کی تلاش کرو۔ جب خیالات کا ہجوم ہوگا تو الفاظ بخود چلے آئیں گے۔ (ایضا: ص۸۳ تا ۸۷)

مقرر کن موضوعات کا انتخاب کرے:

مقرر کے لیے ماضی اور حال دونوں سے واقف ہونا از حد ضروری ہے، اس کو ماضی کی تاریخ اگر معلوم ہے تو اپنے گرد وپیش کے حالات کو دیکھ کر، سامعین کو واقعات سے نتائج اخذ کر کے انجام سے باخبر کر سکتا ہے، اور اس کے لیے خطیب کا حافظ ہونا یا کم از کم آیات قرآنیہ کے بڑے ذخیرے کا حفظ کرنا بے حد ضروری ہے، اسی طرح کتب احادیث کا زیر مطالعہ ہونا بھی لازم ہے، کیوں کہ ماضی کے واقعات کو پورے شرح وبسط کے ساتھ احادیث مین بیان کیا گیا اور ''دینی امور'' مکمل تفصیلات کے ساتھ بھی احادیث میں وارد ہیں، اردو میں معارف القرآن، معارف الحدیث، منتخب احادیث وغیرہ کا مطالعہ اس کے لیے معین ومددگار ثابت ہوگی۔ اسی طرح اعمال صالحہ کے فضائل اور اعمال سیئہ پر وعیدوں کا جاننا ضروری ہے تا کہ اسلامی خطابت کے طرۂ

امتیاز " امر بالمعروف اور نہی عن المنکر " کے فریضہ کو صحیح معنی میں انجام دیا جاسکے۔

عصر حاضر میں عقلیت کا رجحان غالب ہے، لہٰذا اسلامی تعلیمات کو عقلی انداز میں اس کے اسرار ورموز کا بتانا بھی ناگزیر ہے، اس کے لیے حجۃ اللہ البالغۃ، احیاء علوم الدین، ملفوظات حکیم الامت، ملفوظات فقیہ الامت وغیرہ کی ورق گردانی ضرور کرے۔

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ دور مغرب کے غلبہ کا دور ہے، جس نے "علم، تحقیق، ریسرچ، آزادئ رائے اور مساوات" جیسے خوشنما الفاظ کو فروغ دے کر پوری دنیا کو فریب میں مبتلا کیا ہے، لہٰذا خطبا اور مقررین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان اصطلاحات کے مغربی اور اسلامی تصور کو بیان کرے اور اسلام نے اس کی جو صحیح تعبیر وتحدید کی ہے، اسے بیان کرے تاکہ مسلمان اس کے دام فریب سے بچ جائے یا نکل جائے۔

بہ حوالہ: طلبہ کے لیے اثر انگیز نصائح

از: مرتب

توحیدِ خداوندی

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ٥ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ،وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ ٥ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ .أمَّا بَعْدُ:

فَأعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥قُلْ ھُوَ اللّٰہُ أحَدٌ ٥ أللّٰہُ الصَّمَدُ٥ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ٥ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا أحد٥ وقال في موضع آخر: یَھَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ إنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذُّکُور، إیَّاکَ نَعْبُدُ وَإیَّاکَ نَسْتَعِین وقال: إذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِین٥ إنَّ اللّٰہَ لا یَغْفِرُ أنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاء٥ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ: قُولُوا لَا اِلٰہَ إلَّا اللّٰہ تُفْلِحُوا۔ اَوْ کَمَاقَالَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ.

ابھی میں طفلِ مکتب ہوں نہ واعظ ہوں نہ فرزانہ
صدائیں دل میں گونجی ہیں سنا دوں حق کا پروانہ
ناصحا !مت کر نصیحت دل میرا گھبرائے ہے
میں اسے سمجھوں گا دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

قابلِ قدر عزیز دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ ہم سب کو مسلمان بنایا،اور کلمہ لا إلٰــہ إلا اللّٰــہ کی دولت سے نوازا،اور سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ایسے نبی کی

امت میں پیدا کیا جو خاتم النبیین والمرسلین ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا، سارے انبیاء علیہم السلام کا مشن اور طریقہ ایک ہی تھا، سب کی آواز توحید کی آواز تھی، سب کا مشن توحید کا مشن تھا۔ سب کی تعلیم توحید کی تعلیم تھی، سب کی دعوت توحید کی دعوت تھی، سب کا سبق قُولُوا لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰه تُفْلِحُوا تھا۔

اس توحید کے لیے انبیاء علیہم السلام کو تکلیفیں اٹھانی پڑیں، گھروں کو چھوڑنا پڑا، لوگوں کی دھمکیاں سننی پڑیں، اسی توحید کی دعوت میں انبیاء کو قتل کیا گیا، وہ جلا وطن کیے گئے لیکن توحید کی دعوت سے نہیں ہٹے، پھر جب باری آئی امام الانبیاء خاتم النبیین والمرسلین کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی اعلان کیا اے لوگو! قُولُوا لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰه تُفْلِحُوا توحید کی آواز سن کر لوگ دشمن ہو گئے، راستے میں کانٹے بچھائے، جسم مبارک پر غلاظت ڈالی، طائف میں پتھر برسائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کی دعوت سے نہیں ہٹے، جنہوں نے قبول کیا انہوں نے بھی اس توحید کے جرم میں تکلیفیں اٹھائیں لیکن مان لینے کے بعد اپنی جگہ سے نہ ہٹے، کیوں کہ توحید، ایمان کی جڑ ہے، اس میں اگر کمی ہے تو ایمان ناقص، اس توحید میں اگر کسی کو شریک کر لیا گیا تو ایمان نامکمل، اگر کوئی مسلمان یہ کہتا ہے کہ لا إلٰه إلا اللّٰه نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، لیکن اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا مشکل کشا ہے، اللہ کے علاوہ بھی دوسرا حاجت روا اور بگڑی بنانے والا ہے، اولاد دینے والا ہے، دکھ درد سننے والا ہے، مصیبتوں میں کام آنے والا ہے۔

تو یاد رکھیے! ایسا شخص کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ توحید اس کا نام نہیں کہ اللہ کو ایک مانے لیکن ساتھ ساتھ حاجت روا، مشکل کشا کسی دوسرے کو مانے، اولاد اللہ کے علاوہ دوسروں سے مانگے۔ بل کہ توحید پر ایمان رکھنے والا اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ کے علاوہ کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھتا ہو۔

کیوں کہ لا إلٰه إلا اللّٰه کا جہاں یہ معنی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اور معبود نہیں ہے، وہیں لا إلٰه إلا اللّٰه کا یہ معنی بھی ہے کہ نہیں ہے کوئی حاجت روا سوا اللہ کے، نہیں ہے کوئی سجدہ کے لائق سوا اللہ کے، نہیں ہے کوئی بگڑی بنانے والا سوا اللہ، لہٰذا جب لا إلٰه إلا اللّٰه کے ان تمام تقاضوں کو مانتا ہے تب وہ کامل ایمان والا کہلا سکتا ہے۔

لیکن آج کچھ ایسے مسلمان ہیں جو توحید باری تعالیٰ میں انبیاء اور اولیاء کو بھی شریک کرتے ہیں۔ نبی کے مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حضرت علی کو مشکل کشا اور حاجت روا جانتے ہیں۔ عبدالقادر جیلانیؒ کو اولاد دینے والا، بگڑی بنانے والا جانتے ہیں۔ خواجہ اجمیریؒ کی قبر پر سجدہ کیا جارہا ہے۔ صابر کلیریؒ کے مزار پر مرادیں مانگی جارہی ہیں۔ نبی کو مختار کل جاننا۔ حضرت علی کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنا۔ عبدالقادر جیلانیؒ سے اولاد مانگنا۔ خواجہ اجمیریؒ کی قبر پر سجدہ کرنا۔ صابر کلیریؒ سے مرادیں طلب کرنا۔

تمام کی تمام چیزیں **لا إلٰه إلا الله** کے تقاضے کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مشن کے خلاف ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عقائد کے خلاف ہے۔ ائمۂ مجتہدین کے فتوے کے خلاف ہے۔

عزیز دوستو! اگر کوئی یہ کہہ کر دھوکہ دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل ماننے میں مزید نبوت کی شان بڑھتی ہے۔ حضرت علی کو مشکل کشا سمجھنے میں اولیاء اللہ سے مرادیں مانگنے میں توحید میں کوئی حرج نہیں ہوتا، بل کہ یہ ساری چیزیں تقرب الی اللہ کے درجے میں ہیں۔

تو یاد رکھئے! یہ عقیدہ مسلمانوں کا نہیں، بل کہ یہی جواب کل کے کفار مکہ کا تھا قرآن اعلان کررہا ہے ﴿مَا نَعْبُدُ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

لہٰذا کل کے مشرک میں اور آج کے اِس عقیدہ رکھنے والے مسلمان میں کیا کوئی فرق ہے یا نہیں؟

اسی فرق کو بتانے کے لیے انبیاء علیہم السلام آئے، اسی فرق کو بتانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف اٹھائی، اسی فرق کو سمجھانے کے لیے صحابہ آگ میں لیٹ گئے۔ اسی فرق کو بتانے کے لیے حضرت بلالؓ سولی کے تخت پر چڑھے اور رہتی دنیا تک کے لیے سبق دے دیا کہ لوگو! اللہ کے علاوہ کوئی مشکل کشا نہیں۔ کوئی حاجت روا نہیں۔ کوئی مختار کل نہیں۔ کوئی اولاد دینے والا نہیں۔ کوئی بیماری میں شفا دینے والا نہیں۔ کوئی بگڑی بنانے والا نہیں۔ کوئی مصیبت میں ساتھ دینے والا نہیں۔

قرآن اٹھا کر دیکھیں۔ قرآن صاف صاف اعلان کررہا ہے: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُورَ﴾ اللہ جسے چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے

﴿وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَار ، مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ ﴾پوری دھرتی پر، زمین وآسمان کے اندر کسی کو اختیار نہیں۔ اگر اختیار ہے تو اللہ کو، کوئی مختارِ کل نہیں، اگر مختارِ کل ہے تو اللہ ہے۔ اولاد دینے والا ہے تو اللہ ہے۔

اگر اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اولاد دیتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نو سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں رہیں، تمنا بھی کرتی رہیں، نہ بیٹا ملا، نہ بیٹی ملی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک لڑکے کو سنوار کر لائیں اور رو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف دیکھا اور دل کی حسرت بتائی کہ کاش ایسا بیٹا میری گود میں بھی ہوتا تو یہ حجرہ آباد ہوتا۔

اے قبروں پر جا کر اولاد مانگنے والو! اللہ کے علاوہ دوسروں کو مشکل کشا اور حاجت روا جاننے والو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنو، اور اپنا عقیدہ درست کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے عائشہ یہ خزانہ میرے پاس نہیں، یہ خزانہ اللہ کے پاس ہے، قرآن کہتا ہے﴿ قُلْ لَّا أَقُولُ لَکُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ ﴾اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ ہمارے پاس اللہ کا خزانہ نہیں۔

آپ ذرا سوچیں کہ اگر اولاد دینے کی طاقت وقوت اللہ کے علاوہ کسی کو ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو تسلی دیتے ہیں کہ اے عائشہ اولاد دینا ہمارا کام نہیں بل کہ اللہ کا کام ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو بیٹا مانگنا ہوا تو اللہ سے مانگا﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِين ﴾حضرت زکریا علیہ السلام کو مانگنا ہوا تو اللہ سے مانگا﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّکَ سَمِيعُ الدُّعَا، رَبِّ لا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّ أَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ﴾

سارے اللہ کے محتاج ہیں۔ نبی، اللہ کا محتاج ہے۔ ولی، اللہ کا محتاج ہے۔ قطب، اللہ کا محتاج ہے۔ امام، اللہ کا محتاج ہے۔ ساری کائنات اللہ کی محتاج ہے۔

آج کے دور میں مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعویدار ہیں، لیکن اولاد پیروں سے مانگتے ہیں، حاجت روا اور مشکل کشا ولیوں کو جانتے ہیں، مصیبت میں عبد القادر جیلانیؒ کو دست گیر سمجھتے ہیں۔

احمد رضا خاں بریلوی اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں، ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور جب کبھی ہم پر مصیبت آجائے، دریا میں سفر کے وقت کشتی خطرے میں پڑ جائے، غرق ہونے کے قریب ہو جائے، تو ایسے موقع پر کیا عمل کرنا چاہئے۔

دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا احمد رضا بریلوی کا جواب سنئے اور کل کے کفار و مشرکین کے عقیدے اور عمل میں اور آج کے بریلویوں کے امام احمد رضا کے عقیدوں میں فرق پیدا کیجئے۔

جواب دیتا ہے ایسے پریشان کن حالات میں چاہئے کہ غوث پاک، پیران پیر عبد القادر جیلانی کو پکارے، کشتی خطرے سے بچ جائے گی، غرق ہونے سے رہ جائے گی۔

مسلمانو! قرآن حکیم کل کے کفار و مشرکین کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہے کہ جب کفار و مشرکین دریا میں سفر کرتے تھے اور کشتی خطرے میں پڑ جاتی تھی، لوگوں کو غرق ہونے کا خوف ہوتا تھا، قرآن کہتا ہے ﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ لوگ اس پریشان کن حالت میں صرف اور صرف اللہ کو پکارتے تھے، خالص اللہ ہی کو یاد کرتے تھے، لیکن آج کے ناواقف مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عبد القادر جیلانیؒ بچا سکتے ہیں، یہی آج کے بریلویوں کا عقیدہ ہے، اسی پر عمل ہے اور یہی رضا خانی علماء کا فتویٰ ہے، پیران پیر عبد القادر جیلانی جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں، اولیاء کو تمام اختیارات ہیں، حالاں کہ حدیث میں ہے، ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مَاشَاءَ اللّٰه، وَ مَا شَاءَ مُحَمَّد جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ توحید کے خلاف سن کر سرخ ہو گیا۔

کیوں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف تھا، یہ اللہ کی مشیت میں دوسروں کو شریک کرنے کا عقیدہ تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ اسی توحید کو بتانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، یہ سن کر فرمایا، اِجْعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا تو نے مجھے خدا کا شریک بنا دیا۔ اور آگے ارشاد فرمایا قُلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ کہ اے میرے یار مرضی صرف اللہ کی پوری ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی کو اختیار نہیں ہے کہ اپنی مرضی بغیر اللہ کے پوری کر لے۔

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے اور یہی عقیدہ تمام صحابہ کا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کبھی نہیں سمجھا۔ حضرت عمرؓ نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کبھی نہیں سمجھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کبھی نہیں سمجھا۔ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کبھی نہیں سمجھا۔

ہم نے پوری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رہ کر گزار دی، لیکن کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھا۔

یہ سارے لوگ جانتے تھے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کو حاصل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر نے کبھی روضۂ اقدس پر کوئی سوال نہیں کیا اور نہ سجدہ کیا اور نہ ہی چادر پوشی کی۔ حضرت عمرؓ نے کبھی نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کبھی نہیں کیا۔ حضرت علیؓ نے کبھی نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری زندگی کا مطالعہ کر لیا جائے، کہیں یہ تمام بات نہیں مل سکتی ہے کہ کسی صحابی نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سجدہ کیا ہو، کسی نے اولاد مانگی ہو، کسی نے چادر پوشی کی ہو، کیوں کہ تمام لوگ حضور کے ارشاد کے پابند تھے أَفَلَا تَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ اَنِّي اَنْهَاكُم عَن ذٰلِكَ اور جو ارشاد کا پابند ہوتا ہے وہ کبھی کسی قبر پر سجدہ نہیں کرتا ہے، کسی کو مشکل کشا نہیں سمجھتا ہے۔

اور یہی توحید کی شان ہے، یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے کہ ہر طرح سے توحید کی حفاظت ہو، جس طرح اور جہاں سے بھی توحید میں شبہ پیدا ہو سکتا تھا وہ سارے دروازے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بند کر دیئے۔

آج کا مسلمان اگر ذرا غور کر لے تو یہ سارے مسئلے سمجھ سکتا ہے کہ جس ولی کی قبر پر سجدہ کرتے ہیں، جس سے اولاد مانگتے ہیں وہ اپنی زندگی میں خود محتاج تھا یا نہیں؟

ضرور محتاج تھا، پیدائش سے وفات تک غور کریں محتاج ہی نظر آتے ہیں

پیدائش کے بعد بھی محتاج۔ وفات کے بعد بھی محتاج۔ وفات ہوئی تو غسل کا محتاج۔ کفن کا محتاج۔ چارپائی پر رکھنے کا محتاج۔ اٹھانے کا محتاج۔ رکھنے کا محتاج۔ جنازہ رکھ دیا گیا، صفیں تیار ہو گئیں، اب دعائے مغفرت کا محتاج، لوگ کھڑے ہوئے اور کھڑے کھڑے نماز جنازہ پڑھ لی، نہ امام نے رکوع کیا، نہ سجدہ، نہ مقتدی نے رکوع کیا، نہ سجدہ۔

عبد القادر جیلانیؒ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو امام اور مقتدی نے سجدہ کیا؟ خواجہ اجمیریؒ

کی نماز جنازہ میں کسی نے سجدہ کیا؟ صابر کلیریؒ کی نماز جنازہ میں کسی نے سجدہ کیا؟ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی نماز جنازہ میں کسی نے سجدہ کیا؟ مخدوم شاہؒ کی نماز جنازہ میں کسی نے سجدہ کیا؟

اگر کسی نے کیا ہو تو ثبوت پیش کرو، اور اگر نہیں اور یقیناً سجدہ نہیں کیا گیا۔ تو پھر ان کی قبروں پر سجدہ کیسے جائز، یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

قبر پر سجدہ کرنا یہودیوں اور نصرانیوں کا عمل تھا، کل بھی دوسروں کو سجدہ کرنا مشرکوں کا کام تھا اور آج بھی ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔

حدیث میں موجود ہے اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، اٹھاؤ بخاری ج ۱/ص ۱۸۶۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: قَالَتْ قَالَ رسولُ اللّٰه صلَّى اللّٰهِ عليه وسلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَ النَّصَارَىٰ اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِيَاءَ هُمْ مَسَاجِدَ وَلَو لا ذٰلِکَ لَاَبْرَزَ قَبْرَهُ غَيْرَ اَنَّهُ خَشِيَ اَنْ يُتَّخِذَ مَسْجِدًا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھ سکے، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا جائے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر باہر کھلی جگہ میں ہوتی۔

عزیز دوستو! اگر اس کے باوجود کوئی شرک کرتا ہے تو وہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ کے تقاضے کو پورا نہیں کرتا ہے۔ کلمہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ کے تقاضے کو پورا کرنے اور کامل و مکمل ایمان والا بننے کے لیے ضروری ہے کہ توحید کو مکمل طور پر سینے سے لگایا جائے۔ اللہ کے علاوہ دوسروں کو مشکل کشا، حاجت روا نہ سمجھے۔ دوسروں کو سجدہ نہ کرے، یہی قرآن کی تعلیم اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید پر قائم رکھے اور توحید کی دولت عطا کر کے اپنے در کا بھکاری بنائے رکھے اور شرک جیسی قبیح چیز سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

وما علینا إلا البلاغ

صفاتِ باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن. أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ هٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ فَأَرُوْنِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ . صدق اللہ العظیم ○

فرشِ زمین سے عرش بریں تک　　تیرے ہی جلوے تیرے ہی سائے
ہر ایک ذرہ، تیرا ہی مظہر　　اللہ اکبر اللہ اکبر
ذرہ کو چاہے ،خورشید کردے　　صحرا کو چاہے گلزار کردے
سب ایک قطرہ ،تو ہے سمندر　　اللہ اکبر اللہ اکبر

جنابِ صدر،سامعین کرام،حاضرین جلسہ!!

ایک سوال قرآن پاک اٹھاتا ہے اور انداز بہت خوب صورت ہے:﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾. اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندو! ایک بات تو بتاؤ! کیا تم اپنے آپ بن گئے ہو؟ یہ سوال قرآن پاک نے اٹھایا ہے۔ جب ہم نے اِس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہا، تو ہمیں قرآن پاک سے ہی اس کا جواب ملا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هَلْ أَتٰی عَلَی الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَّذْكُوْرًا﴾ اے انسان سن! میں تجھے تیری کہانی سناتا ہوں، تو کچھ بھی نہ تھا، کوئی کچھ نہ تھا۔﴿أَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقاً﴾ زمین وآسمان بھی کچھ نہ تھا، تو بھی کچھ نہ تھا، تو کون تھا؟ اللہ تھا، اللہ جو پہلے بھی، اللہ جو آج بھی، جو پھر بھی اللہ، جو آئندہ بھی اللہ، جو اول بھی اللہ، جو آخر بھی اللہ، جو ظاہر بھی اللہ، جو باطن بھی اللہ، جو قائم بھی اللہ، جو قیوم بھی اللہ، جو متکبر بھی اللہ، مالک الملک بھی اللہ، ذوالجلال والاکرام بھی اللہ۔

جو اللہ اپنی پہل سے پاک ہے۔ جو اللہ اپنی انتہا سے پاک ہے۔ جو اللہ اپنی ابتدا سے پاک ہے۔ جو اللہ اپنے اول ہونے میں ابتدا کا محتاج نہیں۔ جو اللہ اپنے آخر ہونے میں انتہا کا

محتاج نہیں۔ کائنات کی ہر چیز کی ایک ابتدا ہوتی ہے، ایک انتہا ہوتی ہے اس کائنات میں ایک اللہ ہے، جس کی ابتدا کوئی نہیں، انتہا کوئی نہیں۔

جو اول ہے لیکن اس کا پہلا سرا کوئی نہیں۔ جو آخر ہے لیکن اس کا آخری سرا کوئی نہیں۔ جو موجود ہے لیکن جگہ میں سماتا نہیں۔ وہ موجود ہے لیکن زمانہ سے پاک ہے۔ وہ موجود ہے لیکن سمت سے پاک ہے۔ وہ موجود ہے لیکن شکل سے پاک ہے۔ وہ موجود ہے لیکن جسم سے پاک ہے۔ وہ موجود ہے لیکن بیوی بچوں کا محتاج نہیں، انسانوں کا محتاج نہیں، کائنات کا محتاج نہیں، زمین وآسمان کا محتاج نہیں، جبرئیل ومیکائیل کا محتاج نہیں، عزرائیل واسرافیل کا محتاج نہیں مشرق ومغرب، شمال وجنوب کا محتاج نہیں، عرش وفرش اس کی ضرورت نہیں، لوحِ محفوظ اس کی ضرورت نہیں۔

حضرات!! اللہ وہ اللہ ہے، جو موجود ہے لیکن بیٹھا ہوا نہیں۔ جو موجود ہے لیکن کھڑا ہوا نہیں۔ جو موجود ہے لیکن پہلو کے بل نہیں۔ جو موجود ہے لیکن دائیں پہلو پر نہیں۔ جو موجود ہے لیکن بائیں پہلو پر نہیں۔ جو موجود ہے لیکن غافل نہیں۔ جو موجود ہے لیکن سوتا نہیں۔ جو موجود ہے لیکن اونگھتا نہیں۔ جو موجود ہے لیکن کھاتا نہیں۔ جو موجود ہے لیکن پیتا نہیں۔ جو موجود ہے لیکن تنہائی سے گھبراتا نہیں۔

اندھیرے اجالے برابر، دن اور رات برابر، زمین وآسمان برابر، عرش وکرسی برابر، خاکی وآبی برابر، خلا وپہاڑ برابر۔ انسانوں کا بادشاہ، جناتوں کا بادشاہ، پانی کا بادشاہ، ہواؤں کا بادشاہ، لوہے اور چاندی کا بادشاہ، صورت ومورت کا بادشاہ، رنگ وروپ کا بادشاہ، شکلوں اور عادات کا بادشاہ، کائنات اور بحر وبر میں اڑنے والے پرندوں کا بادشاہ، اترنے والی بارش کے قطروں کا بادشاہ، کھلنے والے شگوفوں اور اس میں پیدا ہونے والی خوش بوؤں کا بادشاہ۔

عقاب کی جھپٹ کا مالک۔ سانپ کے بل کھانے کا مالک، اور اس کے اندر پیدا ہونے والے زہر کا خالق۔ صدف کے اندر پانی کے موتی میں بدل جانے کا مالک اور خالق۔ مچھلی کی تھوک کو عنبر بنا دینے کا مالک اور خالق۔ پانی کے قطرے کو مکھی کے منہ میں ڈال کر شہد بنا دینے کا مالک اور خالق۔ ریشم کے کیڑے کو پلا کر ریشم بنا دینے والا مالک اور خالق۔ ہرن کو پانی پلا کر اسے مشک کا نافہ بنا دینے والا مالک اور خالق۔ آم کے درخت پر خوب صورت آم بنا دینے والا مالک اور خالق۔

اللہ وہ اللہ ہے جو دنیا کے پانی کے قطرے کو کبھی آم میں بدلتا ہے، کبھی انار میں تبدیل کر دیتا ہے۔ کیا طاقت ہے اس ذات کی؟ کیا عظمت والا وہ شہنشاہ ہے؟ کہ لکڑی کڑوی، پتے کڑوے، اور چھوٹی چھوٹی ڈالیوں اور شاخوں پر انار کو لٹکا دیا، اس کا چھلکا کڑوا، اس کے اوپر سارا کڑوا، لیکن جب اس کو چیرا تو اندر ایک جہان نظر آیا، دانوں کو دیکھا تو موتی جیسے چمکتے نظر آئے۔ وہ کون ذات ہے، جو اِن دانوں کو گھڑ گھڑ کر بناتا اور سفیدی و سرخی دے کر، ایک پردے میں لپیٹ کر دانہ دانہ جدا کر کے کہتا ہے: بول میرے بندے کون ہے خالق؟ کون ہے خالق؟

﴿هَذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِه﴾

یہ ہے تمہارے رب کی کائنات، یہ ہے تمہارے رب کا کارخانہ، بتاؤ! تمہارے رب کے سوا کوئی اور بھی ہے، جو یہ سب کچھ بنا کر دکھادے، یہ اللہ ہے۔

اس اللہ نے فرمایا: آسمان میں نے بنایا ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْدٍ وَّإِنَّا لَمُوسِعُونَ﴾ زمین اللہ نے بنائی ﴿وَالأَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ﴾ پہاڑ اللہ نے لگائے ﴿وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا﴾ پانی اللہ نے نکالا ﴿أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَ هَا وَمَرْعٰهَا﴾ بارش اللہ نے برسائی ﴿أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا﴾ زمین کو اللہ نے پھاڑا ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الأَرْضَ شَقًّا﴾ دانے اور پھل اللہ نے نکالے ﴿فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا، وَزَيْتُونًا وَّنَخْلًا، وَّحَدَائِقَ غُلْبًا، وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾

محترم حضرات......!! کوئی ہے ایسا آقا، جو لا کر دکھادے؟ کوئی ہے ایسا خالق تو، لا کر دکھادے؟ کوئی ہے ایسا اللہ، تو لا کر دکھادے۔ ہم پوری دنیا کے مسلمانوں سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ اللہ سے صلح کرلو، اللہ سے صلح کرلو...... ایسا مشفق، ایسا کریم، ایسا رحیم رب کہیں سے نہ پاؤ گے، اور نہ ملے گا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کامل معرفت نصیب فرمائے۔ آمین!

ان اشعار پر میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں ؎

بلبل کی زباں پر گفتگو تیری ہے تیری ہے ۔۔۔ ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو، تیری ہے تیری ہے

وما توفیقی إلا باللہ العظیم

حقوق اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى . اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ، وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

محترم بزرگو اور دوستو!

آپ دنیا پر ایک نگاہ ڈالیے، لوگوں کی آوازوں کو سنیے، آس پاس کی صداؤں پر دھیان دیجیے، آپ کو ایک آواز سب سے زیادہ سنائی دے گی، وہ ہے حقوق اللہ طلبی کی آواز، ہر شخص دوسرے سے اپنے حق کا طلب گار ہے۔ ہر شخص کی زبان پر شکوہ ہے کہ اسے اُس کا حق نہیں ملتا۔ اُس کے حقوق دبائے جا رہے ہیں، اس کا استحصال کیا جا رہا ہے، اس کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو رہی ہے، آقا کو شکایت ہے کہ اس کا ملازم اس کے حقوق ادا نہیں کرتا، ملازم کو شکوہ ہے کہ آقا اس کی محنت کے مطابق اس کا حق نہیں دیتا۔ اِسی طرح ہر شخص دوسرے سے حق تلفی کا شاکی ہے۔ گھر، باہر، شہر، دیہات، امیر و غریب، عورت و مرد، بچے اور بوڑھے، ہر جگہ اور ہر ماحول میں حقوق طلبی کی صدائیں گونجتی نظر آئیں گی۔

میرے عزیز دوستو! ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے کس قدر تگ و دَو کرتے ہیں، کتنی محنت اور دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ ہمیں جب ہمارا حق نہیں ملتا تو ہمیں کس قدر ملال اور غم ہوتا ہے اور ہم شکایات کے کیسے کیسے دفتر کھول دیتے ہیں، مگر احکم الحاکمین جس کے قبضہ و قدرت میں ہماری ذات، ہماری جان و مال اور دنیا کا یہ سارا کارخانہ ہے۔ ہر لحظہ، ہر ساعت جس کے ہم پر بے شمار احسانات و انعامات ہیں، کیا ہم نے اس کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کی، کیا اس کے جو حقوق ہم پر عائد ہیں وہ ہم نے ادا کر دیئے۔ باری تعالیٰ بھی ہم سے اپنے

حقوق کی ادائیگی کا طلب گار رہے وہ بھی اس کے فائدے کے لیے نہیں بل کہ ہمارے ہی فائدہ کے لیے، کیا ہم نے اس کی طرف دھیان دیا اور کتنی مرتبہ دھیان دیا؟ کیا ہم نے اس کی طرف توجہ کی اور کب توجہ کی؟

اگر ہم اللہ کے حقوق کو ادا کرنے والے نہ بنیں گے تو کیا اللہ ہم سے خوش رہے گا، کیا اس کی رضا مندی ہمیں حاصل ہوگی؟ کیا اللہ کے حقوق تلف کرنے کے بعد ہم اللہ کے غیظ و غضب اور اس کی زبردست پکڑ سے بچ سکیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

محترم دوستو! ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اللہ کو پہچانیں پھر اس کے حقوق کو پہچانیں اور حقوق پہچاننے کے بعد جان وتن سے اس کی ادائیگی میں لگ جائیں۔ اس کے بغیر نہ ہمیں دنیا میں کامیابی مل سکتی ہے نہ آخرت میں۔ اللہ کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اسے یکتا و بے نیاز تسلیم کریں۔

ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک وساجھی قرار دینا شرک ہے، اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

﴿إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

ہر گناہ کی بخشش ہوسکتی ہے مگر شرک کی بخشش نہیں ہوسکتی۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَکَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ يَّشَاءُ، وَ مَنْ يُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ بے شک اللہ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ جو چاہے گا، اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بہت بڑے گناہ کا افترا کیا۔

جس طرح اللہ کا ہم پر حق ہے کہ ہم اس کی ذات کو ایک مانیں، اس کے ساتھ کسی اور کو اس کی خدائی میں شریک نہ جانیں۔ اسی طرح ہم پر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی صفات میں بھی کسی کو شریک نہ جانیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو دور ونزدیک کی خبر ہے، ہر کھلی اور چھپی چیز کا علم ہے۔ کسی اور کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ نہ ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کے قبضہ وتصرف میں یہ ساری کائنات اور اس کا نظام ہے، وہ اس میں جیسے چاہتا ہے بناتا اور بگاڑتا ہے، کسی اور کے اندر یہ

قدرت وطاقت نہیں ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بھی حق ہے کہ ہم اس کی عبادت واطاعت کریں، اس کے حکموں کے آگے سر جھکادیں، اس نے اپنے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دینِ اسلام بھیجا ہے ہم اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔اور اللہ کی عبادت اس طرح کریں گویا ہم اُسے دیکھ رہے ہیں، اگر چہ ہم اپنی اِن ظاہری آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھتے مگر اِس میں کیا شک وشبہ ہے کہ خدا ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ ہماری ہر حرکت وسکون اس کی نگاہ میں ہے۔ ہمارا ہر قدم اس کے ارادہ ومشیت کا مرہونِ منّت ہے۔

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ (بخاری)

اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ کا ہم پر حق ہے کہ ہم اس کی عبادت و پرستش کریں۔اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہ کریں، اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہم اللہ کا حق ادا کرنے والے نہ بنیں گے، بل کہ حق مارنے والے بن جائیں گے۔اور حق مارنے کا جو خوف ناک انجام ہوگا وہ کون نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر حق ہے کہ ہم سر اُسی کے آگے جھکائیں، کسی اور کے آگے نہیں، سجدہ اُسی کی ذات کو کریں، کسی قبر کو نہیں، طواف اُسی کے گھر خانۂ کعبہ کا کریں، کسی مزار کا نہیں، نذر اور قربانی اسی کے نام کی ہو، کسی پیر اور فقیر کے نہیں۔

حقیقی وحدانیت اور سچی حقوق اللہ کی ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب ہم یہ ساری چیزیں صرف اور صرف اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھیں، کسی اور کو خواہ وہ خدا کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ رہا ہو، اس کا اہل نہ سمجھیں۔

سوچیے! کتنی ناسمجھی اور نادانی کی بات ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان بھائی بزرگوں کی قبروں کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں، جو خدا کے ساتھ مخصوص ہے، مزارات کو چومنا، ان کا طواف کرنا، مزارات کو سجدہ کرنا، ان پر منتیں ماننا، چادر گاگر اور اس طرح کی بہت سی خرافات میں مبتلا ہیں۔اور سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ اِن امور کو توحید کے خلاف بھی نہیں سمجھتے، بل کہ

اس کو کارِ ثواب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ مولانا حالی نے اپنی مسدس میں ایسے ہی لوگوں کا نقشہ کھینچا ہے ۔

کرے غیر،گر بت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا، خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر، بہرِ سجدہ تو کافر کو اکب میں مانے کرشمہ، تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں،شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں،خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ، نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جاکے نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جاجاکے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے

آج عالم یہ ہے کہ آپ کسی بھی ''درگاہ یا مزار شریف'' پر جا کر دیکھ لیجئے وہاں مزار پر جو رونق نظر آئے گی ،مزار پر جو سج دھج دکھائی دے گی، وہ اسی کے بغل میں مسجد کو حاصل نہ ہوگی، عرس کے موقع پر زائرین کے ہجوم کی وجہ سے راستہ چلنا دشوار ہوگا، کندھے سے کندھا چھل رہا ہوگا، مگر وہیں نماز کے وقت مسجد ویران وسنسان نظر آئے گی، دو چار اللہ کے بندے پہونچ گئے تو پہنچ گئے ورنہ مزار شریف کو چھوڑ کر مسجد کون جاتا ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ۔

رہ گئے قبروں کے پتھر،سجدہ ریزی کے لئے
ہوچکا رخصت، دلوں سے مسجدوں کا احترام

بزرگو اور دوستو! ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ہم اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار تو رہتے ہیں، مگر اللہ کا بھی حق ادا کر رہے ہیں یا نہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے حقوق کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ادا کریں۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہو جس میں عبادت کا دھوکہ، مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

وما علینا الا البلاغ

فضیلتِ قرآن پاک

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. أمَّا بَعْدُ: فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ. أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه.

الٰہی رونقِ اسلام کے سامان پیدا کر   دلوں میں مومنوں کے الفتِ قرآن پیدا کر

صدرِ محترم، اسٹیج پر رونق افروز بزرگانِ دین اور حاضرین جلسہ!

آج کی اس محفل اور بابرکت اجلاس میں میرا موضوعِ سخن دنیا کی سب سے پاکیزہ اور مقدس کتاب ”قرآنِ پاک“ ہے، ہمیں چڑھتے سورج کی طرح یقین ہے کہ اس کا ایک ایک حرف سچا اور صادق ہے، وہ قرآن پاک جس کی زبانِ مقدس، بیان مقدس اور جو فصاحت وبلاغت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے، قرآن وہ کتاب ہے جس کے صادق اور برحق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور جس کے بارے میں محسنِ انسانیت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے“ دعا کیجئے کہ خداوند قدوس ہم سب کو قرآنِ پاک کی دولت سے مالامال فرمائے۔ آمین!

نوجوان دوستو! یہی وہ قرآن ہے جو رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے سراپا ہدایت اور رحمت ہے۔ یہی وہ قرآن ہے جس نے پژمردہ قلوب کو تازگی بخشی، ہاں ہاں یہ وہی قرآن ہے جس کی برکت سے جنات وشیاطین کا آسمانوں پر جانا بند ہوا۔

یہی وہ قرآن ہے جس کی برکت سے عزت ورفعت کے شامیانے گڑ گئے۔
یہی وہ قرآن ہے جس کی بدولت محبوب حقیقی کی رضا نصیب ہوتی ہے۔
یہی وہ قرآن ہے جو سچائی اور امانت داری کا درس دیتا ہے۔
یہی وہ قرآن ہے جس کی بدولت عمر فاروقؓ کو ایمان نصیب ہوا۔
یہی وہ قرآن ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے ساری دنیا عاجز وقاصر رہی۔

یہی وہ قرآن ہے جس کا مثل پیش کرنے سے عرب کے فصیح وبلیغ زبان دانی کا دعویٰ کرنے والوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔

یہی وہ قرآن ہے جس نے ضلالت وگمراہی کی دَل دَل میں پھنسی ہوئی انسانیت کو رشد وہدایت کا پیغام سنایا۔ یہی وہ قرآن ہے جس کی حفاظت کا وعدہ خود خالق کائنات نے فرمایا۔

یہی وہ قرآن ہے جس کی تلاوت میں دلوں کے واسطے فرحت وبشاشت کا سامان ہے۔

یہی وہ قرآن ہے جس نے ذہنی قوتوں کو جلاء بخشا۔

یہی وہ قرآن ہے جس کی برکت سے اجڑے چمن میں بہار پیدا ہوئی۔

محترم حضرات! آج کے اس دور میں حفظ کلام پاک کو فضول کام سمجھا جاتا ہے، اس کے الفاظ رٹنے کو حماقت بتلایا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کا رٹنا اور بے سمجھے پڑھنا بے سود ہے۔

افسوس صد افسوس! اس قرآنِ پاک کے بارے میں ہمارا یہ خیال ہے کہ جس کے بارے میں شہنشاہ بطحا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِقْــرَءْ وَارْتَــقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَءُ هَا.

قیامت کے دن حافظِ قرآن سے کہا جائے گا، قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا بس تیرا مقام اور ٹھکانہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

یاد رکھو! یہ قرآن دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے یہ زمین وآسمان، چاند، سورج اور ستارے کوئی اس نعمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ قرآن ربّ کائنات کا مقدس اور عظیم کلام ہے اور کیوں نہ ہوں جب کہ اس کا اتارنے والا خود خالق امین، جس کے ذریعہ اتارا گیا وہ بھی روح الامین، جس ذات پر نازل ہوا وہ بھی صادق الامین، جس مقام پر نازل ہوا وہ بھی بلد الامین جس مہینے میں نازل ہوا وہ تمام مہینوں سے افضل اور جس رات میں نازل ہوا وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اللہ کا یہ مقدس اور پاکیزہ کلام تمام کلاموں سے افضل اور برتر ہے، حدیث پاک میں آتا ہے، فَضْــلُ كَــلَامُ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِه؛ اللہ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر، اللہ کا دلارا اور خدا کا پیارا نبی ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو کل قیامت

کے دن سورج سے بھی زیادہ روشن تاج پہنایا جائے گا، غور کرنے کا مقام ہے کہ جب والدین کو اس گراں قدر انعام سے نوازا جائے گا تو خود پڑھنے والے کا مقام اور مرتبہ کیا ہوگا۔

حضرات! قیامت کا میدان اور ایسے دس آدمی جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی حافظِ قرآن اپنے رب کی بارگاہ میں سفارش کرے گا، پروردگار عالم اس کی سفارش قبول کرے گا اور ان کو اس حافظ قرآن کی برکت سے نجات عطا ہوگی۔

مسلمانو! قرآن کریم وہ عظیم برکت اور سعادت ہے جو روحِ خداوندی ہے، معدنِ حیات اور سرچشمۂ زندگی ہے، وہ عرب قوم جو پشت ہاپشت سے مردہ چلی آرہی تھی، دنیا جس کو ذلیل اور حقیر جانتی تھی، کوئی ان کو اونٹ کی مینگنیوں میں کھیلنے والا سمجھتا، کوئی ان کو جہلائے عرب کا خطاب دیتا، کوئی ان کو جاہلین مکہ کہتا، لیکن جب قرآن آیا تو جن کا نام جہلائے عرب تھا، صحابہ کرام ہوگیا، وہ مردہ قوم جو کروٹ نہیں لے سکتی تھی، طاقت وقوت سے ایسی لیس ہوگئی کہ جس نے قیصر وکسریٰ کا غرور خاک میں ملا دیا، بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں کا تختہ الٹ دیا۔

محترم دوستو! قرآن آیا تو زمان ومکان میں زندگی آئی۔ قرآن آیا تو عدل ومساوات کا پیغام آیا۔ قرآن آیا تو مذہب اسلام پھیلا۔ قرآن آیا تو مردہ قوم زندہ ہوئی۔ قرآن آیا تو قیصر وکسریٰ کا غرور خاک میں ملا۔ قرآن آیا تو باطل کے لہراتے جھنڈے ٹوٹ پڑے۔ قرآن آیا تو کفر وشرک دم توڑ گیا۔ قرآن آیا تو ساری کائنات کو نور ملا۔ قرآن آیا تو انسانوں کے پجاری خدا کے پرستار بنے۔ قرآن آیا تو توحید ملی، ایمان ملا۔ قرآن آیا تو گلستاں کو بہار حسن عطا ہوا۔

ہاں ہاں مجھے کہہ لینے دیجیے کہ: قرآن آیا تو روشنی آئی۔ قرآن آیا تو تاریکی کافور ہوئی۔ قرآن آیا تو امن وامان اور سلامتی آئی۔ قرآن آیا تو احکام ملے، شریعت ملی۔ قرآن آیا تو دم توڑتی انسانیت کو حقوق ملے۔ قرآن آیا تو شرافت وعزت ملی۔ قرآن آیا تو دوستو سب کچھ ملا۔

مگر افسوس صد افسوس! ہم نے قرآن کے دامنِ تقدس کو ترک کر دیا، ہم نے اس کی پاکیزہ تعلیمات کو بھلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلم قوم جس کے سر پر عزت ورفعت کا تاج تھا، ذلت و رسوائی کے غار میں جا گری، وہ قوم جس کا کامیابی آگے بڑھ کر استقبال کرتی تھی، ناکامی اس کا مقدر بن گئی، وہ مسلم قوم جس کی ایک آواز پر افریقہ کے جنگل میں رہنے والے خون خوار درندوں نے جنگل خالی کر دیا تھا، آج ایک چیونٹی بھی اس کا حکم ماننے کو تیار نہیں، وہ قوم جس نے کبھی

حکومت وسلطنت کا فریضہ انجام دیا تھا۔ آج غلامانہ زندگی بسر کر رہی ہے، وہ قوم جن پر کبھی تاریخ نازاں تھی آج ماتم کناں ہے، وہ قوم جس کا ماضی روشن اور تابناک تھا، حال و مستقبل اس کا تاریک ہے۔

مسلمانو! سمجھو اور ہوشیار ہو جاؤ، غفلت کا پردہ چاک کرو، قرآن پاک سے وابستہ ہو جاؤ، ورنہ یاد رکھو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

حاضرین جلسہ! جاں نثار صحابہ کرامؓ کے کتب خانہ میں قرآن پاک کے علاوہ کوئی کتاب نہ تھی اسی کو لے کر وہ آگے بڑھے اور کامیابی ان کے قدم چومتی چلی گئی۔ وہ قرآن ہی تھا جس کی برکت سے بدر کے میدان میں تین سو تیرہ نے مکہ کی قسمت پلٹ دی، آج ہم کروڑوں میں ہیں، مگر دوسری قومیں ہم پر سوار ہیں، جان ہماری محفوظ نہیں، مال ہمارا محفوظ نہیں، عزت وآبرو سے ہماری کھلواڑ ہے نہ ہماری مساجد محفوظ ہیں نہ ہمارے مدارس محفوظ ہیں، ظلم وستم کی چکی ہمارے لیے گھوم رہی ہے۔ جس میں ہم مزے سے پس رہے ہیں۔

مسلمانو! ایک دور وہ تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ہامان بن ولی سے ہوتا ہے، اس دشمنِ خدا اور دشمنِ رسول کے پاس طاقت اور قوت ہے، ساٹھ ہزار فوج کا لشکر جرار ہے، مسلمانوں کی فوج دس ہزار ہے، اسلامی فوج کے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں، مسلمانوں کو اس کا علم بھی نہیں کہ دشمن کے پاس کتنی فوج ہے، مشورہ ہوتا ہے، خالد بن ولیدؓ سے کہا جاتا ہے کہ آپ تین سو آدمی لے کر جائیں اور پتہ لگائیں کہ دشمن کی فوجیں کہاں ہیں؟ اس کی تعداد کتنی ہے؟ اور اس کے پاس سامان حرب کیا ہے؟

صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی قوت دیکھیے! فرماتے ہیں کہ تین سو کی ضرورت نہیں، میرے ساتھ صرف تیس آدمی کافی ہیں، صحابہ عرض کرتے ہیں کہ آپ کی قوتِ ایمانی آپ کو مبارک ہو، مگر یہ دنیا دار الاسباب ہے، تیس آدمی کچھ نہیں ہوتے کم از کم ساٹھ آدمی لے جاؤ۔ چناں چہ تیس آدمیوں کا اور اضافہ کر دیا گیا اور اسلامی فوج کا یہ مختصر سا قافلہ آگے بڑھا، چند میل کے فاصلہ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دشمن کا لشکر ہے اس کی تعداد ساٹھ ہزار ہے، خالد بن ولیدؓ کی ایمانی حرارت جوش میں آئی، فرمایا کہ دشمن کا لشکر سامنے ہے میری رائے ہے کہ ادھر منتظر صحابۂ کرام کو اطلاع کی ضرورت نہیں ان سے مقابلہ کے لیے ہم کافی ہیں، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں

شوقِ شہادت ہے، جب شہادت سامنے ہے تو دشمن کی کثرت تعداد کی پرواہ کیا ہے؟ اسلامی فوج کا وہ مجاہدِ اعظم صف بناتا ہے، دوسری طرف ساٹھ ہزار کا لشکر ہے، ہامان بن ولی آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ ہم تو سمجھتے تھے مسلمان قوم بڑی سمجھ دار ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم احمق ہو، ساٹھ ہزار سے لڑنے کے لیے ساٹھ آدمی لے کر آئے ہو، جاؤ ہم تم پر رحم کھاتے ہیں کیوں اپنی جانوں پر ظلم کرنے آئے ہو یہاں سے چلے جاؤ۔ اور دو دو بورے کھجور اور چند اشرفیاں دے دیتا ہے۔

دوستو! جگر پر ہاتھ رکھیے اور سنئے! حضرت خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں تو واعظ بن کر آیا ہے یا کمانڈر بن کر آیا ہے، تجھے شرم نہیں آتی اپنی بزدلی کو وعظ کے پردے میں چھپاتا ہے، تم میں لڑنے کی طاقت نہیں ہے، ہامان بن ولی اسلامی مجاہد کی اس للکار کو سن کر جوش میں آتا ہے، فوج کو حکم دیتا ہے کہ پکڑ لو ان ساٹھ آدمیوں کو، چناں چہ ساٹھ ہزار کا حملہ ہوتا ہے اور صحابۂ کرامؓ ان میں گھس جاتے ہیں، راوی کہتا ہے کہ رسولِ خدا کے وہ جاں باز سپاہی گھستے ہوئے تو نظر آئے، پھر پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ سوائے تلواروں کی چمک اور کھچا کھچ کے کچھ نظر نہ آتا تھا، صرف تین گھنٹے میں جنگ کا فیصلہ ہو جاتا ہے، تاریخ شاہد ہے، زمین و آسمان گواہ ہیں کہ ساٹھ نے ساٹھ ہزار کا منہ پھیر دیا۔

حضرات! میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون چیز تھی جس نے صحابۂ کرامؓ میں یہ طاقت اور قوت پیدا کی، دوستو! یہی قرآن پاک تھا جس نے ایک کو ایک ہزار پر بھاری کر دیا، کسی نے سچ کہا ہے ؎

وعدۂ غلبہ ہے مومن کے لیے قرآن میں — پھر جو تو غالب نہیں، کچھ کسر ہے ایمان میں

محترم حضرات! اگر ہم ماضی کی طرح حال و مستقبل کو روشن اور تابناک بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن پاک سے وابستہ ہونا ہوگا، اسے سینے سے لگانا ہوگا، اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ ہماری آخرت بھی سنور جائے تو اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا۔

خدانخواستہ آج ہم نے اپنے بچوں کو دو پیسے کے لالچ میں دین سے دور رکھا اور ہماری نظر اخروی نعمتوں کے بجائے دنیاوی ڈگریوں پر رہی تو یاد رکھئے خدا کے یہاں جواب دینا ہوگا۔

اسی پر میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن سیکھنے سکھانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

وما علینا إلا البلاغ

قرآن کا چیلنج

مکاں فانی ، مکیں آنی ، ازل تیرا ، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو ، جاوداں تو ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِهِ الْكَرِيْم. أَمَّا بَعْدُ:

قَالَ اللّٰه تَعَالىٰ فِي الْقُرآنِ الْكَرِيمِ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ .

جنابِ صدر، حاضرینِ جلسہ اور عزیز ساتھیو!

میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کی ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں، اس کے علوم و معارف تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں، اس کی صداقت وسچائی کا اعلان کرتے ہیں۔ اور تم یہ سمجھتے ہو، تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ اسی کا کلام ہے، آسمانی وحی نہیں ہے۔ میری طرف سے نازل نہیں ہوا ہے، تم میرے حبیب کو جھٹلاتے ہو، تم میں سے کہنے والے کہتے ہیں ﴿لَو نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلُ هٰذا﴾ اگر ہم چاہتے تو اس جیسا کلام ہم بھی پیش کر دیتے، تو آؤ تمہارے لیے راستہ صاف ہے، تم بھی انسان ہو، تم بھی اسی خطہ کے رہنے والے ہو، طلاقتِ لسانی میں تمہاری مثال نہیں، فصاحت وبلاغت کے تم امام ہو، تمہاری ادنیٰ سی ادنیٰ چھوکریاں بھی شعراء وادبا کی مجلسوں میں کھلبلی مچادیتی ہیں، تم نظم ونثر کے استاذ ہو، ماہرفن ہو، اس جیسا قرآن پیش کردو۔

حضرات! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی خداوندقدوس نے چیلنج کیا ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَّاْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَو كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجیے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ انسان کا کلام ہے۔ اگر تمام انسان اور جنات اور کائنات کی تمام مخلوق بھی اِکٹھا ہوکر اس جیسا قرآن پیش

کرنا چاہے تو نہیں پیش کر سکتی، چاہے ایک دوسرے کے حامی و مددگار کیوں نہ بن جائیں......
یہ ایک چیلنج تھا، دشمنانِ اسلام وقرآن کے لیے یہ ایک زرّیں موقعہ تھا جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف طعن و تشنیع کر رہے تھے، جو اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے کوشش کر رہے تھے، وہ میدان میں آتے اور اس جیسا کلام پیش کر کے اس چیلنج کا جواب دیتے اور اس تحریک کو ابھرنے سے پہلے ہی کچل دیتے۔ لیکن اس چیلنج پر سب کو سانپ سونگھ گیا، ان دشمنانِ اسلام کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں، وہ سب ماہرینِ فن، فصیح و بلیغ اور زبان دانی میں اپنا جواب نہ رکھنے والے حیرت میں پڑ گئے، کسی نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا، سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ نے اور نیچے اُتر کر فرمایا کہ اگر تم پورا قرآن پیش نہیں کر سکتے تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو، اگر تنہا نہیں لا سکتے تو اپنی عالمی کانفرنس کر لو، اکیڈمی بنا لو اور تمام حمایتوں کو بلا کر اس کا جواب پیش کر دو۔ ارشاد فرمایا: ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ کیا تم یہ کہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھڑ لیا ہے، تو کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ تم اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو اور اللہ کو چھوڑ کر جسے چاہے بلا لو۔ اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو!

لیکن دوستو! اس چیلنج پر بھی عرب کے معاشرہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوئی، کسی کی رگِ حمیت نہیں پھڑکی، کسی دل میں غیرت نہیں آئی، کسی طبیعت میں جوش و ابھار پیدا نہیں ہوا کہ وہ اس جیسا کلام پیش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک نیا محاذ کھڑا کر دیتے، اس تحریک کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکتے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی رگِ حمیت کو پھر للکارا، ان کی غیرت پر تیشہ زنی کی، ان کے شک وشبہ کو پھر مہمیز لگائی اور صداقت کا اعلان کیا فرمایا ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ کہ اگر تمہیں اس کلام میں ذرّہ برابر بھی شبہ ہے اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسے بنا کر لاتے ہیں، تو تم اس جیسی ایک ہی سورہ بنا دو، اپنے معبودانِ باطلہ کو ساتھ لے لو، ان کا تعاون لے کر تمام قوم کو جمع کر کے انفراداً نہ سہی، اجتماعی طریقہ سے ہی اس کی ایک سورة پیش کر دو اور اگلی آیت میں چیلنج بھی ہے ﴿وَلَنْ تَفْعَلُوا﴾ کہ تم قیامت تک پیش نہیں کر سکتے!

حضرات! آپ عرب قوم کی تاریخ پڑھیے، وہ قوم جاہل وناخواندہ ضرور تھی۔ لیکن اس قوم میں شعراء وخطباء، فصحاء وبلغاء کا ایک جمّ غفیر تھا، زبان پر ان کو مکمل عبور تھا، ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی اپنی زبان کے جادو سے دلوں کو مسحور کر لیا کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قوم بڑی غیور، باحمیت اور حوصلہ مند تھیں۔ ان کو للکارنا ہنسی کھیل نہ تھا، لیکن قرآن نے زبردست چیلنج کیا اور جب چاروں طرف سے آواز نہیں آئی، تو پھر فرمایا ﴿ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ ﴾ کہ اس جیسی ایک بات ہی پیش کردو۔ تمہاری طلاقتِ لسانی کے چرچے تو آسمان پر ہیں اور پھر ایک چھوٹی سی سورت ﴿إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴾ لکھ کر باب کعبہ پر آویزاں کردی گئی، کافی دن تک کعبہ کے دروازے پر یہ سورۃ لٹکی رہی، لیکن وہ دشمنانِ اسلام، وہ تحریک اسلامی کو بیخ وبُن سے اُکھاڑنے والے، وہ محمد عربی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے خون کے پیاسے ان کا تو ایک سورۃ بنا کر مدعا حاصل ہو رہا تھا۔ بازی ان کے ہاتھ تھی، لیکن کہیں سے کوئی چوں کی آواز بھی نہیں آئی ع اللہ رے سناٹا، آواز نہیں آتی

قرآن کا چیلنج صرف اہلِ عرب، کے لیے نہیں تھا بل کہ قیامت تک آنے والے تمام افراد سے متعلق ہے، یہ چیلنج آج بھی اہلِ دانش کو للکار رہا ہے۔ آج بھی جو قرآن کے خلاف اپنی ناپاک زبان استعمال کرتے ہیں وہ اس چیلنج کو قبول کریں، میدان میں آئیں، ان کے لیے راستہ صاف ہے۔

سامعین کرام! دراصل قرآن پاک اللہ تبارک کا کلام ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قسم کا کلام بنا کر پیش نہیں کر سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا ﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِ نَفْسِي ﴾ اس معجز نمائی نے صرف تئیس سال کی مختصر وقت میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور انہیں تندخو، گنوار، بدّوں کو حلم واخلاق کا پیکر بنا دیا تھا۔ آج بھی اس میں یہی تاثیر ہے، اس کے پڑھنے سے دل ودماغ روشن اور ضمیر بیدار ہوتا ہے۔

آیئے! ہم اس معطّر خزینہ سے اپنے دامن کو بھر لیں اور اس قرآنی خدمت کو اپنا مقصد زندگی بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمادیں۔ آمین ثم آمین!

وما توفیقی الا باللہ

شانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ـ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ: اَللّٰهُمَّ اهْدِي أُمَّ أَبِي هُرَيرَةَ رَضِي اللّٰهُ عَنهُ ـ اَوْ كَمَاقَالَ عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ.

محترم صدرِ جلسہ، جناب سامعین، اور تعلیمی زندگی کے ہم سفر!

آج میری تقریر کا عنوان ''شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ انشاء اللہ کوشش کروں گا کہ آپ حضرات کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر اپنی معروضات پیش کروں، بے مثال سیرت۔

میرے دوستو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک اٹھتا ہوا سمندر ہے، آپ کی سیرت کا حق تو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا، کسی انسان میں یہ قوت نہیں کہ وہ کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حق ادا کر دیا۔

ایک آدمی نے علامہ بشیری سے کہا: اگر آپ سیرت بیان کرنے کا حق ادا نہیں کر سکتے تو سیرت بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ علامہ بشیری نے کہا ہماری مثال مصر کی اس بڑھیا کی ہے جو یوسف کو خریدنے کے لیے روئی کی ایک گٹھری لے کر آئی تھی اور کسی نے کہا تھا، اماں! تیری اس گٹھری سے بھی یوسف خریدا جائے گا؟ تو کہنے لگی بات یوسف کو خریدنے کی نہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ کل قیامت کے دن خدا تعالیٰ پوچھے گا کہ یوسف کا خریدار کون کون تھا تو میرا بھی نام آ جائے گا۔ قرآن بولتا ہے ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔

میرے بھائیو!

نبی چلتا ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی بیٹھتا ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی اٹھتا ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی پہاڑ پر ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی بولتا ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی غار میں ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی گلی میں ہے، قرآن بولتا ہے۔ نبی مکہ میں ہے، قرآن بولتا ہے۔ محمد کی ایک ایک ادا قرآن بولتا ہے۔ نبی مسکراتا ہے قرآن بولتا ہے۔ نبی روتا ہے قرآن بولتا ہے۔ نبی صحابہؓ کو اپنے سینے سے لگاتا ہے قرآن بولتا ہے۔ نبی مسجد میں ہے قرآن بولتا ہے۔

اے پیغمبر!

میں نے تیری ایک ایک ادا قرآن میں اتار دیا، اس لیے کہ تو اتنا بلند ہے کہ تیری وجہ سے مکہ کی گلیوں کو بلند کیا، تیری وجہ سے مدینہ شہر کو بلند کیا، میں نے تیری وجہ سے صحابہ کو اتنا بلند کر دیا کہ قیامت تک کوئی جوان، کوئی ولی، کوئی قطب، کوئی ابدال آپ کے قدموں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتا۔

اس لیے کہ جو تیرا اصحابی بنا وہ بھی کائنات میں بلند ہوگا، ہمارا نبی نبیوں کا نبی اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء بھی دنیا میں بھیجے، کوئی نبی بستی کے لیے، کوئی شہر کے لیے، کوئی قوم کے لیے، کوئی علاقے کے لیے، کوئی ایک ملک کے لیے، کوئی موضع کے لیے، لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو ہمارا نبی آسمانوں کا نبی، زمینوں کا نبی، شمس وقمر کا نبی، شجر وحجر کا نبی، ساری کائنات کا نبی، تحت الثریٰ کا نبی، عرش معلیٰ کا نبی اور ہمارا نبی تمام نبیوں کا نبی۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ ہم نے تیرا ذکر اور تیری شان کو اونچا کر دیا۔

شانِ مصطفیٰؐ:

موسیٰ نے لاٹھی پتھر پر ماری پانی کے بارہ چشمے نکل آئے۔

قرآن کہتا ہے: ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ کہ موسیٰ نے لاٹھی ماری پانی کے چشمے پہاڑ سے نکل آئے، دنیا حیران ہوگئی کہ پہاڑ سے پانی کے چشمے نکل آئے۔

میرے دوستو!

پہاڑ سے پانی کا نکلنا قرین قیاس ہے عقل کے خلاف نہیں ہے۔ پانی کے چشمے زمین

سے نکلتے ہیں، پانی کے چشمے تو پہاڑ ہی سے نکلتے ہیں، پانی کے چشمے کا پہاڑ سے نکلنے میں جتنا بڑا کمال ہے اس سے بھی بڑا کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دکھا دیا کہ نبی حدیبیہ کے موقع پر موجود ہے، صحابہ نے بتایا کہ یارسول اللہ پانی ختم ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی کا ایک پیالہ لاؤ، پیالہ میں تھوڑا سا پانی تھا، آقا نے نبوت والا ہاتھ اس میں ڈالا تو ان کی انگلیوں سے پانی کے چشمے نکل آئے تو قرآن نے کہا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ہم نے تیرے ذکر اور شان کو اونچا کر دیا۔ دعا کی قبولیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوہریرہؓ آئے اور فرمایا یارسول اللہ! میری ماں کے لیے دعا کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت والا ہاتھ اٹھایا اور فرمایا: أَللّٰهُمَّ اهْدِي أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ. اے اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔

یہ دعا کرتے ہی ابوہریرہؓ اٹھے اور گھر کی طرف بھاگے جا رہے تھے، کسی نے بازو پکڑ لیا اور پوچھا اے ابوہریرہؓ! کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا گھر جا کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ پہلے میں گھر پہنچتا ہوں یا محمدؐ کی دعاء پہلے پہنچتی ہے۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے، تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا دیکھا تو ماں غسل سے فارغ ہو کر فرمانے لگی ہے اے ابوہریرہؓ جلدی کر مجھے رسول اللہ کے دروازے پر لے جا کر کلمہ پڑھا دے، تو اس بات پر قرآن کہتا ہے: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ یہ نبی کی شان ہے۔ ایک مرتبہ ابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مٹھی بند کر کے کہنے لگا اے محمد! بتا میری مٹھی میں کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوجہل میں بتاؤں تیری مٹھی میں کیا ہے؟ یا تیری مٹھی میں جو چیز ہے وہ بتائے کہ میں کیا ہوں؟ یہاں تک کہ مٹھی میں جو کنکریاں تھیں ان کنکریوں سے آواز آئی ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه و أشهد أن محمدًا رسولُ اللّٰه'' یہ نبی کی شان ہے۔

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ سے ہم سبھی لوگ یہ دعا فرمائیں کہ وہ مسلمانان عالم کو شان مصطفیٰ اور سیرت شہنشاہ دو عالم، سرور کائنات، فخر موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان سے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا کر کے دونوں جہان میں کامیابی سے ہم کنار کرے۔ آمین ثم آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

اخلاق رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم غیروں کی نظر میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي أبدَعَ الأفلاکَ وَالأَرْضِينَ والصَّلٰوۃ والسَّلام علیٰ مَنْ كَانَ نَبِيًا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أجْمعينَ أمَّا بَعْدُ:

فَأعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُون وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ وقال في موضع آخر: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِه.

حمد وثنا اور کبریائی۔ خدائے بزرگ و برتر رب العالمین جل جلالہٗ کے لیے، اور درود وسلام آقائے دو جہاں، رحمت کائنات، فخر موجودات، خاتم النبیین، امام المرسلین، سید الاولین والآخرین، رحمۃ للعالمین، ہادیٔ سبل، خاتم الرسل، احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ — كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ — صَلُّوا عَلَيْهِ وَآلِهٖ

قابلِ صد احترام معزز حاضرین، ہماری روحانی ماؤں اور بہنو!

اس وقت ہم اور آپ ایک دینی اخوت اور ایمانی جذبات کے ساتھ یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی، عشقِ نبی اور عملِ صالح والی زندگی کے لیے روشنی حاصل کرنا۔ اگر مقصد یہی ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے تو پھر دعاء کیجیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ آمین!

آج کا ہمارا عنوان ایک ایسا عنوان ہے جس کی ضرورت ہے۔ وہ عنوان نہ سیاست سے متعلق ہے، نہ تجارت سے، نہ امامت سے، نہ خطابت سے، نہ سیادت سے، نہ چودھراہٹ سے، بل کہ محسنِ انسانیت، رحم وکرم کے پیکر، رب العالمین کے محبوب، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کے متعلق ہے۔

محترم سامعین کرام! پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کو اس دنیا میں ایسے وقت میں مبعوث فرمایا، جب دنیا کے حالات بگڑے ہوئے تھے۔ لوگوں کے عقائد و معاملات، طور طریقے، رہن وسہن، تجارت وحرفت، سیادت وقیادت، اخلاق وکردار کے لحاظ سے اس روئے زمین پر کسی انسان میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی تھیں۔ بل کہ انسانیت کا پورا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ عابد اور معبود میں کافی دوری پیدا کر چکے تھے ضرورت تھی کہ اس روئے زمین پر انسان کو انسان بنانے کے لیے، عقائد ومعاملات کی درستگی کے لیے، طور طریقوں کے سدھار کے لیے، اخلاق وکردار کا نمونہ پیش کرنے اور عملی جامہ پہنانے کے لیے محسنِ انسانیت سرورِ کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو۔ کیوں کہ صدیوں سے ایسے اخلاق کے حامل محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ وعظیمہ کی بشارتیں توریت وانجیل اور زبور کے ذریعہ نسلاً بعد نسل سنائی جارہی تھیں۔

وہ وقت آ گیا اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق بھی عمدہ۔ عمل بھی عمدہ، عبادت بھی عمدہ، ریاضت بھی عمدہ، دیانت بھی عمدہ، عادت بھی عمدہ، سیرت بھی عمدہ، شرافت بھی عمدہ، سنت بھی عمدہ، مزاج بھی عمدہ۔

تبھی تو ہم کہتے ہیں تلوار کی باری بعد میں آئی، پہلے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق پیش کیے، شیریں کلام پیش کیا دشمن کے حق میں دعائیں دیں، ایک طرف کفار ومشرکین کی اذیت ناک دردناک تکلیف دہ باتیں ہوتی تھیں، دوسری طرف میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ ہوتے، دعاء کے لیے دست مبارک اٹھا ہوا ہوتا۔

اللہ اللہ! ایسا پیارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایک طرف اہلِ مکہ دشمنی کرتے دوسری طرف میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی امانتیں ہوتیں اور صادق وامین کے لقب سے پکارے جاتے جب سرورِ کائنات نے مکہ میں توحید کا پرچم لہرایا اسلام کی باتیں کیں تو پھر ہر ایک کی نگاہیں میرے نبی کی طرف اٹھیں۔

کسی نے امانتیں رکھ کر آزمایا۔ کسی نے گالیاں دے کر آزمایا۔ کسی نے کانٹے بچھا کر آزمایا۔ کسی نے طعنہ دے کر آزمایا۔ کسی نے کوڑا ڈال کر آزمایا۔ کسی نے پھندا ڈال کر آزمایا۔ کسی نے دیوانہ کہہ کر آزمایا۔ کسی نے مجنون کہہ کر آزمایا۔ کسی نے دوست بن کر آزمایا۔ کسی نے مہمان بن کر آزمایا۔ لیکن خاتم النبیین والمرسلین نے اپنے عمدہ اخلاق کے ذریعہ ہر ایک کو خوش کر دیا کسی کو

ناراض نہیں کیا۔

آیئے! ذرا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دوسروں (یہودیوں) سے معلوم کرتے ہیں کہ بتاؤ ذرا میرے نبی کے اخلاق و کردار کیسے ہیں۔

میرے دینی بھائیو!

ایک یہودی میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مہمان بن کر آیا۔ آنے کا انداز عجیب وغریب ہے ہاتھ میں ننگی تلوار لیے آتا ہے، انداز دشمنوں کا ہے، کلام گستاخانہ ہے، نہ ادب ہے، نہ احترام، آکر کہتا ہے یا محمد! میں تیرا مہمان ہوں، دور سے آیا ہوں، تھکا ماندہ ہوں، بھوک اور پیاس سے دوچار ہوں، سب سے پہلے مجھے کھانا کھلاؤ، دیکھو دنیا والو! میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق۔ فرمایا ہاں ہاں! تو میرا مہمان ہے۔ سبحان اللہ! کتنا عمدہ اخلاق ہے۔ یہودی سے نہ نام معلوم کیا گیا، نہ بے ادبی پر ٹوکا گیا، نہ یہ معلوم کیا گیا کہ ننگی تلوار لے کر کیسے آئے ہو؟ کیا ارادہ ہے؟ کب تک قیام رہے گا۔ کچھ بھی معلوم نہیں کیا گیا اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہاں ہاں تو میرا مہمان ہے۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کے لیے دسترخوان لگاتے ہیں۔ گھر کا کھانا رکھتے ہیں۔ یہودی مہمان دسترخوان پر دھڑلے سے بیٹھ جاتا ہے۔ نہ ادب ہے نہ احترام، کھانا شروع کرتا ہے۔ نہ سنت کا خیال، نہ میرے آقا کا خیال کرتا ہے، روٹیاں توڑ توڑ کر کچھ کھاتا، کچھ گراتا ہے، نہ بسم اللہ پڑھا نہ الحمدللہ کہا، نہ خدا کا شکر ادا کیا، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نگاہ نبوت سے دیکھ رہے ہیں کہ میرے دسترخوان پر میری سنت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں، یہودی مہمان بھی جی بھر کر میرے آقا کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ لیکن قربان جایئے! میرے نبی کے اخلاقِ کریمانہ پر۔

یہودی مہمان دیکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ناراض ہوئے، نہ غصہ ہوئے، نہ تکلیف پہنچائی، نہ بھوکا رکھا، نہ بیکار رکھا، بل کہ عزت وہمت دی، حوصلہ دیا، احترام کیا، دسترخوان بچھایا مہمان بنا کر کھانا پیش کیا، پانی پلایا، پورے گھر کا کھانا پیش کردیا، آرام دیا۔

یہودی مہمان دل ہی دل میں سوچتا ہے جو برسوں سے سنتا آرہا تھا کہ آخری نبی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے مکہ میں پیدا ہوں گے ان کے اخلاق و کردار بڑے عمدہ ہوں گے، یہ باتیں، یہ اوصاف، یہ اخلاق، یہ کردار ان میں موجود ہیں۔ لیکن پھر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمایا

جائے اور کوئی بڑا تکلیف دہ کام کیا جائے۔ جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو اس کے بعد دیکھا جائے کہ کیا وہی محمد ہے جن کے اخلاق کے بارے میں سنتا آ رہا ہوں یہودی کہتا ہے۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو نے کھانا کھلایا، پانی پلایا، اب آرام کرنے کے لیے بستر لگا دو۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ایک ہی بستر ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے ہیں، وحی الٰہی کا نزول بھی اسی بستر پر ہوتا ہے، میرے نبی کا بسترِ مبارک پاک وصاف ہے اور یہودی کافر لیکن میرے آقا کا مہمان ہے میرے آقا محسنِ اعظم اخلاق کے بلند پایہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں کیا، بل کہ فرمایا ہاں ہاں میرے مہمان بستر لگاتا ہوں تم آرام کرو۔

میرے آقا یہودی مہمان کے لیے بستر پیش کرتے ہیں یہودی مہمان فوراً بستر پر لیٹ جاتا ہے۔ نہ ادب نہ احترام، مہمان پوچھتا بھی نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بستر ایک ہے تم کہاں آرام کرو گے! یہودی حیران و پریشان ہے کہ عجیب عمدہ اخلاق کا آدمی ہے جو کچھ مانگا، سب کچھ پیش کر دیا۔ نہ ناراض ہوا، نہ غصہ ہوا، نہ برا بھلا کہا، نہ تکلیف دی، نہ بھوکا رکھا، نہ پیاسا رکھا، نہ بیگانہ رکھا، عزت دی، ہمت دی، حوصلہ دیا، احترام کیا، مہمان بنایا، خاطر تواضع کی، سارا کھانا پیش کیا، دسترخوان لگایا، بستر بھی دیا، آرام ہی آرام، سکون ہی سکون، راحت ہی راحت، عافیت ہی عافیت، نہ ڈر، نہ خوف، نہ بے چینی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے اس اخلاقِ عظیمہ وکریمہ پر دنیا قربان ہو جائے۔

لیکن یہودی ابھی بھی دل میں سوچتا ہے بستر دے دینا کوئی کمال نہیں، اس کے بعد کوئی ایسی حرکت کی جائے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی پریشان ہوں اور ان کے ساتھی کو بھی تکلیف ہو میرے آقا، رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کو آرام سے سلایا اور خود شب بیداری کے لیے امت کی مغفرت کرانے کے لیے عبادت میں مشغول ہو گئے رات گزرتی جا رہی ہے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں مشغول ہوتے جا رہے ہیں، صحابہ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں یہودی مہمان، دل ہی دل میں ارادہ بناتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے آزمایا لیکن بالکل سچ اور حق پایا، کھرا پایا، عمدہ اخلاق والا پایا، اب ایک بار اور آزما کر دیکھوں! یہودی مہمان میرے نبی کے پاک بستر پر پیشاب پائخانہ کر کے ناپاک کر دیتا ہے رات کی تنہائی میں یہودی نے بطور آزمائش یہ حرکت کر دی لیکن تھوڑی دیر میں یہودی

گھبرانے اور ڈرنے لگا، خوف کرنے لگا، سوچنے اور پریشان ہونے لگا۔

کہ ہوسکتا ہے اب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق وکردار کی وجہ سے کچھ بھی نہ بولیں لیکن اگر صحابہ کو یا عمر فاروق کو خبر لگ گئی تو ان سے کوئی بچا نہیں سکتا اس لیے ابھی نہ محمدؐ بیدار ہیں نہ صحابہ دیکھ رہے ہیں، نہ عمر فاروق موجود ہیں، چلو اسی وقت یہاں سے راہ فرار اختیار کرلیں تاکہ صبح ہوتے ہی اپنی منزل کو پہنچ جائیں۔

یہودی مہمان نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترِ مبارک کو نجس وناپاک کر کے رات کی تاریکی میں گھر کا راستہ اختیار کرلیا ڈر اور خوف کی حالت میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے ادھر محسنِ اعظم نبی مکرم ہادیٔ عالم رحمۃ للعالمین اپنے یہودی مہمان کی خبر لینے کے لیے حجرہ میں آتے ہیں کہ چل کر دیکھ لوں میرے مہمان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے، سبحان اللہ! حجرہ میں آتے ہیں بستر خالی اور مہمان غائب ہے نجاست پڑی ہوئی ہے پیشاب سے بستر تر ہے، بدبو آرہی ہے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر پریشان اور فکرمند ہوئے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے مہمان کہیں دور تک نظر نہیں آیا۔ پریشان ہوگئے میرا مہمان کہاں چلا گیا، اسے تکلیف ہوئی ہم نے خبر نہیں لی ربِ دو جہاں مجھے درگزر فرما۔

برادرانِ ملت: مجھے کہنے دیجئے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تڑپ، یہ فکر، یہ پریشانی، یہ تلاش، یہ جستجو، یہ گریہ وزاری، یہ درد، یہ سوز۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کی دلیل ہے۔ جب ہی تو قرآن کہتا ہے۔ ﴿إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ میرے آقا جب پریشان ہوکر اِدھر اُدھر تلاش کر چکے، مہمان نظر نہیں آیا تو پھر حجرہ میں تشریف لائے بستر کو اٹھایا، پانی لیا، نبوت کے ہاتھ سے بستر کو دھونا شروع کیا، اتنے میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بلالؓ آیا اس منظر کو دیکھ کر بلالؓ پریشان ہوگئے، تڑپ گئے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کام میرے ذمہ کیجئے میں آپ کا خادم اور غلام ہوں، میرے رہتے ہوئے آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔ میرے نبی کا جواب سن کر اخلاق بنائیے، کردار بنائیے، سنت پر عمل کیجئے، اسوۂ حسنہ اپنائیے، دردمند بنئے۔

میرے آقا فرماتے ہیں: بلال! مہمان میرا تھا نہ کہ تیرا، اس لیے خدمت کا حق میرا ہے کل اگر میرے رب نے مجھ سے سوال کرلیا، تو یہ سوال مجھ سے ہوگا نہ کہ تم سے۔ اس لیے بستر تو

ہم ہی صاف کریں گے۔ حضرت بلال دیکھتے جارہے ہیں اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم بستر کو پاک کرتے چلے جارہے ہیں۔ لوگو! دیکھو تو ذرا یہ انداز کتنا پیارا ہے۔ بات کتنی اچھی ہے، عادت کتنی نرالی ہے، طریقہ کتنا عمدہ ہے، اخلاق و کردار کتنا بلند ہے۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ادا پر قربان ہوجائے دنیا، آج ایسا اخلاق مسلمانوں کے کردار میں، بات میں، عبادت میں، عادت میں، طریقت میں، معاشرت میں، صداقت میں، عدالت میں، حیا میں، شجاعت میں، قضا میں، ایمان میں، عقائد میں آجائے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہوجائے تو پھر سنئے میں کہتا ہوں یقین ہی نہیں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ: تمہاری کامیابی ہوگی، تمہاری عزت اور قدر ہوگی، تمہاری قیمت اور بڑائی ہوگی، تمہاری حقیقت اور اہمیت ہوگی تمہاری پہچان اور شناخت ہوگی۔

لیکن جب تم نے اپنے اخلاق و کردار کو بگاڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑا تو پھر کیا ہوا؟ وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔

تمہارے ہاتھ سے کامیابی گئی۔ تمہارے ہاتھ سے عزت بھی گئی۔
تمہارے ہاتھ سے قدر بھی گئی۔ تمہارے ہاتھ سے قیمت بھی گئی۔
تمہارے ہاتھ سے بڑائی بھی گئی۔ تمہارے ہاتھ سے حقیقت بھی گئی۔
تمہارے ہاتھ سے اہمیت بھی گئی۔ تمہارے ہاتھ سے پہچان بھی گئی۔

اور آج دشمنِ اسلام یہود و نصاریٰ اور دنیا کی دوسری اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو ذلت کی نظر سے دیکھتی ہی نہیں بل کہ ذلیل سمجھتی اور اسلام کو بدنام کرتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اسوۂ نبی، سنتِ نبی اور اخلاقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنایا جائے۔

تو میں عرض یہ کررہا تھا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم یہودی مہمان کا ناپاک کیا ہوا بستر پاک کررہے ہیں اُدھر یہودی کو آدھے راستے میں یاد آیا کہ تلوار چھوڑ کر جارہا ہوں، فکر ہوئی پھر ہمت کی کہ چلو ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہیں ہوئے ہوں گے اور نہ ہی صحابہ بیدار ہوں گے جلدی سے تلوار لے کر واپس آجاؤں گا۔

اللہ اکبر! تب ہی تو کہا جاتا ہے کہ خدا جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان تم تلوار چھوڑ کر نہیں جارہے ہو۔ ہدایت چھوڑ کر جارہے ہو

تیز تیز قدموں سے جلدی جلدی یہودی واپس ہوتا ہے اور جب میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں دوبارہ حاضر ہوتا ہے، تو عجیب منظر دیکھتا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہیں، صحابہ بیدار ہیں، بلال بھی بیدار ہیں، بستر موجود ہے، پانی موجود ہے۔

اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بستر کو صاف کر رہے ہیں میرے آقا، محسنِ اعظم، رحمتِ کائنات، فخرِ موجودات، ہادیٔ سُبُل، خاتم النبیین والمرسلین، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر یہودی مہمان پر پڑتی ہے تو میرے آقا فرماتے ہیں میرے مہمان تم کہاں چلے گئے تھے؟ تجھے میں نے تکلیف دی، درگزر کرنا مجھے رات میں اٹھایا ہوتا محمد تیری خدمت کے لیے حاضر ہوتا اللہ! اللہ! یہ شفقت، یہ محبت، یہ دردمندی، یہ حوصلہ مندی، یہ پیار، یہ اخلاق، یہ تڑپ، یہ گریہ، یہ سوز بھرے جملے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ اقدس سے موتی بن کر نکل رہے تھے اور اُدھر یہودی حیران و پریشان تھا، لیکن اطمینان تھا۔ اس لیے کہ اب تو اسے کامیابی ملی یہودی کہتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بس کر، میں نے تجھے تکلیف و پریشانی دی، اذیت دی، تیری شان میں گستاخی و بے ادبی کی، بداحترامی و بدکلامی کی، توہین رسالت کی۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ تجھ پر قربان بستر بعد میں دھونا، بعد میں پاک کرنا، پہلے مجھے پاک کر کے کلمہ پڑھا دو أشهد أن لا إلٰه إلا الله و أشهد أن محمداً عبدهٗ و رسوله۔ میرے آقا، ہادیٔ عالم، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیا۔ اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ آخرت بنا دی، میرا دعویٰ ثابت ہو گیا ﴿إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

اب مجھے کہنے دیجیے۔ کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھایا اور اسلام میں داخل کیا اور یہودی مہمان نے اسلام قبول کیا۔ نبی کو نبی اور رسول مان لیا۔ ڈر اور خوف سے نہیں، تلوار سے نہیں، جنگ سے نہیں، ذلت و ہزیمت سے نہیں، زور و زبردستی سے نہیں، ظلم و اکراہ سے نہیں۔ بل کہ اخلاق کو دیکھ کر، کردار کو دیکھ کر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کو دیکھ کر، عزت و حوصلہ کو دیکھ کر اسلام کو قبول کیا۔ دعا کیجیے اللہ رب العزت ہمارے اخلاق و کردار کو بہتر سے بہتر بنا دے۔ آمین یا رب العالمین!

وما علينا إلا البلاغ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُبِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَاo مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ،وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ o وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ .أمَّا بَعْدُ:

فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ فِي الْقُرآنِ الْمَجیدِ وَالْفُرقَانِ الْحَمیدِ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o ألَمْ یَجِدْکَ یَتِیمًا فَاٰوٰی. وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسلَّم إنِّي لَاَعْرِفُ حَجَراً بِمَکَّۃَ کَانَ یَسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ أنْ أبْعَثَ إنِّی لأعْرِفُ الآن . أوْ کَمَا قَالَ عَلَیہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام!

پیدا ہوئے تو باپ کا سایہ اٹھا دیا
گھٹنوں چلے تو دادا عدم کو روانہ تھا
چلنے لگے تو مادر و عم ہو گئے جدا
ہر اک سایہ سر سے یوں اُٹھتا چلا گیا
سائے پسند آئے نہ پردر دگار کو
بے سایہ کردیا گیا اس سایہ دار کو

محترم حضرات،سامعین کرام اور قابل قدر شخصیات!

آج اس دلکش،ساعتِ ہمایوں میں آپ حضرات کے سامنے اُس جلیل القدر،عظیم المرتبت اور رفیع الشان ہستی کے تذکرے کی سعادت حاصل کرر ہا ہوں،جن کی حیات وزندگی کا ایک ایک لمحہ سورج کی طرح صاف وشفاف تھا،جن کی اگر ایک طرف جوانی کی زندگی عفت وپاکبازی،عدل وانصاف سے لبریز تھی تو دوسری طرف ان کے ایام طفولیت اور بچپن کی زندگی بھی پھولوں کی طرح بے داغ،حسین اور دلکش تھی،جو یتیم بن کر دنیا میں تشریف لائے،لیکن سارے یتیموں کے امام بن گئے،جن کی ولادت سے قبل ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھادیا گیا تھا اور

جب گھٹنوں چلنے تو ماں کی ممتا اور اس کی میٹھی میٹھی آواز سے بھی محروم کر دیئے گئے، جنہوں نے ایسے سنسان ماحول میں چلنے کا سلیقہ سیکھا تھا، جو انتہائی بھیانک، پرخطر اور خوفناک تھا، ہر طرف گلی کوچے میں تلواروں کی جھنکار، گالی گلوچ کی آواز سنائی دیتی، اللہ اللہ! کتنا خوفناک منظر تھا کہ باپ باپ چلاتی ہوئی معصوم بچیاں بھی زندہ درگور کر دی جاتیں، ایک خدا کو چھوڑ کر سیکڑوں دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی، وہاں کا ایک ایک بچہ تہذیب وتمدن سے نابلد، شراب نوشی، دروغ گوئی، بے حیائی کا ہوسناک اور دل دادہ تھا، سورج طلوع ہوتے ہی مکہ کی گلیوں میں بچوں کی بھیڑ لگ جاتی، رقص وسرور، ناچ گانا، خاک وپتھر ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا، فحش گالی گلوچ ان کے لبوں پر مچلتا تھا، لیکن قربان جایئے آمنہ کے لال اور عبداللہ کے در یتیم پر

جن کی آمد پہ لاکھوں سلام...... جن کی ولادت پہ لاکھوں سلام...... جن کی طفولیت پہ لاکھوں سلام...... جن کی شبابت پہ لاکھوں سلام...... جن کی نبوت پہ لاکھوں سلام...... جن کی رسالت پہ لاکھوں سلام...... جن کے قدموں پہ لاکھوں سلام۔

پوری تاریخ انسانیت میں آپ کی کوئی مثال نہیں ملتی اور ملے بھی کیسے؟ قدرت نے آپ کا ثانی کسی کو پیدا ہی نہیں کیا، بل کہ پیدا ہونے کے بعد وہ سانچہ ہی توڑ دیا گیا تاکہ کسی کو ثانویت کا شبہ ہی نہ ہو سکے۔

آپ کی بعثت بے مثال...... آپ کی رسالت بے مثال...... آپ کا مرتبہ بے نظیر......
آپ کی نبوت بے نظیر...... آپ کا مقام نرالا...... آپ کی شان بڑی نرالی
اس لیے آپ کی طفولیت بھی بڑی شان والی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو گالی نہیں دی، نہ کبھی کسی سے فحش کلامی کی، نہ تو کبھی کسی سے بدعہدی اور دغا بازی کی، نہ کبھی کسی گانے بجانے کی مجلس میں شریک ہوئے اور نہ ہی کبھی غیر اللہ کی آپ نے پرستش کی۔

زمانۂ جاہلیت کے اس پُر معصیت گندے ماحول میں آپ کا لڑکپن اتنا صاف وشفاف تھا کہ دورِ طفولیت ہی میں ہر طرف آپ کے عدل وانصاف، تقویٰ وطہارت کے چرچے ہونے لگے۔ مکہ کی گلیوں میں آپ کی صداقت وامانت، تقویٰ وطہارت کا شور تھا، خاندان قریش میں کوئی تبصرہ کرتا کہ آمنہ کا لال کتنا نیک اور بھولا بھالا ہے، لات وعزیٰ کی قسم! ایسا نیک اور

پاکیزہ بچہ نہ تو میری آنکھوں نے دیکھا ہے، نہ میرے کانوں نے سنا ہے، تو کوئی کہتا عبداللہ کا بچہ وعدہ کا کتنا سچا ہے، زمین پھٹ سکتی ہے، آسمان ٹوٹ سکتا ہے، مگر عبد اللہ کا لاڈلا وعدہ کی تکمیل سے کبھی باز نہیں آسکتا، وعدہ خلافی کس کو کہتے ہیں یہ جانتا ہی نہیں۔

ملا ہے آمنہ کو فضلِ باری سے کوئی درّ یتیم ایسا
نہیں ہے بہر ہستی میں کوئی در یتیم ایسا

میرے عزیز دوستو! یہ قدرت کا نظام ہے کہ جب کسی انسان کو بڑا بنانا ہوتا ہے تو اس کے اخلاق بدل دیا کرتے ہیں، رفتا وگفتار، اقوال وافعال اور اس کے کیرکٹر میں تبدیلی آجایا کرتی ہے، جو روشن مستقبل کی غمازی کرتی ہے۔ بچپن میں بچوں کا نہج دیکھ کر ان کی بلند پروازی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

اس لیے رب کائنات نے اپنے محبوب کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجانا تھا، اس لیے آپ کے پورے سلسلۂ نسب کو ہر طرح کی غلاظت اور ناپاکی سے محفوظ رکھا، مسلم شریف کی روایت ہے، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

إن اللّٰهَ اصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِم وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِم. سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا، پھر خاندان قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا، اور بنی ہاشم میں سے پھر مجھے اللہ نے منتخب کیا۔

یہ انتخاب پر انتخاب کیوں؟

اس لیے کہ آپ کو سید الانبیاء بنا کر مبعوث کرنا تھا، آپ کو شہنشاہ کونین بنانا تھا، آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجانا تھا، آپ کو سید الانس والجن کا خطاب دینا تھا، آپ کو خالق کائنات کا محبوب بننا تھا۔

ہاں! ہاں! آپ کو ساری دنیا کا امام بننا تھا۔

اس لیے قدرت نے شروع ہی سے آپ کے ساتھ ویسا انتظام بھی کیا۔

اسلام کے غیور نوجوانو!

دنیا کی خوش نصیب عورت دائی حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور ایام طفولیت میں بھی کبھی برہنہ ہونے کو پسند نہ فرماتے، جب کپڑا آپ کے تن مبارک سے ہٹ جاتا تو آپ روتے اور بے چین

ہو جاتے، جب تک کپڑا آپ پر ڈھک نہ دیا جاتا تھا، نہ خود سوتے اور نہ کسی کو سونے دیتے، آپ کو اِس صغرسنی اور ننھی سی عمر میں بھی تنِ عریاں سے عار آتی تھی اور کیسے ان کو عار نہ آئے، جن سے ملائکہ بھی شرم کرتے ہوں، جن پر ہر لمحہ رحمت کے فرشتے پروانہ وار گردش کرتے ہوں، جن کے مقدر میں پوری کائنات کو شرم وحیا کا درس دینا تھا...... حلیمہ کو کیا معلوم کہ یہ بچہ ساری دنیا کو توحید کا لباس پہنانے آیا ہے، اور کسے کیا معلوم کہ عبداللہ کا یہ درِ یتیم سارے حکمرانوں کا امام بننے آیا ہے۔

حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی گھر سے نکل کر بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہوتے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑتی تو فوراً ہاتھ پکڑ کر فرماتے ہم اس بے کار کام کے لیے پیدا نہیں ہوئے، ہاں! ہاں! بڑوں کی نظر بھی بڑی چیز پر ہوا کرتی ہے، اس لیے شافع کون ومکاں کی نظر بھی بچپن ہی سے مقصد کائنات پر تھی۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

دوستو! بعثت نبوی سے قبل سارا عرب برائیوں اور بے حیائیوں کا مرکز ومحور تھا، ایسے حالات میں صلاح وتقویٰ، عفت وپاکدامنی، شرم وحیا، تواضع وانکساری، سخاوت وفیاضی، مروت ورواداری ایک عجیب سی بات تھی، کسی بھی کھیل کود، ناچ گانا، حرام کاری، بت پرستی اور دیگر تمام لغویات سے شروع ہی سے آپ متنفر تھے، اس لیے کبھی کبھی ابو طالب اور آپ کی پھوپھیاں بتوں سے نفرت دیکھ کر سخت ناراضگی اور برہمی کا اظہار کرتے۔

حضرت ام ایمنؓ سے روایت ہے کہ! قریش کا ایک بت تھا جس کا نام بوانہ تھا، قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے اس کی بے حد تعظیم کرتے، اس کے نام پر قربانی کا جانور ذبح کرتے، سر منڈاتے اور اس کا طواف کیا کرتے تھے، ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ ہر سال حاضری دیا کرتے اور اس کی پرستش کرتے۔

چناں چہ ابو طالب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہا کرتے تھے کہ آپ ان کے ساتھ عید میں شریک ہوا کریں مگر آپ ہمیشہ انکار فرمادیا کرتے۔ آخر ایک مرتبہ ابو طالب کو بڑا غصہ آگیا، ام ایمن کہتی ہیں کہ اس دن میں نے دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں بھی بے حد غضب ناک ہو کر کہنے لگیں:

''تم جو ہمارے معبودوں سے اس طرح نفرت کرتے ہو ہمیں تو تمہاری ہی طرف سے ڈر ہو گیا ہے، محمد! کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اپنی قوم کی عید میں شریک ہو اور مجمع میں اضافہ کرو'' پیہم اصرار اور گھر کے تمام افراد کی ناراضگی کی وجہ سے ایک دن حضور قوم کے ساتھ چل پڑے۔

کون؟............................ وہی جو پوری دنیا کو توحید کا سبق سکھانے آیا تھا، جو ساری انسانیت کو وحدانیت کا درس دینے آیا تھا، جو کفر و شرک سے دنیا کو پاک کرنے آیا تھا، جو بت پرستی سے سارے لوگوں کو نجات دلانے آیا تھا۔

آج وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بتوں کی محفل میں عید منانے جا رہا ہے، لیکن قربان جایئے نظر انتخاب پر، قدرت محبوب کی نقل و حرکت پر مسکرا رہی تھی، خدا نے آپ کی پوری حفاظت کی، پورا دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجمع سے غائب رہے اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ کا چہرہ انتہائی خوف زدہ اور پریشان حال تھا، پھوپھیوں نے پوچھا، محمد! کیا بات ہے اتنا خوف زدہ کیوں ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر بھوت پریت کا اثر نہ ہو گیا ہو'' پھوپھیوں نے کہا نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، تم نیک مزاج اور نیک خصلت ہو، تم میں بڑی خوبیاں ہیں، مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے دیکھا کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی میں بوانہ بت کے قریب جاتا، میرے سامنے ایک سفید رنگ کا اور بہت قد آور آدمی ظاہر ہوتا، جس کو میں پہچانتا نہیں، وہ پکار کر مجھ سے کہتا۔ محمد! پیچھے ہٹو اس کو ہاتھ بھی مت لگانا۔

ہائے ہائے........ پیغمبر کی شان ہی بڑی نرالی تھی۔

بھولا بھالا، معصوم زبان، چمکتا ہوا چہرہ، شرم و حیا کے پیکر، صدق و امانت کے محور اور رسولوں کے سردار...... لیکن ابو طالب کو کیا معلوم؟ آپ کی پھوپھیوں کو کیا معلوم؟ خاندانِ قریش کو کیا معلوم؟ مکہ میں رہنے والوں کو کیا معلوم؟...... اور کسے کیا معلوم کہ

یہ یتیم نہیں...... در یتیم ہے۔ یہ بچہ نہیں...... مہبطِ جبرئیل ہے
یہ عام انسان نہیں...... سید الانس والجن ہے
شہنشاہِ کونین ہے، سید الانبیاء ہے، خاتم النبیین ہے...... ہاں ہاں!

دنیا کا امام ہے، شافع کون ومکاں ہے، ساقی حوضِ کوثر ہے۔

برسوں مکہ کی سرزمین پر ان کے ماحول میں چلتے پھرتے رہے، لیکن اس لعل بدخشاں کو کوئی پہچان نہ سکا................ مگر

اس جوہر کو مذہب عیسائیت کے جوہری نے پہچانا

اس گوہر یتیم کو ملک شام کے سفر میں بحیرہ راہب نے پہچانا

اس دانائے روزگار کو شام کے دوسرے سفر میں نسطورہ راہب نے پہچانا

اس یکتائے روزگار کو بے زبان شجر وحجر نے پہچانا

اس محبوب خدا کو مقرب ملائکہ اور فرشتوں نے پہچانا

آپ چلتے پھرتے تو ہر طرف سے سلام کی آواز آتی تھی، شجر وحجر، بحر وبر، شمس وقمر، ارض وسما ساری چیزیں آپ پر دل وجان سے قربان تھیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنّي لَأَعْرِفُ حَجَراً بِمَكَّةَ كَانَ يَسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ إنّي لَأَعْرِفُ الآن . ابھی بھی میں ان پتھروں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتے تھے۔

اے نبی! ابتدا بھی تیری بے مثال ہے، انتہا بھی باکمال ہے، طفولیت بھی، شبابیت بھی، سب کچھ با اعتبار ہے۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نَوَّرَ الْقَمَرِ

لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقَّهُ
بَعْدَ ازْ خُدَا بزرگ توئی قصه مختصر

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

سیرۃ النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَومِ الدِّین أَمَّا بَعْدُ: قال اللہ تعالیٰ في کتابه المبین، فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَ مُبَشِّرًا وَنَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

برادران اسلام!

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ام القریٰ مکہ مکرمہ میں رب العالمین، احکم الحاکمین کے حکم سے جس وقت کعبۃ اللہ کی تعمیر کررہے تھے، توان کے لبوں پر یہ دعاء مچل رہی تھی ۔﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُولاً مِّنْھُمْ یَتْلُوا عَلَیْھِمْ اٰیٰاتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم﴾

اے ہمارے رب! ان لوگوں میں انہیں میں سے ایک ایسا رسول بھیجئے جواُن پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اوران کوکتاب وحکمت کی تعلیم دے اوران کا تزکیہ کرے۔ بیشک آپ قوت والے حکمت والے ہیں۔

عاشقانِ ماہ رسالت!

یہ وہ دعاتھی جودل کی گہرائیوں سے نکلی تھی، یہ مرادِ خلیل اورآرزوئے ابراہیم تھی، امام عالم کی تمنا اورالتجاتھی، پاکیزہ مقام پرمبارک زبان سے ادا ہونے والے نورانی کلمات تھے، جو رب العالمین کے دربارمیں شرف قبولیت سے ہم کنارہوئے، خالق کائنات نے اپنے خلیل کی

آرزو کو پورا کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔ دعا کرنے والا امام الناس تھا، قبول کرنے والا رب الناس تھا۔ لہٰذا اُسی دن سے قدسیوں میں اُس رسول اور مطلوب کا تذکرہ ہونے لگا، آسمان میں اس کا چرچا ہونے لگا اور انبیاء و مرسلین اس نبی آخر کی بشارت دیتے رہے، کتب وصحائف اس کے اوصاف گناتے رہے، تورات وانجیل کے صفحات اس کی ثنا خوانی کرتے رہے، روح اللہ نے اس کی بشارت سنائی، کلیم اللہ نے اس کی اطاعت کی تمنا کی۔

شب و روز گذرتے رہے، ادوار بدلتے رہے، آفتاب اس کی زیارت کی تمنامیں ضیا پاشی کرتا رہا، ماہتاب شوق دیدار میں چاندنی نچھاور کرتا رہا، گل وبلبل، یاسمین و سنبل اس کی زیارت کے لئے بے تاب تھے۔ جمادات ونباتات اس کے لئے فرش راہ تھے، طیور وحیوانات اس کے لئے چشم براہ تھے، مختصر یہ کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ، پتہ پتہ، بوٹا بوٹا انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گذار رہا تھا۔

برادران اسلام!

جب شوقِ انتظار فزوں تر ہوگیا، اور صبر کا یارانہ رہا، تو ماہ ربیع الاول ۵۷۰ء دوشنبہ کے روز بلد امین مکہ مکرمہ میں قبیلہ قریش کے سب سے معزز خاندان بنو ہاشم میں عبدالمطلب کے لختِ جگر عبداللہ کے گھر بی بی آمنہ کے بطن مبارک سے اس ماہِ رسالت کی ولادت باسعادت ہوتی ہے، جس کی نورانی کرنوں سے شرک کی ظلمت کو کافور ہونا تھا، انتظار کی جاں گسل گھڑیاں گذر گئی تھی۔ مولانا حالی نے کیا ہی سچ کہا ہے ۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول اور بعض روایتوں کے اعتبار سے ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی تھی، ایک نئی صبح طلوع تھی، نئے دور کا آغاز تھا۔ آج کی صبح وہی صبح جانفزا تھی۔ وہی ساعت ہُمایوں تھی، جس کے انتظار میں ملائکہ بزم آرائیاں کر رہے تھے، آج ایوان کسریٰ کے کنگرے گر پڑے تھے۔ آتش کدۂ فارس بجھ گیا تھا۔ آتش فارس نہیں بل کہ آتش کدۂ کفر بجھ گیا تھا۔ چمنستان سعادت میں بہار آگئی تھی۔ گلشنِ ہدایت پر نکھار آگیا تھا۔ ہر طرف توحید کا غُلغلہ تھا۔ سلامت سلامت، مبارک مبارک سے فضائے کائنات گونج رہی تھی، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب،

فرماں روائے عالم، محسنِ اعظم، نبیِ خاتم، شہنشاہِ کونین، رسول الثقلین کی ولادت باسعادت پر، مرغان چمن توحید کے نغمے گا رہے تھے؛ چمن عطر ریزی کر رہے تھے، گلستاں گل پوشی کر رہے تھے، ہوائیں سرمست ہو رہی تھیں، شاخِ گل قدم بوسی کر رہی تھی، آبشار و کہسار فرط مسرت سے گنگنا رہے تھے، کلیاں تبسم ریز تھیں۔

شیدائیان شمع رسالت!

آفتاب و ماہتاب کہہ رہے تھے مبارک ہو کہ سراج منیر آیا ہے، ماہ وانجم کہہ رہے تھے، بشارت ہو کہ رحمۃ للعالمین آیا ہے، طیور وعنادل کہہ رہے تھے، خوش آمدید کہ خاتم النبیین آیا ہے، فضائے بسیط کہہ رہی تھی مرحبا مرحبا کہ شفیع المذنبین آیا ہے، چرخ کہن کہہ رہا تھا، اہلاً و سہلاً کہ بشیر ونذیر آیا ہے، فرشتوں نے گل پاشی کی، کہ محبوب کبریا کی ولادت تھی چاند نے نور افشانی کی کہ سید الانبیاء کی ولادت تھی؛ الغرض کائنات کا ذرہ ذرہ محو رقص تھا، ہر شیٔ پر وجد طاری تھا۔

وجد میں کعبہ ہے رقص میں ہے حرم
ارضِ طیبہ میں آئے یہ کس کے قدم
مرحبا کا ہر اک سمت ہے زیر و بم
جھومتے ہیں مسرت سے لو ح و قلم
امنوا کی صداؤں سے گونجا حرم
ہو گیا غرق توحید بیت الصنم
قدسیوں کے پرے ہیں کھڑے صف بہ صف
لے کے تحفے سلاموں کے ہر ہر قدم

محبانِ اسلام!

بظاہر عبداللہ کے گھر میں ایک بچے کا جنم ہوا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک نئی زندگی نے جنم لیا تھا، نئے عہد کی ولادت ہوئی تھی، انسانیت پھر سے زندہ ہوگئی تھی، ایک نئے عالم کی پیدائش تھی، اس نورِ مجسم ہادیٔ اعظم کا مبارک نام عرش اعظم پر خود رب العالمین نے اپنے اسمائے حسنہ سے منتخب کیا تھا۔ شاعر رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کو اپنے اس شعر میں بیان کرتے ہیں ؎

وَ شَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهُ
وَ ذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کو اپنے نام سے نکالا تاکہ ان کا مرتبہ بلند فرمائیں، عرش بریں پر متمکن محمود ہے، اور فرش بریں کا یہ شہنشاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لہٰذا پیاری ماں نے اپنے نور نظر، لخت جگر کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا، دادا عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے کو احمد سے خطاب کیا، یہی ہے وہ جس کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے اسرائیل کو ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ اَحْمَدُ﴾ سے دی تھی۔

عزیزان گرامی!

محمد واحمد کا پیارا نام اس عالم فانی کا سب سے پیارا نام ہے، کروڑوں دلوں کی دھڑکن ہے، یہ مبارک نام وجہ کامرانی اور باعث سعادت ہے، یہ پیارا نام وہ نام ہے جس نے انسانیت کو حیات نو بخشی، یہی وہ نام ہے کہ جس زباں پر آجائے تو لمحوں میں انسان کامیابی کے اعلیٰ مدارج طے کر لیتا ہے۔

ابدال کا ہم پایہ دم بھر میں ہوا فاسق
وہ نام محمد تھا یا حق کی تجلی تھی

ماں نے تو صرف محمد کہا تھا، دادا نے تو صرف احمد کہا تھا، مکہ والوں نے تو صرف صادق وامین کہا تھا لیکن عالم انسانیت نے کہا یہی بچہ تو انسان کامل ہے، یہی مولود تو رسول کامل ہے، یہ امام الرسل ہیں، ہادیٔ سُبل اور دانائے کل ہیں، شفیع المذنبین ہیں، حبیب کبریا اور خاتم الانبیاء ہیں، شاہِ کون ومکاں ہیں، سرور دو جہاں ہیں، رسولوں کے امام ہیں، خیر الانام ہیں، شہنشاہ عرب وعجم ہیں، فخر امم ہیں، رؤف ورحیم ہیں۔

برادران ملت!

لیکن قدرت اپنے حبیب ومحبوب کے ان پیارے پیارے القاب وخطاب پر مطمئن نہ تھی، تو رب العالمین نے فرمایا: میرا محبوب رحمۃ للعالمین ہے، شاہد ومبشر ہے، بشیر ونذیر ہے، داعیاً الی اللہ اور سراجاً منیراً ہے۔

میں تو اپنے رسول کو پیار سے يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہوں گا۔ دلار سے يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

کہوں گا، یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ سے خطاب کروں گا۔ ﴿اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ﴾ کی بشارت سے نوازوں گا، اداس ہوں گے اَلَمْ نَشْرَحْ کی خوش خبری دوں گا، مایوسیوں میں وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ سے سکون بخشوں گا، ھٰذَا النَّبِیُّ اُمِّی کہہ کر مشہور کروں گا، سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرما کر عرشِ بریں پر بلاؤں گا، یٰسٓ و طٰہٰ کا پیارا خطاب دوں گا، اسوۂ حسنہ بناؤں گا، مقام محمود سے سرفراز کروں گا اور محمد رسول اللہ کی سند عالی دوں گا اور۔

﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ.﴾ (لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، ان پر سلسلۂ رسالت اتمام کر دوں گا، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔ اب قیامت تک کے لئے اسی رسول خاتم کی اطاعت ہی میری اطاعت ہے۔ اس سے محبت مجھ سے محبت، میرے نام کی گواہی کے ساتھ محمد کی گواہی کی شہادت بھی ایمان کے لئے فرض ہے، میرے نام کے ساتھ میرے حبیب کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اور میرے محبوب سے انحراف کرنا حقیقت میں مجھ سے بغاوت کرنا ہے۔ جو لوگ میرے رسول کے عاشق اور میرے محبوب کے غلام بن جائیں گے۔ میں ان کو اپنی رضا سے نوازوں گا، ان کی لغزشوں کو معاف کروں گا، ان کی خطاؤں کو درگذر کر دوں گا۔ اور اپنے حبیب و محبوب کے آستانہ پر سر نیاز خم کر دینے والوں کو، دامنِ رسول میں پناہ لینے والوں کو سایۂ نبوت میں آجانے والوں کو، رسول اللہ سے نسبت قائم رکھنے والوں کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی بشارت دوں گا۔ فدا کارانِ رسالت، جانثارانِ نبوت، شیدائیان رسول عربی، محبان نبی امی کو، امت وسطیٰ کا تحفۂ امتیاز دوں گا، کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی خوش خبری دوں گا۔

معزز سامعین!

دل تو کہتا ہے کہ ذکر رسول کرتا رہوں کہ اسی میں قرار دل ہے، اسی میں سکون مشام جان ہے، مگر تعبیرات و تشبیہات کے وہ خزانے کہاں سے لاؤں جو میرے آقا و مولیٰ کے اوصاف حمیدہ کا احاطہ کر سکیں، الفاظ و عبارت کے وہ نایاب موتی کہاں سے لاؤں جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و خصائل کے شایانِ شان ہوں، جہاں پہ انسان کے فکر و خیال، تصور و احساس کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے جمالِ رسول کی ابتدا ہوتی ہے تو بھلا ایک حقیر و ناتواں امتی رسول ذکرِ

رسول کا حق کیوں کر ادا سکتا ہے۔ اسی لئے تو ایک شاعر کہتا ہے ؎

بیاں انسان سے وصف نبی ہو، غیر ممکن ہے
امیر اللہ جب مداح ہو اوصاف سرور کا

برادرانِ ملت!

جب ایک انسان ولادت رسول کا تذکرہ کرتا ہے تو اس دور کی منظر کشی بھی کرتا ہے، جس دور میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے۔ عربوں کے شرک وکفر اور ضلالت وگمراہی کے واقعات سے لبریز زندگی کا ذکر کرتا ہے، عربی معاشرے میں رائج برائیوں، خرابیوں، بداعمالیوں، بے حیائیوں، بے امانیوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے، اور کرنا ہی چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے حالات میں منصب رسالت سنبھالا تھا، کتنے بگڑے ماحول میں مبعوث ہوئے تھے، لیکن میں عربوں کی حالت کو بیان نہیں کروں گا، اس لئے کہ ہر فرد مسلم اس سے آگاہ اور باخبر ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس دور و ماحول کی تفصیل اللہ نے بیان کر دی ہے، اور مختصر سی آیت میں جو منظر کشی کی گئی ہے، کسی بڑے سے بڑے مؤرخ کے بس کی بات نہیں ہے کہ ایسا منظر کھینچ سکے ارشاد ربانی ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ لوگوں کے بداعمالیوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد برپا تھا۔

سچ بتایئے! کیا اس آیت کے بعد بھی کسی منظر کشی کی ضرورت ہے؟ کسی تفصیل کی حاجت ہے؟ تو ایسے شورش زدہ معاشرے میں آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زندگی نبوت و رسالت سے قبل کی زندگی ہے، صداقت و امانت، راست بازی و پاکبازی، عفت مآبی وطہارت پسندی، رواداری و پاس داری، حق گوئی وحق پرستی کے واقعات سے لبریز ایک کھلی کتاب ہے؛ ولادت سے رضاعت تک، عہد طفولیت سے عہد جوانی تک، دور شباب سے دور رسالت تک کا چالیس سالہ عرصہ ایک انسان کامل ہونے کی دلیل ہے اور عہدِ رسالت رسول کامل ہونے کا ثبوت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ دنیا کے سامنے ہے، کوئی شخص جب چاہے جہاں سے چاہے پڑھ لے اور اگر ہمت وصلاحیت، قدرت واستطاعت ہو تو کسی بھی پہلو میں ہلکا سا بھی نقص نکال دے تو ہم سمجھیں کہ کتنے پانی میں ہیں۔

دوستو! دنیا زیروزبر ہو جائے گی مگر سیرت رسول میں نقص ممکن نہیں ہے، یہ اسلام کا کھلا

چیلنج ہے، خدا نے اپنے حبیب ومحبوب کو اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔

جس طرح قرآن کریم ہر تحریف سے پاک ہے، اسی طرح حامل قرآن رسول اللہ کی ذات ہر نقص سے پاک ہے۔ یہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کمال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے مردہ جسم میں ایک نئی روح پھونک دی، ایک ایسا انقلاب عظیم برپا کردیا جس نے زندگی کا دھارا بدل دیا، افکار وخیالات بدل گئے، لیل ونہار بدل گئے، زمانے کی روش بدل گئی، انسان بدل گیا، جہاں بدل گئی، زمین وآسمان بدل گئے، نبی آخرالزماں کے برپا کردہ انقلاب سے رہزن راہبر بن گئے، شقی انسان سعید بن گئے، بدبخت نیک بخت ہوگئے، شرک وکفر اور ضلالت وجہالت کے صحراء میں بھٹکنے والے منارۂ نور اور نجوم ہدایت بن گئے، پیکر طاعت و عبادت بن گئے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

برادران اسلام!

شفیع محشر حبیب داور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک لمحہ متلاشیانِ حق، شیدائیان ہدایت، مشتاقانِ رحمت، طالبانِ مغفرت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، مشعلِ راہ اور منارۂ نور ہے، سیاست داں ہو کہ سپہ سالار، تاجر ہو کہ مزدور، خلوت نشین ہو کہ مجلس ساز، میزبان ہو کہ مہمان، حکمران ہو کہ ماہر اقتصادیات، شوہر ہو کہ باپ، خسر ہو کہ داماد، قاضی ہو کہ داعی؛ ہر فرد کے لئے آپ کی زندگی نمونہ ہے، قیامت تک کے لئے آپ کی ذات سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

یارب صل وسلم دائما ابدا
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

وما علینا إلا البلاغ

عظمتِ صحابہؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن أَمَّا بَعْدُ: قال اللہ تعالیٰ في کتابہ المبین، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ: اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِأَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ.

الٰہی دے مجھے طرزِ تکلم، میری آواز کو تو روشنی دے
مجھے افکار صالح کر عطا، میری تحریر کو تو روشنی دے

لائق صد احترام معزز سامعین!

آج کے اس باوقار جلسہ میں ان اصحاب خیر کا تذکرہ ہوگا جن کے بارے میں اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے ارشاد فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ پاک نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا، ان کے لئے مغفرت کا اعلان اور اجرِ عظیم ہے۔ نیز سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاری زبان سے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کروگے راستہ پاجاؤگے۔

دوستو! خالق ومالک کا یہ دستور رہا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے رسولوں کو بھیجتا رہا، چناں چہ:

حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔

آخر میں شہنشاہِ بطحا، تاجدارِ مدینہ، سرورِ کائنات، خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اب نبیوں کا سلسلہ ختم، رسولوں کا سلسلہ ختم۔ قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں، یہ دین آخری دین ہے۔ یہ شریعت آخری شریعت ہے۔ یہ مذہب آخری مذہب ہے، یہی وجہ ہے

کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کی وہ پاکیزہ اور مقدس جماعت عطا فرمائی کہ جس نے مذہبِ اسلام کو زندہ کرنے اور پھیلانے میں تن من دھن کی بازی لگادی، چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ ان سچے جاں نثاروں نے دینِ اسلام کی خاطر وہ قربانی پیش کی ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے عالمِ انسانیت تہی دامن اور خالی ہے۔ یہی صحابہ ہیں جنہوں نے حکمِ خداوندی اور پیغامِ محمدی کو عام کرنے کے لئے گردنیں کٹادیں، عورتوں کو بیوہ، بچوں کو یتیم کردیا۔

محترم حضرات! صحابۂ کرام کی جماعت وہ جماعت ہے جس کو رب کائنات نے درس گاہِ نبوت کے لئے منتخب فرمایا، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معلم بنایا اور کتابِ ہدایت قرآن پاک عطا فرمائی۔ علام الغیوب نے خود ان کا امتحان لیا، صحابہ کا یہ مقدس گروہ، امتحان میں پورا اترا، خداوندِ قدوس نے انعام میں رضی الله عنهم ورضوا عنه کا مژدہ سنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابۂ کرام دین کے ستون ہیں، صحابۂ کرام کنتم خیر امة کے بلاواسطہ مخاطب ہیں۔ صحابہ پاکباز ہیں ان کے قلوب تقویٰ اور طہارت سے لبریز ہیں۔ قرآنِ پاک میں جابجا اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے، قرآن پاک ان نفوس قدسیہ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔

کہیں فرمایا: اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کہیں فرمایا: اُولٰئِکَ هُم الرَّاشِدُونَ

کہیں فرمایا: اُولٰئِکَ هُم الصَّادِقُونَ کہیں فرمایا: اُولٰئِکَ هُم الْفَائِزُونَ

حدیثِ پاک میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخاری شریف کی روایت ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کرام کے ایک پاؤ کے برابر بھی نہیں، اللہ اکبر۔

ملتِ اسلامیہ کے جیالو!

صحابہ واجب الاحترام ہیں، ان کا تذکرہ اچھائی کے ساتھ کرنا لازم اور ضروری ہے۔
یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دین اسلام کے لئے زندگی وقف کردی تھی۔
یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے آفتابِ ہدایت سے بلاواسطہ نور حاصل کیا تھا۔
یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔
یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے خوفِ خدا کا سرمایہ حاصل کیا تھا۔

یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے گھر بار چھوڑ کر رضائے حق کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔
یہ وہ صحابہ ہیں جو حق وصداقت کا مجسم نمونہ تھے۔
یہ وہ صحابہ ہیں جو سر بکف مجاہد تھے۔
یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر صدائے جہاد پر لبیک کہا۔
یہ وہ صحابہ ہیں جن کی نعش کو فرشتوں نے غسل دیا۔
یہ وہ صحابہ ہیں جو موت سے نہیں بل کہ موت ان سے ڈرتی تھی۔
یہ وہ صحابہ ہیں جن کو سمندروں نے راستہ دیا۔
یہ وہ صحابہ ہیں جن کو شیر نے سواری دی۔

یہی وجہ ہے کہ دربارِ رسالت سے ان کو اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ کا مژدہ ملا، قرآن نے ان کی تعریف کی۔ اللہ نے ان کی تعریف کی۔ رسول نے ان کی تعریف کی۔

مگر اے مذہب اسلام کے متوالو! آج سے چودہ سو سال پہلے ہی خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا تھا کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، ہر فرقہ ناری اور جہنمی ہوگا مگر ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔ نجات پانے والا فرقہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوگا۔

دورِ حاضر کی نگاہوں نے دیکھ لیا کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف بلا ریب صادق ہوئی، کوئی تقلید کے عدمِ جواز کا قائل ہے، تو کوئی عظمتِ انبیاء پر ناپاک حملہ کر رہا ہے، کوئی حدیث کا منکر ہے، تو کوئی قرآن پاک کی تحریف کا قائل ہے۔ کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حاضر وناظر اور مختار کل ہونے کا عقیدہ تراشے ہوئے ہے، تو کوئی ختمِ نبوت کا منکر ہے۔

دوستو! رونے کا مقام ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ایک جماعت اور فرقہ وہ بھی ہے جو صحابۂ کرام پر کیچڑ اچھالتا ہے۔ صحابۂ کرام کے دامنِ عفت کو داغدار بنا رہا ہے۔ صحابۂ کرام کے تقدس کو پامال کر رہا ہے، صحابہ کی سیرت پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ لٹریچر تیار ہو رہا ہے، شب وروز محنت جاری ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا خود ساختہ نام جماعتِ اسلامی ہے۔ افسوس صد افسوس! صحابہ کے فضائل نظر نہیں آتے، محاسن نظر نہیں آتے کسی نے سچ کہا ہے۔

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے   اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

کہیں عثمانِ غنیؓ کی عزت کو داغدار بنایا جاتا ہے، وہ عثمانِ غنیؓ جو صحابیِ رسول، خلیفۂ رسول بل کہ میں دو قدم آگے بڑھ کر بتاؤں کہ وہ دوہرے داماد رسول تھے، وہ عثمان کہ بیعتِ رضوان میں خود آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دیا، کہیں حضرت علیؓ و معاویہؓ کی شان پر دھبہ لگایا جاتا ہے، وہ علی جو صحابیِ رسول تھے، خلیفۂ رسول تھے اور دامادِ رسول تھے۔ وہ امیر معاویہ جو صحابیِ رسول تھے جن کے واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، جن کے بارے میں حسن بصری کا قول ہے کہ امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کے اوپر کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجے بہتر ہے، ان کی شان میں کہا جاتا ہے کہ وہ خود اور ان کے حکم سے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؓ کو گالیاں دیتے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کی صریح طور پر مخالفت کی۔ کہا جاتا ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں انہوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی خلاف ورزی کی۔

ہائے افسوس! کاش ان برائی کرنے والوں کا قلم ٹوٹ جاتا، کاش ان کا ہاتھ شل ہو جاتا، کاش! ان کی زبان ماؤف ہو جاتی۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں ان برائی کرنے والوں سے کہو :عرب کے تپتے ہوئے صحرا اور چلچلاتی دھوپ میں ظلم وستم کس نے برداشت کیا صحابہ نے

اسلام کی خاطر قربانی کس نے دی	صحابہ نے
گردنیں کس نے کٹائیں	صحابہ نے
عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کس نے کیا	صحابہ نے
راہِ خدا میں مال و دولت کس نے لٹایا	صحابہ نے
جانوں کا نذرانہ کس نے پیش کیا	صحابہ نے
اسلام کو کس نے پروان چڑھایا	صحابہ نے
حق وصداقت کا پرچم کس نے لہرایا	صحابہ نے
باطل کے جھنڈے کس نے گرائے	صحابہ نے
کفر وشرک کا گلا کس نے گھونٹا	صحابہ نے
پیٹ پر پتھر کس نے باندھے	صحابہ نے

فاقوں پر فاقہ کس نے کیا صحابہ نے

الغرض! صحابہ کرام نے وہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے جن کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

محترم حضرات! صحابۂ کرام کو برائی کے ساتھ یاد کرنا ناجائز اور باطل ہے۔ صحابۂ کرام کو برا بھلا کہنا خداوندِ قدوس کی مخالفت ہے۔ صحابۂ کرام کو برا بھلا کہنا رسول کی مخالفت ہے۔ صحابۂ کرام کو برا بھلا کہنا کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی مخالفت ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے، تاجدارِ مدینہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اَللّٰہ اَللّٰہ فِی اَصْحَابِی لَا تَتَّخِذُوْاھُم غَرضًا مِّنْ بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّھُم فَبِحُبِّی اَحَبَّھُم وَمَنْ اَبْغَضَھُم فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُم وَ مَنْ اٰذَاھُم فَقَدْ اٰذَانِی وَ مَنْ اٰذَانِی فَقَدْ اٰذَی اللّٰہ وَ مَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوشَکُ اَنْ یَّاْخُذَہ.**

کہ اے لوگو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا میرے بعد ان کو اعتراضات کا نشانہ مت بنانا، جو اُن سے محبت کرے گا تو مجھ سے محبت کی بناپر ان سے محبت کرے گا اور جو اُن سے دشمنی کرے گا تو مجھ سے دشمنی کی بناپر دشمنی کرے گا، اور جو اُن کو دکھ دے گا، اس نے مجھ کو دکھ دیا اور جس نے مجھ کو دکھ دیا پس اس نے اللہ کو ستایا اور جس نے اللہ کو ستایا تو عنقریب اللہ پاک اس کو عذاب میں گرفتار کرے گا۔ کیا یہ حدیث پاک برائی کرنے والوں کو نظر نہیں آتی۔

یاد رکھو! جو لوگ صحابہؓ کے تقدس اور دامنِ عفت کو تار تار کررہے ہیں، وہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کھلم کھلا بغاوت کررہے ہیں، مسلم شریف کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے الفاظ میں فرمایا: **لَا تَسُبُّوْا اَحَدًا مِن أَصْحَابِی** میرے صحابہ میں سے کسی کو بھی برا بھلا مت کہو۔

دوستو! حیرت کا مقام ہے کہ دنیا کی سب سے مقدس کتاب قرآنِ پاک تو **کُنْتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** کہہ کر ان کو خیرِ امت کے لقب سے نواز رہا ہے۔

قرآن پاک تو **رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُم وَرَضُوا عَنہ** کہہ کر ان سے اللہ کی رضامندی وخوشنودی کا اعلان کررہا ہے۔

قرآن پاک تو وَاَعَدَّلَهُم جَنّٰتٍ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الانهارُ کہہ کران کو جنت کا سرٹیفیکٹ اور سند دے رہا ہے۔

قرآن پاک تو وَسَلاَمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی کہہ کران کو منتخب اور چنندہ بندے قرار دے رہا ہے۔

قرآن پاک تو وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی کہہ کران کے جہنم سے دور ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔

مگر ہم ہیں کہ ان کے پیروں کی دھول بھی نہیں مگر صحابہ پر تنقید کرتے ہیں، ان کی برائی بیان کرتے ہیں، صحابہ پر طعن و تشنیع کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں، رب ذوالجلال کے امتحان کے بعد اور اس کی رضا مندی کے بعد صحابۂ کرام کو تنقید کا نشانہ بنانا بدبختی نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم کیا ہیں؟ ہماری حقیقت ہی کیا ہے؟ ہمیں کچھ پتہ نہیں، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

مسلمانو! یاد رکھو! صحابۂ کرام کی برائی کرنا ضلالت و گمراہی ہے، چوں کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیمات اور احکام لے کر آئے وہ حق ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابۂ کرام ہیں۔ لہٰذا جو شخص صحابہ کی ذات کو نشانہ بناتا ہے، وہ قرآن و سنت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔

دوستو! آؤ ہم سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ صحابۂ کرام کے تقدس کی حفاظت کریں گے، اور تادمِ حیات اسلام کی پاسبانی کریں گے۔ دعاء کیجئے کہ خالقِ ارض و سماء پورے عالم کے مسلمانوں کو عقیدے کی سلامتی عطا فرمائے اور اسلام دشمن طاقتوں اور باطل فرقوں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ فرمائے، اور اللہ پاک ہم سب کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام نصیب فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نماز کی فضیلت واہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّين أَمَّا بَعْدُ: قال الله تعالىٰ في كتابه المبين، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ. وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوة. صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبي الكريم.

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

پیروانِ نجومِ ہدایت وجاں نثارانِ ماہِ رسالت!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس متبرک ومنور مجلس میں بیٹھنے کی توفیق دی۔ بہت دنوں سے قلب میں آرزو وتمنا تھی کہ آپ حضرات کے روبرو نماز کو موضوع گفتگو بناؤں، آج اسی مقصد کو سامنے رکھ کر لب کشائی کی جسارت کر رہا ہوں اور میں اپنے آپ کو بہت ہی خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے معظم ومکرم حضرات کے مابین جرأت گفتار کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سماع سے زیادہ عمل پیرا بنائے آمین۔

خالقِ السموات والارض نے امت مسلمہ اور اپنے حبیب، محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بے بہا نعمتوں سے نوازا۔ اور ہمیشہ تحفوں سے سرفراز فرماتا رہا۔ ان ہی تحفوں میں سے ایک اعلیٰ وارفع تحفہ نماز بھی ہے۔ اس متبرک تحفہ کی فضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کو فرش پر نازل فرمایا، روزہ کو فرش پر نازل فرمایا، زکوۃ کو بھی فرش پر نازل فرمایا، ایمان کو بھی فرش پر نازل فرمایا۔

لیکن جب نماز کی باری آئی تو رب کائنات نے اپنے محبوب، محسنِ انسانیت صلی اللہ

علیہ وسلم کو فرمایا کہ ہم آپ کو ایک قیمتی تحفہ دینے والے ہیں۔ یہ تحفہ بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ اور اعلیٰ وارفع شیٔ کو اعلیٰ جگہ پر ہی عطا کیا جاتا ہے، لہٰذا نماز عرش الٰہی پر بلا کر عطا کیا گیا۔

برادرانِ اسلام! توحید اور ایمان کے بعد انبیاء علیہم السلام نے نماز ہی کو اہمیت دی ہے، نماز کی تلقین کی۔ قرآن میں جگہ جگہ پر ﴿یَـآ اَیُّهَـا الـذیـنَ اٰمَـنُـوا اسْـتَـعِـیْنُـوا بِـالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ اے مومنو! صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد طلب کرو۔

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے تحفہ کا ذکر کیا اور نماز کی بشارت دی تو تمام صحابۂ کرام جھوم اٹھے۔

سبحان اللہ! اب تو نمازوں کے ذریعہ ہم ہر مشکل آسان کرلیں گے۔ اب تو ہمیں خدا سے مانگنے کا واسطہ اور وسیلہ مل گیا، پانچ وقت کی نمازیں ادا کریں اور پانچ سو نمازوں کا ثواب ملے۔ نماز جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ نماز رضائے الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ نماز رسول اللہ کی محبت حاصل کرنے کا واسطہ ہے۔

عزیزانِ گرامی!

دل میں ہر ایک انسان کے حسرت ہے جہاں کی
وہ باغِ جہاں سَر کو جھکانے میں ملے گا

کوئی متقی نماز کے بغیر متقی نہیں ہوسکتا۔
کوئی ولی نماز کے بغیر ولی نہیں ہوسکتا۔
کوئی قطب نماز کے بغیر قطب نہیں ہوسکتا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز ادا کی۔
صحابۂ کرام نے بھی نماز کی پابندی کی۔
تابعین نے بھی نماز پر مداومت کی۔
تبع تابعین نے بھی ترکِ نماز نہیں کی۔
ائمۂ مجتہدین نے بھی نماز کو پکڑے رکھا۔
اولیائے کرام نے بھی نماز کو اختیار کیا۔
کوئی بتادو! کہ کسی نبی نے نماز ترک کی ہو اور نبی بن گیا ہو؟

کوئی ولی نماز کے بغیر ولی ہو گیا ہو؟
کوئی قطب نماز کے بغیر قطب ہو گیا ہو؟
کوئی ابدال نماز کے بغیر ابدال بن گیا ہو؟
کوئی امام نماز کے بغیر امام بن گیا ہو؟
آپ بتا ہی نہیں سکتے! اس لیے کہ یہ عمل، محبوب عمل ہے۔
نماز سے قلوب کو نورانیت ملتی ہے۔
نماز سے ایمان وعقائد کو قوت ملتی ہے۔
نماز زندگی کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیتی ہے۔
نماز اس وقت چراغ کا کام کرتی ہے جہاں پر چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا ہو (یعنی قبر میں)
نماز مصائب و پریشانی کو ٹال دیتی ہے۔ نماز سے انسان افضل وارفع ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہو! نماز ہے ہی ایسا تحفہ جس سے شیطان کا منہ کالا ہوتا ہے۔

برادران ملت:

نماز ہی سے فیصلہ ہوتا ہے کون متقی، کون شقی، کون انسان، کون شیطان، کون مسلم، کون غیر مسلم، یہ امتیاز نماز سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

میں بغیر حوالے کے بات نہیں کہتا، مشکوٰۃ شریف اٹھاؤ صفحہ ۵۸ پر دیکھو! حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **بَینَ الْعبدِ وبینَ الکُفرِ تَرکُ الصَّلٰوۃِ.** بندے اور کفر کے درمیان فرق صرف نماز کا ترک کرنا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کے اسی صفحہ پر دیکھیں ایک حدیث اور ہے جس کے راوی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ہیں، فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: **اَلْعَھْدُ بَینَنَا وَبَینھُمُ الصلوٰۃِ فَمنْ تَرَکھَا فقَد کفَر.** ہمارے اور منافقین کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے، پس جس نے اس کو ترک کیا گویا اس نے کفر کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ: **مَن ترکَ الصَّلوٰۃَ مُتعَمِّداً فقدْ کَفَر.** جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا گویا اس نے کفر کیا۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے اور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتایا ہے۔ الفاظ یوں ہے قُـــرَّةُ عَينِي فِي الصلٰوةِ۔

جب بندہ رب کائنات کے دربار میں اپنا سَر خم کرتا ہے تو محسنِ کائنات کے آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور تارک الصلوۃ سے نبیٔ آخر الزماں کو تکلیف ہوتی ہے، جس نے بھی محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچایا گویا اس کی دنیا و آخرت برباد ہے۔

جب بندہ نماز کو ادا کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے تمام انوار و برکات کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں اور بندہ رحمتِ خداوندی کا محور بن جاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا:۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر ومحراب

شیدائیانِ اسلام!

قیامت کے دن سب سے قبل نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اس دن کسی کا کوئی نہ ہوگا، انسان خود کے پسینے میں ڈوبے ہوں گے، ہر شئی نفسی نفسی پکارے گی۔ اس وقت سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔

ماہ رسالت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یوم قیامت میں سب سے پہلے (حقوق اللہ) میں نماز کا حساب لیا جائے گا اگر نماز درست نکل آئی تو تمام اعمال درست اور اگر نماز ہی خراب نکلی تو سارے اعمال بےکار ہیں۔

کسی شاعر نے کہا ۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود   اولیں پُرسش نماز بود

جب نماز درست ہے تو تمام اعمال قبول، حج بھی قبول ہوگا، زکوۃ بھی قبول ہوگی، روزہ بھی قبول ہوگا اور دیگر اعمالِ صالحہ بھی مقبول ہوں گے۔ اور اگر نماز ہی درست نہ ہوگی تو سختی کے ساتھ امتحان ہوگا، اللہ ہم سب کا امتحان آسانی سے فرمائیں۔ آمین!

جاں نثارانِ ماہ رسالت!

آج کے دور میں بہت خوب صورت اور عالی شان مسجدیں تعمیر کی جاتی ہیں، لیکن اس میں اللہ کو یاد کرنے والے بہت کم نظر آتے ہیں، اس کو آباد کرنے والے بہت کم نظر آئیں گے۔ بعض جگہ تو عالی شان مسجدیں ویران اور قبرستان نظر آتی ہیں ؎

پہلے مسجدیں تھیں کچی، تو پکے تھے نمازی
آج مسجدیں ہیں پکی تو کچے ہیں نمازی

نماز کی اہمیت ہر مسلمان کے قلب میں ایسی ہونی چاہئے، جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قلب میں تھی، حضرت عمر فاروق خلیفہ دوم امامت فرما رہے ہیں۔

آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، آپ زخمی ہو گئے، فوراً عمر فاروقؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لیے آگے بڑھا دیا، اور امتِ مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ میری فکر مت کرنا، نماز کی فکر کرو، اس لیے کہ ؎

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا، جس کی بنا پر غشی طاری ہو جاتی، غشی کے ازالہ کے بعد کسی نے عمر فاروق سے کہا کہ نماز کا وقت آگیا ہے۔

عمرؓ فرماتے ہیں: نعم! لاحظ في الإسلام لمن لا صلوٰة له. نماز ضرور پڑھنی ہے جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

برادرانِ اسلام!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الصَّلوٰةُ عِمادُ الدِّينِ فَمَنْ أقامَهَا أقامَ الدِّينِ وَمَنْ هَدمَهَا هَدمَ الدِّين.

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز کو قائم کیا اُس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو منہدم کیا اُس نے دین کو منہدم کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں نماز ادا کی اور فرمایا کہ جب میں نماز پڑھنے سے عاجز ہو گیا ہوں تو زندہ رہنے میں کوئی لطف نہیں۔ ایسی زندگی میں کیا مزہ جس

سے احکامِ الٰہی میں کوتاہی آ جائے، کسی شاعر نے کہا کہ:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

صحابۂ کرام کے اندر شوقِ نماز بہت زیادہ تھا، جس کی بنا پر ان کو رضوان اللہ علیہم کا سرٹیفیکٹ ملا۔ بے نمازی کو تو زمین بھی پسند نہیں کرتی کہ یہ میرے اندر دفن ہو جائے، اس پر میں آپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت کا دور ہے، ایک بڑھیا کا تیل زمین پر گر جاتا ہے، تو وہ دربارِ امیر المومنین میں حاضر ہوتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ زمین نے میرا تیل چوس لیا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک پُرزہ لیتے ہیں اس پر لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پُرزے کو اس جگہ پر رکھنا جہاں پر تمہارا تیل گر گیا ہے، وہ بڑھیا ایسا ہی کرتی ہے فوراً زمین پورا تیل اگل دیتی ہے، تمام لوگ حیرت زدہ ہوتے ہیں کہ یہ کیسا ماجرا ہے؟

اس پرزے کو کھول کر دیکھتے ہیں تو اس میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اے زمین! اس بڑھیا کا تیل فوراً واپس کر دے ورنہ میں تجھ میں ایسے شخص کو دفن کروں گا جو تارکِ صلوٰۃ ہے۔

حضرات سامعین کرام!

ہمیں اس عبرت ناک واقعہ سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے کہ زمین تارک صلوٰۃ کو پسند نہیں کرتی، اگر ہم نمازیں چھوڑیں گے تو قبر میں جانے کے بعد ہمارے ساتھ زمین کیا معاملہ کرے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبر کے عذاب سے محفوظ فرمائے اور نماز کا ہمیں پابند بنائے۔

میں اس شعر کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

پڑھ نماز پنجگانہ ، نہ کر کوئی بہانہ
اس میں ہے تیری جنت ورنہ دوزخ ہے تیرا ٹھکانہ

وما علینا إلا البلاغ

فضیلتِ رمضان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَومِ الدِّين. أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ يٰآَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ٥

بہت دن سے مسلماں منتظر تھے جس مہینے کے
بڑی عظمت بڑی شوکت سے وہ رمضان آپہنچا

معزز بزرگان اسلام وحاضرین مجلس! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھے آپ حضرات کے سامنے نہایت ہی متبرک اور عظیم الشان ماہ رمضان شریف کی آمد پر چند منٹ بیان کرنے کا موقع عنایت فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعاء فرمایئے کہ مجھے صحیح صحیح بولنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کو سننے سے زیادہ عمل کی توفیق بخشے۔ آمین!

ابھی ابھی میں نے قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی پرہیزگار بن جاؤ“۔

حضرات گرامی! رمضان المبارک کا مہینہ اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے بہت ہی مشہور ومعروف مہینہ ہے، رمضان کا مہینہ ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا ہے، رمضان کی فضیلت وبرتری کو بتلانے کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کو اپنا مہینہ قرار دیا ہے۔

رمضان عربی لفظ ہے۔ رَمَضَ کے معنی لغت میں جلانے اور خاکستر کرنے کے آتے ہیں۔ جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے ٹھیک اسی طرح رمضان انسانوں کے گناہوں کو نیست ونابود کر دیتا ہے انسانی دلوں پر غلط کرتوت کی وجہ سے جو زنگ اور میل کچیل جم جاتا ہے یہ رمضان میل اور گندگیوں سے انسان کو صاف ستھرا کر دیتا ہے۔

محترم بزرگو اور دوستو! ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد تیرہ

سال تک مکہ معظمہ ہی میں لوگوں کو احکام خداوندی سناتے اور اس کی تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن جب مکہ کے باشندوں نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے تو یہاں سب سے پہلے عاشورہ کا روزہ فرض ہوا تھا لیکن ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد ۱۰ ارشعبان ۲ھ کو رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا، اور صوم عاشورہ کی فرضیت ختم کر دی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ اب جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

علماء کرام نے لکھا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں وہ گیہوں کا دانا یا پھل کھالیا جس سے اللہ نے منع کیا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کے پیٹ میں اس کا اثر پورے مہینے تک باقی رہا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو کفارے کے طور پر اتنے ہی دن کے روزے رکھنے کا بھی حکم دیا۔ بس وہی حکم ان کی اولاد کے لیے بھی ہو گیا اور مکمل ایک مہینہ روزہ رکھنے کا حکم نازل ہوا۔

سامعین کرام! رمضان المبارک کا مہینہ قدرت الٰہی کی جانب سے بیش بہا تحفہ اور عطیہ ہے اس کا ایک ایک دن اور ایک ایک ساعت اور ایک ایک لمحہ بھی انتہائی قیمتی اور قابل قدر ہے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی صحابہ کرام کو جمع کر کے تقریر فرمایا کرتے تھے اور رمضان کی وقعت اور اس کی قدر و قیمت سمجھاتے ہوئے اچھے عملوں کا شوق دلاتے۔ چناں چہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ قریب تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! رمضان کا مہینہ آ رہا ہے جو بہت برکتوں والا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں تمہاری طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے، اور تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے، گناہوں کو بخشتا ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے، تمہارے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کو دیکھ کر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے، لہذا تم خدا کو اپنی نیکیاں دکھاؤ، بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے اس حدیث کے اندر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند قدوس بندوں کی اطاعت کو دیکھ کر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں اس کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اور فرشتوں سے خبر دینے کے طور پر ارشاد فرمایا

تھا﴿اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ کہ زمین پر اپنا نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں تمہاری کیا رائے ہے تو فرشتوں نے بیک زبان ہو کر کہا تھا ﴿اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ﴾ کہ اے میرے رب کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو بنائیں گے جو زمین پر فساد کریں گے، آپس میں خونریزیاں کریں گے اور ایک دوسرے پر ظلم، حق تلفی، بے رحمی، جن کا شیوہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کہ جاؤ تمہیں کیا خبر مجھے سب کچھ معلوم ہے، مجھے ان تمام چیزوں کی خبر ہے جس کو تم نہیں جانتے، اس لیے اب اس کے نیک بندے جب خدا کی اطاعت کرتے ہیں اللہ پاک خوش ہو کر فرشتوں سے کہتا ہے کہ دیکھو یہ وہی آدم کی اولاد ہے جس کے بارے میں تم نے فساد اور خونریزی کا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔

محترم حضرات! ذرا غور کیجیے کہ ہم تھوڑی سی نیکی کر کے اللہ کے کتنے مقبول اور پیارے بن جاتے ہیں کہ فرشتوں جیسی مقدس مخلوق کے سامنے خالق دوجہاں ہمارا تذکرہ کر کے فخر کیا کرتے ہیں۔ اب بھی اگر ہم نے اپنے آرام وراحت میں لگ کر اطاعت وفرمانبرداری میں اور نیکیوں میں غفلت شعاری سے کام لیا تو کتنا نقصان ہوگا اور کتنے قیمتی وقت کو ہم ہاتھ سے کھودیں گے یہی وجہ ہے کہ اللہ کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے، رمضان کی فضیلت کے بارے میں بے شمار احادیث منقول ہیں: چناں چہ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے ”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبٍ وَفِي رِوَايَةٍ وَمَا تَأَخَّرَ“ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے اب تک کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں یعنی اب تک جو گناہ ہو چکے ہیں وہ بھی اور جو آئندہ ہوں گے وہ بھی سب معاف کر دیئے گئے، اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ بہت کم کسی عمل پر اس کی خوشخبری دی گئی ہے۔ گناہوں کی معافی تو عقل تسلیم کرتی ہے لیکن ناکردہ گناہوں پر مغفرت کا

یہ عظیم الشان اعلان دل کو کھٹکتا ہے، جب کہ ایسی کوئی بات نہیں، حدیث میں ہمیں بتلایا جارہا ہے کہ ایسے شخص کو گناہوں سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے، اور پیش آنے والے گناہوں سے بچنے کی توفیق کا عطا ہونا مغفرت کا ہی درجہ رکھتا ہے۔ ہم اس توفیق کو بھی مغفرت کی برابری کا درجہ دے سکتے ہیں۔

اسی طرح سید البشر والجن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا "سَیِّدُ الشُّھُورِ رَمَضَانَ" سب مہینوں کا سردار رمضان ہے، کیوں کہ ماہِ رمضان اتنی خصوصیات کا حامل ہے، جس سے یقیناً دوسرے مہینے عاری ہیں، شب قدر جس کو قرآن نے ﴿خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ﴾ کہا ہے۔

وہ اسی کی گود میں پایا جاتا ہے، کتاب مقدس کا نزول سمائے دنیا پر اسی ماہ میں ہوا، ثواب کی کثرت، مبتلائے عذاب کی خلاصی، شیطانوں پر پابندی اور توفیق واطاعت جیسی نعمتوں کا نزول رمضان کی سیادت کیلئے کافی ہے۔ رمضان کے دنوں میں معمولی نیکی بھی عنداللہ بے پناہ مقبول اور قابل قدر ہوتی ہے، چھوٹی عبادت بھی بارگاہ الٰہی میں بے انتہاء قدر ومنزلت کی حامل ہوتی ہے۔ ان دنوں میں مسلمانوں کا اٹھنا، عبادت کے لئے بیٹھنا، چلنا پھرنا سونا، جاگنا اور کھانا پینا ہر ایک زیادتی ثواب کا باعث ہوتا ہے اور ہر ایک کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے انتہاء اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، نفلی عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہوجاتا ہے اور فرض نماز کا ثواب ستر درجہ بڑھ جاتا ہے اسی کو لسان نبوت نے فرمایا: "مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ" کہ جو شخص اس مہینے میں کوئی نفلی عبادت کرے اس کا ثواب اتنا ہے جتنا غیر رمضان میں فرض کا اور جس نے اس مہینہ میں کوئی فرض عبات کرے اس کو غیر رمضان میں ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ سبحان اللہ!

کس قدر رمضان میں بندوں پر ثواب لٹایا جاتا ہے اور خالق کائنات جو رحمان اور رحیم بھی ہیں، ان کی ذات سے کوئی مستبعد بھی نہیں، اور کوئی تعجب خیز امر بھی نہیں کیوں کہ اوقات کے بدلنے سے چیزوں کی قدر وقیمت بھی بدل جاتی ہے، جس طرح سونا اور چاندی پہلے زمانہ میں کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتے تھے اور عام طور پر لوگوں میں رائج تھی۔ انسانوں میں کہیں بھی اجنبیت

کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھی لیکن حالات بدلے، تقاضے میں تغیر ہوا، ضرورت بڑھنے لگی اور قدر وقیمت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

اس طرح فرض نماز کا ثواب بھی مقام کے اعتبار سے متفاوت ہوتا ہے۔ بیت المقدس، مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کے اندر ایک وقت کی فرض نماز اپنے گھر نماز پڑھنے سے بہتر اور افضل ہے۔ ٹھیک خالقِ دو جہاں نے رمضان کی اہمیت کے پیش نظر بے انتہاء اجر وثواب کا وعدہ کیا تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوسکیں اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افراد حصول جنت کے لئے ہموار راستہ طے کر سکے۔ اس لئے قربان جایئے دین پر اور تاجدار بطحاء کے لائے ہوئے مذہب پر جس کی فطرت میں رفق، نرمی، رحمت وشفقت کا مادہ رکھا ہے رمضان کا ایک فرض ستر فرائض کے برابر ہے۔

دوستو! ہمیں کثرتِ ثواب کے لئے بیت اللہ اور مسجد نبوی کا سفر نہیں کرنا ہے، کوئی ویزہ نہیں، کوئی پاسپورٹ نہیں، گھر بیٹھے ہماری عبادت اجر وثواب کی حقدار ہوجاتی ہے۔ آہ! کتنا افسوس ہے ان حضرات پر جو رمضان کا چاند دیکھنے کے بعد بھی سست رہتے ہیں، جن کی حرکت میں تیزی پیدا نہیں ہوتی، طلب میں اضافہ نہیں ہوتا، رمضان میں بھی مسجد سے دور رہتے ہیں۔ اور کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ایک ایک ساعت اور ایک ایک لمحے کی فکر کرتے ہیں، رمضان کے اوقات کو ضائع ہونے نہیں دیتے، یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ جنت کے ایک خاص دروازے "باب ریان" سے داخل ہونگے فرشتے انکا استقبال کرتے ہوں گے۔

برادرانِ محترم! دراصل یہ مہینہ عبادتوں کا موسم بہار ہے جس طرح ہر کھیتی اپنے موسم میں خود پھلتی پھولتی اسی طرح اس مہینے میں عبادتیں خوب بڑھتی ہیں اور بندوں کو اطاعت کی خوب توفیقِ الٰہی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ اور دنوں کے بہ نسبت رمضان شریف کا بہت اہتمام کرتے ہیں، کام دھندا، تجارت وصنعت اور زراعت وکاشت کاری تو ہمیشہ ہمیں ہوتی ہی رہتی ہے، رمضان کا مقدس مہینہ سال میں ایک مرتبہ نصیب ہوتا ہے پتہ نہیں کہ دوبارہ ایام رمضان کس کے مقدر میں لکھے ہوئے ہیں اور کس کا مقدر محروم کیا گیا ہے۔ کسی کو بھی معلوم نہیں۔

دوستو اور بزرگو! رمضان المبارک ہی ایک ایسا عظیم الشان مہینہ ہے جس میں آسمانی

کتابیں نازل ہوئی حتی کہ سب سے آخری اور ابدی کتاب ''قرآن شریف'' جس نے تمام پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا اور پوری دنیا کے سوتی قوموں کو فعال و متحرک بنادیا وہ بھی اسی مہینہ میں نازل ہوا۔ اسی خالق کائنات نے فرمایا ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ رمضان المبارک ہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں انسانیت کی ہدایت کے لیے قرآن کریم نازل ہوا۔ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر انسانوں کی آزادی کا پروانہ صحیفوں کی شکل میں پہلی یا تیسری رمضان کو ملا۔ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں آزادی کا یہ قانون زبور کی صورت میں ۱۲ / یا ۱۸ / رمضان کو ملا۔ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کو توریت کے نام سے چھ رمضان کو ملا۔ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیرہ رمضان کو صحیفۂ انجیل ملا۔

مبارک ہے وہ انسان جن کی خاطر اس مہینہ میں
کلام اللہ لیکر دولت صلح وپیام آیا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ روزہ اور قرآن مجید دونوں بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے پروردگار! میں نے دن کے وقت اس کو کھانے پینے سے اور نفسانی خواہشات پوری کرنے سے روکے رکھا تھا۔ آپ اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔ اور قرآن مجید کہے گا میں نے رات کے وقت اس کو نماز کے اندر اور تراویح کے اندر تلاوت کی وجہ سے جگائے رکھا تھا اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کو قرآن سے کس قدر مناسبت ہے اور آپسی جوڑ ہے یہی وجہ ہے کہ ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیلؑ آتے اور پیغمبر علیہ السلام سے قرآن شریف کا دور کرتے تھے۔ اور اس کا آسان طریقہ تراویح ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز کے بہانے قرآن پاک بھی یاد ہو جاتا ہے اور غیر حافظ تراویح میں سن کر قرآن بھی پورا کر سکتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ تراویح بوجھ سمجھ کر پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی پناہ ہم کس جال میں پھنس گئے۔

میرے دوستو! کس قدر غیرت اور افسوس کی بات ہے کہ سال بھر میں تو ایک

مرتبہ رمضان مقدس مہینہ نصیب ہوتا ہے اور اس میں بھی چوبیس گھنٹے کا اکثر وقت اپنے ہی کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ اگر ہم تراویح میں تھوڑی سی مشقت ہی برداشت کرلیں تو کیا حرج اور نقصان کیا ہے۔ جب ہم نماز کے لیے مسجد میں آ ہی جاتے ہیں تو آدھ ایک گھنٹہ اور صحیح، اتنی جلدی کر کے کیوں قرآن کی برکت سے محروم رہیں، حضرت مولانا احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اپنے تحریر میں لکھا ہے کہ رمضان جامع جمیع خیرات و برکات ہے اور قرآن جامع جمیع کمالات ہے اور شب قدر اس مہینہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ مہینہ جمعیت کے ساتھ گزارے گا تو تمام سال جمعیت کے ساتھ گزرے گا۔ اور خیر و برکات سے مالا مال ہوگا۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم مکمل طور پر رمضان کے استقبال کے لیے تیار ہو جائیں، غفلت کے نیند میں ہم نے پورا سال گزارا اور گنوادیا۔ اب ہم عبادت اور بندگی کے لیے پورے طریقے پر بیدار ہو جائیں، ہم نے گیارہ مہینے اللہ کے احکام کو پامال کر کے بسر کیا، اب وقت آ گیا کہ اس مبارک مہینہ میں اس کی تلافی کریں۔ ہم نے اللہ کی نافرمانیاں کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرلیا ہے اب ہمارا قافلہ نیکیوں، اعمال صالحہ اور بھلے کاموں کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ اگر گناہوں کا خیال آتا ہے تو ہم اسے پختہ ارادہ کی تلوار سے کاٹ دیں گے۔ اگر ہمارا نفس اور جی برائیوں پر ابھارتا ہے تو اسے بے رحمی سے کچل ڈالیں گے۔

ہاں میرے بھائیو! آؤ ہم عہد کریں کہ ہماری زندگی کا یہ مہینہ نیکیوں اور بھلائیوں سے مالا مال ہوگا۔ ہماری زندگی کا یہ مختصر وقت اور یہ تھوڑا سا وقفہ، وہ ہرا بھرا باغ ہوگا، جس میں عبادت و صدقات اور اطاعتوں کے پھول کھل رہے ہوں گے، تا کہ ہمارا آقا، ہمارا خدا اسے دیکھ کر خوش ہو جائے۔ اور اب اس دعاء کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ ؎

مبارک ہو سب کو مبارک مہینہ   بنے سب کی خاطر یہ جنت کا زینہ
عبادت کی توفیق ایسی خدا دے   کہ نازل ہو بے چین دل پر سکینہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قربانی کا مقصد کیا ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ الرَّسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِین. أَمَّا بَعْدُ:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآءُهَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط کَذٰلِکَ سَخَّرَهَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰکُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ٥

معزز سامعین کرام اور حاضرین مجلس!

یہ قربانی، جو آج ہم کو، آپ کو اور تمام اہلِ نصاب کو انجام دینی ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، جس کا واقعہ مختصر لیکن بہت ہی سبق آموز اور عبرت و نصیحت دینے والا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ شخصیت ہے، جن پر پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے توحید خالص کے مکمل مفہوم کو اتارا، انسانی ذہن کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی معاملات و مسائل بھی اونچے اور بلند ہو کر نازل ہوتے رہے۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آیا تو انسانی ذہن اتنی ترقی کر چکا تھا کہ توحید کے نازک اور اہم مسائل پوری شرح وسط کے ساتھ نازل کر دیئے جاتے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی صف میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وہ شخصیت ہے، جنہوں نے اللہ کے بندوں کے سامنے اللہ کی توحید کا وعظ کہا، اور پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ کہا، اور توحید کا مکمل سبق دیا، دنیا ستاروں کی پوجا کرتی تھی، آفتاب اور ماہتاب کی پرستش ہوتی تھی، بت بنائے جاتے اور ان کے سامنے اللہ کے بندوں کے سر جھکتے تھے۔

ایک رات جب ستارے چمکے، لوگوں نے اس کے سامنے سر جھکایا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو سبق دینے کی خاطر فرمایا، یہ خدا ہیں! لیکن وہ ستارے جب لوگوں کی

نظروں کے سامنے ڈوب گئے، تو آپ نے فرمایا، میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آفتاب نکلا اور پوری شان اور تابانی کے ساتھ نکلا، لوگوں کا ذہن اس طرف جاسکتا تھا کہ یہ بڑا ہے، یہی خدا ہوگا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انتظار فرمایا، جب شام ہوئی، اور آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ نے فرمایا: ﴿إِنِّي لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾ ہم ایسا خدا ماننے کے لیے تیار نہیں جو صبح کو نکلے، اور شام کو ڈوب جائے، جو فانی اور زوال پذیر ہو، جو صرف صبح سے شام تک ٹھہرنے والا ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ سلسلۂ کائنات بہت دنوں سے ہے، اور نہ جانے کتنے دنوں تک رہے گا۔ خدا تو ایسا ہونا چاہیے جو پہلے بھی تھا، آج بھی ہے، اور آئندہ بھی رہے۔ آپ نے فرمایا، جو چیز صبح نکل کر شام کو ڈوب جائے، وہ خدا بننے کے لائق نہیں۔ تشریح وتفصیل کے ساتھ توحید کا یہ پہلا سبق تھا، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کو دیا۔

ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ توحید کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا کو ایک مان لیا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اُسوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کا آخری مقام اور سب سے اونچی منزل یہ ہے: کہ انسان خدا کے واسطے اپنی محبوب ترین چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ آج کی قربانی توحید کے اقرار کی ایک یادگار ہے۔ ہم نے خدا کو ایک کہا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے ایک مانیں، اور زندگی کے تمام شعبوں میں خدا کے سوا دوسرے کی فرماں روائی کو تسلیم کریں؟

ہم توحید کے قائل ہوئے تو کیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کو اللہ مانیں، اور زندگی کے تمام معاملات میں خدا کے سوا دوسروں کا حکم مانتے رہیں، یہ توحید نہیں ہے، توحید کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو ایک جانو، اس کو اپنا خالق اور معبود سمجھو، اور اس کی مکمل اطاعت کرو۔ ہماری زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہو جو خدا کی اطاعت سے خالی ہو، تب توحید مکمل ہوگی۔ تم اپنی عزیز ترین متاع اور انتہائی قیمتی سرمایہ کو اللہ کے حکم پر مٹانے اور لُٹانے کے لیے تیار رہو، تب توحید توحید ہوگی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں، بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام کو وحی خواب کے ذریعہ آیا کرتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یقین کیا کہ اس طرح اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی وحی خواب کے ذریعہ مل رہی ہے۔ انہوں نے خواب کا تذکرہ اپنے بیٹے اسماعیل سے کیا، نبی

کے بیٹے تھے اور نبی ہونے والے تھے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے پوری شادمانی سے کہا ''اے میرے باپ آپ وہ کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا گیا۔ باپ نے بیٹے کو پچھاڑا، محبت پدری کو روکنے کی خاطر اپنی اور بیٹے کی آنکھوں پر پٹی باندھ لی کہ ایسا نہ ہو کہ آنکھیں چار ہوں، باپ کی محبت جوش میں آئے اور چھری کام نہ کرسکے، جب اپنے بیٹے اور بڑھاپے کے سہارے کو ذبح کر کے ہٹے تو دیکھتے ہیں کہ بیٹا صحیح وسالم ایک طرف کھڑا ہے، اور ایک دُنبہ ذبح شدہ درمیان میں پڑا ہوا ہے۔ آج کی قربانی اُسی قربانی کی یادگار ہے، بیٹے کی قربانی، خواہشات کی قربانی، اپنے مال ومتاع کی قربانی، توحید کا آخری درس ہے، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اُسوہ کے ذریعہ دنیا کو دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اُس سنت ابراہیمی کو یادگار کے طور پر قیامت تک کے لیے باقی رکھا، اور ہمیں حکم دیا کہ اُس پاکیزہ اور بلند اسوہ کی یاد ہمیشہ منایا کریں۔ قرآن نے بتایا ہے کہ ہم اور آپ جو مسلمان کہلاتے ہیں یہ لقب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا ہے۔ اسلام کے معنی ہیں ''گردن نہادن بطاعت'' اسلام اصول اور ڈسپلن کا مذہب ہے، اس کے نزدیک سب سے اہم چیز اطاعت اور فرماں برداری ہے۔ اسلام نے اس مفہوم کو مختلف طریقوں سے اپنی عبادت میں، مختلف تقریبات میں بتایا ہے اور واضح کیا ہے، مطیع نام ہے مسلمان کا۔ اطاعت کا مادہ اگر ہم میں نہ ہو تو ہمارا اسلام قابل قبول نہ ہوگا۔ مسلمان ہم جب ہی ہوں گے کہ اپنی تمام خواہشات کی، مال ومتاع کی قربانی دیں، جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قربانی دی تھی۔

آج ہماری جیسی حالت ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ صرف یہ ہے کہ ہم میں ڈسپلن نہیں ہے، نظم اور اطاعت نہیں ہے۔ اللہ نے کہا ہے: ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ﴾ حکم دینے کا سزاوار صرف ایک ہی ہے، جس کا نام اللہ ہے۔

اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے۔ نبی کی اطاعت بھی اسی لیے ہے کہ وہ اللہ کا نمائندہ اور پیغمبر ہے۔ اس کے بعد آپ کے خلفاء اور جانشین ہیں، ان کی اطاعت بھی ہمارے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کا پیغام ہم تک پہنچاتے ہیں۔ مطاع صرف ایک ہی ہے، بقیہ اطاعتیں اس کے تحت اور نیچے ہیں۔ جب تک ہم اپنے اندر اطاعت کا مادہ نہ پیدا کریں، اور اطاعت کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، اُس وقت تک

ہم اسلام کا صحیح نمونہ نہیں بن سکیں گے۔

آج جو ہم انتشار کے شکار ہیں اور یہاں وہاں کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، صرف اس لیے کہ ہم میں اطاعت مفقود ہو چکی ہے۔ آپ مضبوط دیوار بن سکتے ہیں، اگر آپ میں نظم اور ڈسپلن ہو۔ آج ہمارا مسئلہ الجھا ہوا ہے، کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ دنیا کہاں سے کہاں جا چکی لیکن ہم یہ نہیں فیصلہ کر سکے کہ ہمیں کس کے ساتھ جانا ہے اور کس کی بات ماننی ہے؟

میرے بھائیو!

یہ طریقہ پنپنے کا نہیں ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ کچھ دیر کسی رہبر کے ساتھ چلتے ہیں، اور پھر لوٹ آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منزل بھی متعین نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ معاملہ نہایت نازک ہے۔

میرے محترم دوستو!

اگر سوچو تو تمہیں اپنی منزل متعین نہیں کرنی ہے، تمہاری منزل طے شدہ ہے، تمہاری منزل اللہ کی اطاعت ہے، رسولؐ کی اطاعت ہے۔ دین و دُنیا کی عظمتیں اُسی اطاعت میں پوشیدہ ہیں، تمہاری کامیابی کا راز اسی سے وابستہ ہے۔

شمعِ اسلام کے پروانو!

اللہ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کر دی ہے، محمدؐ کی شمع جل رہی ہے، تم اُس کے پروانے ہو شمع پر گرو، اور جل کر ختم ہو جاؤ، یہی تمہاری منزل ہے۔ اللہ کی اطاعت ، رسولؐ کی اطاعت تمہارا مقصود ہے اور اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

میرے بھائیو!

بات کو سمجھو، تنظیم کے ذریعہ، نظم اور اطاعت کے ذریعہ اپنی طاقت بڑھاؤ، ورنہ دنیا کی مضبوط ٹھوکریں تمہیں پامال کر دیں گی۔

آج بہت سے مسلمان قربانی کریں گے اور اپنے خالق کے حضور اپنی کمائی کا ایک حصہ پیش کریں گے۔ یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبود کے حکم پر لبیک کہا اور اپنی زندگی کی بہترین متاع، عزیز ترین دولت اور بڑھاپے کے سہارے حضرت اسماعیل کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا ہے۔ بیٹے کی قربانی کا حکم اس لیے نہیں

دیا گیا تھا کہ ایک عزیز ترین جان، سعید و صالح بیٹے اور مستقبل کے پیغمبر کو ذبح کر دیا جائے، نہ خدا کو انسان کے خون اور انسان کے ذبح کیے جسم کی ضرورت تھی۔

اس کا مقصد تو درس دینا تھا آنے والی نسلوں کو، اور ایک پیغمبر کے دل سے محبت کے ان تمام جذبوں کو عملاً ختم کر دینا تھا جو عابد و معبود، خالق و مخلوق اور محبّ و محبوب کے درمیان حائل ہو سکتی تھی۔ محبت کے جتنے جذبے ہو سکتے تھے اور دل کی گہرائیوں میں جس کے لیے گنجائش نکلنے کا امکان ہو سکتا تھا، وہ حضرت اسماعیل کی ذات تھی، وہ ہونہار بیٹے تھے، باپ کو فرزند سعید کی صلاحیتوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، شبہ ہو سکتا تھا کہ زندگی کے کسی مرحلہ میں کہیں جا کر محبت کا جذبہ بڑھ نہ جائے، خدا کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اپنے جانتے قربانی کر کے اس امکانی شبہ کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ وہ اِس امتحان میں پورے اترے۔ قربانی کا یہ واقعہ نہایت مختصر مگر اپنے نتائج اور روح کے اعتبار سے، بہت غیر معمولی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے فنائیت کے اس جذبہ کو باقی اور برابر اِس کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہر صاحب نصاب پر قربانی کو فرض قرار دیا۔

اسی حکم کے مطابق ہم سب قربانی کرتے ہیں......... مقصد نہ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جان لینا تھا اور نہ یہاں کسی جانور کی جان لینا ہے، نہ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خون کو اللہ کے حضور حاضر ہونا تھا، نہ ہمارے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا خون معبود حقیقی تک پہنچتا ہے، خدا ظالم نہیں ہے کہ اُسے کسی کی جان لینا پسندیدہ ہو، نہ خدا کو بھوک پیاس لگتی ہے کہ کسی کے گوشت و خون سے اس کی بھوک و پیاس مٹائی جائے، وہ اِن چیزوں سے پاک ہے۔..... خدائے تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ جذبۂ فداکاری پیدا کرنا چاہتا ہے۔ سرِ تسلیم خم کرنے کی تعلیم دیتا ہے، راضی بہ رضا ہونے کا سبق اور اپنی جان کو حق کی راہ میں مٹانے کا درس دینا چاہتا ہے۔ اور یہ سب ہمارے اور آپ کے فائدے کے لیے ہے۔

خدا کو نہ کسی کی قربانی کی ضرورت ہے نہ وہ کسی کی اطاعت کا محتاج ہے۔ اور کسی کے راضی بہ رضا ہونے میں اس کے لیے فائدہ ہے۔ ہاں! ہمیں ضرورت ہے کہ قربان ہونا سیکھیں۔ اطاعت اور راضی بہ رضا ہونے کا جذبہ پیدا کریں۔ اور یہ اس لیے کہ کوئی قوم اطاعت، فرماں برداری اور قربانی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ کامیابی اُنہیں کے قدم چومتی ہے جن میں یہ دونوں

باتیں ہوں، آپ انبیائے کرام کی سیرت پڑھیں، جو چیز آپ کو ان کی زندگی میں سب سے زیادہ واضح طور پر ملے گی وہ خدا کی اطاعت اور مقصد کے لیے قربانی کا جذبہ ہے۔

شمع اسلام کے پروانو!

آپ صحابۂ کرامؓ کے حالات پڑھیں۔ ان کے حالات میں آپ کو اطاعت خدا اور اطاعت رسولؐ اور جذبۂ قربانی جلی حرفوں میں لکھا ملے گا۔ اپنی چودہ سو سالہ تاریخ کا مطالعہ کریں۔ مسلمانوں کا جو عہد ترقی اور عروج کا ہے وہ عہد حقیقت میں کسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور کسی کے لیے سر بکف ہونے کا ہے اور جو عہد تنزلی اور زوال کا ہے وہ دراصل تاریخ ہے تمرد و سرکشی اور عیش و عشرت کی!!...... یہ قربانی کے جانور ہم ہر سال ذبح کرتے ہیں، یہ صرف علامت اور ظاہری شکل ہے۔

اِس کی اصل اور روح یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم اپنے باطل جذبات واحساسات اور اپنے غلط افکار وخیالات کو مٹا دیں، اور ذہن کو خدا کے تابع بنا دیں۔ زندگی کے لیے، حق کے کلمہ کو بلند کرنے اور حق وانصاف کی خاطر لڑنے کے لیے قربانی کرنا سیکھیں۔ اگر ہم میں یہ چیز پیدا ہوگئی تو قربانی کا مقصد حاصل ہوگیا اور اگر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا عمل ظاہر پر ہے، اب تک ہم نے اصل کو نہیں سمجھا۔ ہم صورت کو اپنائے ہوئے ہیں، حقیقت ہم سے دور ہے۔ پروردگار عالم ہم تمام امت مسلمہ کو قربانی کی اصل حقیقت کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

یوم عاشورہ (۱۰ارمحرم الحرام)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَالِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ الرَّسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِین.أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِي سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ o وقال في مقام اٰخر :وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوا فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَo وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ: اَفْضَلُ الصِّیَامَ بَعْدَ رَمَضَانَ شَھْرُ اللّٰہِ الْمُحَرَّمِ.وقال:لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَل. اَوْکَمَاقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ.

فدا کردے جو بہر دین وایمان سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا مرنا بھی، مبارک اس کا جینا بھی

صدرِمحترم،حاضرینِ مجلس!

آج میری تقریر کا موضوع ''یوم عاشورہ'' ہے۔مسلمانوں کی زندگی میں یوم عاشورہ یعنی ۱۰ارمحرم الحرام کی بہت اہمیت ہے، اس اہمیت کی بہت سی وجہیں ہیں۔ان میں سب سے بڑی وجہ عام مسلمان کی سمجھ کے مطابق شہادتِ حسینؓ ہے۔عام مسلمان یہی سمجھتا ہے کہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اُس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ نواسۂ رسول حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس تاریخ میں مظلومانہ شہید ہوئے۔

بل کہ عام طور پر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ۱۰ارمحرم الحرام کی جو بھی اہمیت ہے وہ صرف شہادت حسین کی وجہ سے ہے، کسی اور وجہ سے نہیں، حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ ۱۰ارمحرم الحرام یعنی

یوم عاشورہ شہادت حسینؓ سے بہت پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی اہم دن مانا گیا، بل کہ یوم عاشورہ کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے سے ہے۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

محترم حضرات!

یوم عاشورہ محرم الحرام کی دس تاریخ کا نام ہے، خود ماہِ محرم کو اسلام میں بہت فضیلت اور بزرگی حاصل ہے۔ اس مہینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شَهْرُ اللّٰهِ (اللہ کا مہینہ) فرمایا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ۔ رمضان المبارک کے بعد سب سے اُفضل روزہ اللہ کے مہینہ محرم کا روزہ ہے۔

ہجری سن کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے، اسی مہینہ سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے۔ اس ماہ کی دس تاریخ یوم عاشورہ کہلاتی ہے، اسی تاریخ کو قیامت آئے گی، یہی وہ یوم عاشورہ ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَارَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّم یَتَحَرّیٰ صِیَامَ یومٍ فَضَّلَهٗ عَلیٰ غَیْرِہٖ اِلَّا هٰذَا الْیَومَ عَاشُورَاءَ۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے دن کے روزہ کی فکر میں جس کو دوسرے پر فضیلت دی ہو اتنا زیادہ مبالغہ کرنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ عاشورہ کے روزہ کی فکر میں۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ صوم عاشورہ سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہی صوم عاشورہ ہے جو رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے مسلمانوں پر فرض تھا۔ مگر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوگئے تو عاشورہ کا روزہ نفل بن گیا جس کا جی چاہے رکھے، جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسلم یَاْمُرُ بِصِیَامِ عَاشُورَاءَ وَیَحُثُّنَا عَلَیهِ وَیَتَعَاهَدُنَا عِندَهٗ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانَ لَمْ یَاْمُرْنَا وَلَمْ یُنْهِنَا وَلَمْ یَتَعَاهَدُنَا عِندَهٗ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے روزہ کا حکم دیتے تھے اور ہم کو اس پر ابھارتے تھے اور وہ تاریخ آنے پر ہم کو دھیان دلاتے تھے پس جب رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ہمیں حکم دیا نہ ہمیں ابھارا اور نہ

اس کے آنے پر ہمیں دھیان دلایا۔

یعنی چوں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد عاشورہ کا فرض روزہ نفل بن گیا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم عاشورہ کا نہ حکم دیا اور نہ اس کی ترغیب دی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ ۱۰ رمحرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں، حضورؐ نے ان سے پوچھا: مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَهُ۔ یہ کیسا دن ہے کہ تم اس میں روزہ رکھتے ہو؟

یہودیوں نے جواب دیا: هٰذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيهِ مُوسىٰ وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوسىٰ شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُومُهُ۔ یہ بہت عظیم دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دی اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو غرق کر دیا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کا یہ روزہ رکھا۔ لہٰذا ہم لوگ بھی انہیں کی اتباع میں اس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوسىٰ مِنْكُم ۔ ہم تم سے زیادہ حق دار ہیں کہ حضرت موسیٰ کی موافقت میں عاشورہ کا روزہ رکھیں۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ یہود کے علاوہ نصاریٰ بھی رکھتے تھے۔ یہ دونوں فرقے صرف ۱۰ رمحرم کو ہی روزہ رکھتے تھے لہٰذا حضورؐ نے ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: لَئِنْ بَقِيتُ لَاَصُومَنَّ التَّاسِعَ ۔ (اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ رمحرم کو بھی روزہ رکھوں گا) اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ عاشورہ کا روزہ رکھیں وہ صرف دس تاریخ کو نہ رکھیں بل کہ ۹، ۱۰ ریا ۱۰، ۱۱ ر دو دن لگاتار رکھیں، تا کہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت نہ ہونے پائے۔

محترم سامعین کرام!

میں نے آپ حضرات کے سامنے جو احادیث کریمہ پیش کی ہے کیا اُن سے یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی کہ یوم عاشورہ کی اہمیت وفضیلت شہادتِ حسین سے بہت پہلے سے ہے۔ غور کیجیے! دس محرم الحرام کو حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت پیش آنے سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے زمانہ میں خود حضورؐ سے بھی بہت پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا اور پہلے ہی سے یہود ونصاریٰ اس تاریخ کو روزہ رکھتے آئے تھے۔

گویا عام مسلمانوں کا یہ سمجھنا کہ ۱۰ رمحرم الحرام کو جو بھی اہمیت وفضیلت حاصل ہے وہ صرف حضرت حسینؓ کی شہادت کی وجہ سے ہے، صحیح نہیں ہے۔ بل کہ اس دن کی اہمیت اس واقعہ سے بھی پہلے سے ہے۔ البتہ اتفاق سے حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ بھی اسی تاریخ کو پیش آ گیا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے مسلمانوں میں اس تاریخ کو اور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ چوں کہ عام مسلمان اس تاریخ کی اہمیت کو اسی واقعہ سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس پس منظر میں بھی کچھ باتیں عرض کر دوں۔

حاضرین کرام!

بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت حسینؓ کے واقعۂ شہادت کی وجہ سے صرف محرم کی دس تاریخ ہی نہیں بل کہ محرم کا پورا مہینہ غم کا مہینہ سمجھا جانے لگا ہے، لوگ نہ اس میں شادی بیاہ کرتے ہیں نہ کوئی اور خوشی کا کام کرتے ہیں، حالاں کہ نہ محرم غم کا مہینہ ہے، نہ محرم کی دس تاریخ، غم کی تاریخ کیوں؟ کیا اس وجہ سے کہ اسی مہینے کی دس تاریخ کو نواسۂ رسول کریم سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں شہید کر دیئے گئے؟ اگر یہی وجہ ہے اور بلاشبہ لوگوں کے خیال کے مطابق یہی وجہ ہے تو میں زور دے کر کہتا ہوں کہ اس واقعہ کی وجہ سے نہ محرم کو غم کا مہینہ کہا جا سکتا ہے نہ محرم کی دس تاریخ کو غم کی تاریخ۔ راہِ حق میں شہادت مومن کے لیے غم کی بات نہیں۔ بل کہ خوشی کا سودا ہے شہادت تو مومن کا عین مطلوب ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ
مال غنیمت نہ کشور کشائی

شہادت تو وہ چیز ہے جس کی تمنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی، فرمانِ رسالت ہے:

لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، شہادت تو وہ چیز ہے جس کی دعا خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے یوں مانگی تھی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔ اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت دے، شہادت تو وہ چیز ہے کہ جب خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپ گرے تو زبان مبارک پر یہ کلمات تھے۔

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔

سوچئے اور غور کیجئے! کیا اتنی عظیم شئے جس کی تمنا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس کی دعا مانگی ہو اور جس کے حاصل ہونے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے آپ کو کامیاب قرار دیا ہو، کیا وہ بھی غم کی چیز ہو سکتی ہے۔ کیا اس کی وجہ سے کوئی دن، کوئی تاریخ اور کوئی مہینہ، غم کا دن، غم کی تاریخ یا غم کا مہینہ بن سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

اگر شہادت ہی کی وجہ سے کوئی تاریخ غم کی تاریخ یا کوئی مہینہ غم کا مہینہ بن جاتا ہو تو پھر یکم محرم کو غم کی تاریخ کیوں نہ کہا جائے کہ اسی تاریخ کو خلیفۂ دوم امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے، اسی طرح ماہِ ذی الحجہ اور اسی ماہ کی اٹھارہ تاریخ کو غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ کیوں نہ قرار دیا جائے کہ خلیفۂ سوم امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین ماہِ ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو ہی شہید ہوئے ہیں۔ اور شوال کو بھی غم کا مہینہ کیوں نہ کہا جائے کہ اسی ماہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ پیش آیا اور ان کی نعش کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا کہ اسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو اٹھے اور فرمایا عَمِّي سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ (میرے چچا شہیدوں کے سردار ہیں)

یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ اسلام کی تاریخ میں کون سا مہینہ اور کون سی تاریخ اور کون سا دن ایسا ہوگا جس میں کسی نہ کسی عظیم اسلامی شخصیت کی شہادت نہ ہوئی ہو۔ اسلام کی تاریخ تو کفن بردوش مجاہدوں، شہادت کے متوالوں اور سرفرشوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔

سوچئے کیا ربیع الاول غم کا مہینہ نہیں ہے؟ کہ اسی ماہ کی بارہ تاریخ کو آقا و مولی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا، کیا حضور کی وفات کا واقعہ کسی شہید کی شہادت کے واقعہ سے کم غم کی بات ہے؟

پھر آخر کس کس کا غم منائیے گا۔ کس کس ماہ و تاریخ کو غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ کہئے گا۔

اور کس کس ماہ وتاریخ میں خوشی کی کام شادی بیاہ موقوف کر دیجئے گا۔ اگر مسلمان اسی طرح غم مناتا رہے اور شہادت ووفات کی تاریخوں کو غم کی تاریخ قرار دیتا رہے تو پھر مسلمان کے لیے خوشی کا نام لینا بھی حرام ہو جائے گا۔ اُسے کوئی مہینہ کوئی تاریخ اور کوئی دن خوشی منانے کے لیے خالی نہ ملے گا۔ گویا مسلمان کی ساری زندگی غم ہی غم ہو کر رہ جائے گی جہاں خوشی کا کوئی گزر نہ ہوگا۔

محترم بزرگو اور دوستو!

حقیقت یہ ہے کہ شہادت خواہ کسی کی ہو، غم کی بات ہی نہیں کہ اس کی وجہ سے کسی مہینے یا کسی تاریخ کو غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ بنا کر خوشی کا ہر کام روک دیا جائے، اسی طرح ماہِ محرم یا محرم کی دس تاریخ کو بھی غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ کہنا اور شادی بیاہ کو موقوف کر دینا غلطی اور نادانی ہے یہ ہماری اپنی بنائی چیز ہے۔ اسلامی تعلیمات سے اس کا کوئی تعلق اور جوڑ نہیں ہے۔

بعض نادان غم حسینؓ میں تعزیہ بناتے ہیں، ماتم ونوحہ خوانی اور طرح طرح کی خرافات کرتے ہیں، بھلا اسلام میں اس قسم کی چیزوں کی گنجائش کہاں سے نکل سکتی ہے۔ اسلام انسانوں کو دنیا کے جھمیلوں اور رسموں سے نکال کر سادگی پسند بنانے آیا تھا نہ کہ اس قسم کی خرافات میں مبتلا کرنے، غم حسینؓ کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے اس کی اجازت اور اس کا ثبوت نہ اہل سنت کی کتابوں سے ملتا ہے نہ اہل تشیّع سے۔ اہلِ سنت کے تمام فرقے تعزیہ داری کے حرام وبدعت ہونے کے قائل ہیں۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ خود شیعی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے صبر وضبط اور حلم وبردباری کی تلقین کی تھی اور نالہ وفریاد اور آہ وبکا سے منع فرمایا تھا۔ بقول ایک مرثیہ نگار، حضرت حسینؓ نے حضرت زینبؓ سے فرمایا تھا۔

ماتم میں مرے چاک گریبان نہ کرنا
گردوں کے تلے بال پریشان نہ کرنا

جب حضرت زینبؓ نے اس وصیت پر عمل نہ کیا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا: ؎

اس بین سے کچھ ہوش میں آئے شہِ تنہا
پھر دیکھا جو زینب کو تو گھبرا گئے مولیٰ
چپکے سے یہ فرمایا کہ اے ثانیٔ زہرا
سر ننگے چلی آئیں یہاں تم، یہ کیا، کیا

بربادیٔ عزت وحرمت ہوئی زینب

مرتے ہوئے اعدا سے خجالت ہوئی زینب

ان تمام لوگوں کو جو غم حسینؓ میں تعزیہ داری اور ماتم ونوحہ خوانی کرتے ہیں سوچنا چاہیے کہ وہ حضرت حسینؓ کی رضا کا سبب بن رہے ہیں یا خجالت کا۔ حضرت حسینؓ راہِ حق میں شہید ہوئے تھے، شہیدوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ﴾ جولوگ اللہ کے راستے میں قتل کردیئے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم سمجھتے نہیں۔

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ ان لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں قتل کردیئے گئے، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شہید اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوئے ہیں اور انہیں پروردگار کے پاس رزق بھی ملتا ہے، لہذا وہ زندہ ہیں۔ انہیں مردہ نہ گمان کر۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہیدوں کے زندہ اور رزق دیئے جانے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شہیدوں کے زندہ ہونے اور رزق دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں، ان کے لیے قندیلیں ہیں جو عرش سے لٹکی ہوئی ہیں وہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں، پھر انہیں قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں، ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر ڈالی اور فرمایا: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا (کیا تم کچھ چاہتے ہو؟)

انہوں نے جواب دیا ہم کیا چاہیں گے؟ جب کہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی سوال ان سے تین مرتبہ کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہی سوال بار بار ہو رہا ہے تو انہوں نے عرض کیا! يَارَبِّ نُرِيدُ اَنْ تُرَدَّ اَرْوَاحَنَا فِي اَجْسَادِنَا حَتّٰى

نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً (اے ہمارے پروردگار! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو دوبارہ ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں)

ظاہر ہے کہ یہ تمنا پوری ہونے کا سوال ہی نہیں تھا کیوں کہ جو دنیا سے چلا گیا اسے دوبارہ دنیا میں آنا نہیں ہے، لہذا باری تعالیٰ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص دنیا میں لوٹنے کی تمنا نہ کرے گا مگر شہید کو شہادت کی وجہ سے جنت میں جو اعزاز واکرام ملے گا اس کی بنا پر وہ تمنا کرے گا کہ وہ شہید ہونے کے بعد بار بار دنیا میں بھیجا جائے اور بار بار جامِ شہادت نوش کرے۔

یہ ہے شہیدوں کا اعزاز واکرام اور یہ ہے شہیدوں کا مقام ومرتبہ، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کی خاطر، حق کی راہ میں شہید ہوگئے تو وہ بلاشک وشبہ آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کے مطابق زندہ ہیں، اور زندہ پر ماتم وبکا اور نالہ وشیون کیا معنیٰ؟

ماتم وہ کریں جو منکر ہوں حیات شہداء کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

محترم بزرگو اور دوستو!

جب ۱۰ رمحرم الحرام (یوم عاشورہ) آتا ہے تو ہر طرف سے ماتم ونوحہ کی صدائیں آنے لگتی ہیں اور یہ ماتم ونوحہ خوانی کرنے والے، غم حسینؓ میں گریبان چاک اور سینہ کوبی کرنے والے سبیلیں لگانے اور تعزیہ بنانے والے بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک شہید کا ماتم کر رہے ہیں جو زندہ ہے وہ ایک عظیم وارفع نعمت ''شہادت'' پر گریہ کناں ہیں جو رونے دھونے، غم منانے اور گریہ وماتم کی چیز نہیں ہے، وہ عاشورہ محرم کی ساری عظمت واہمیت کو صرف شہادت حسین کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ عاشورہ محرم اس واقعہ سے پیشتر بھی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

فدا کردے جو بہر دین وایمان سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا مرنا بھی، مبارک اس کا جینا بھی

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

حقوق والدین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلىٰ رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ:

قال الله تعالىٰ في كتابه المبين، فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○

وعن أبي عبد الرحمن بن مسعودؓ قال سألت النبي صلى الله عليه وسلم أيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰه تعالىٰ، قَال: الصَّلٰوةُ عَلىٰ وَقْتِهَا، قُلتُ ثُمَّ أيٌّ؟ قَالَ: بِرّ الْوَالِدَين، قُلتُ: ثُمَّ أيٌّ؟ قَال: اَلْجِهادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰه ـ أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام (متفق عليه)

سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے دنیا کا حساب الٹا
نصیحت کیجیے جس کو، تو ملتا ہے جواب الٹا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہم سب کو آج اس بابرکت مجلس میں شامل ہونے اور دین کی باتیں سننے سنانے کی توفیق عطا فرمائی، تو آج وعظ وتقریر سننے سے ہماری غرض اور ہمارا مقصد کیا ہونا چاہئے؟ کیوں کہ نیت ہی کے مطابق ثمرات مرتب ہوتے ہیں، سرکار دوعالم، تاجدار مدینہ، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بیان کیا ہے کہ دورِ حاضر میں تقریر سننے والے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ لوگ جو صرف مجمع کی رنگ ورونق، شان وشوکت، سامعین کی تعداد، واعظ ومقرر کا اندازِ بیان وغیرہ دیکھنے لیے محض تماشائی بن کر شریک جلسہ ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس نیت سے آتے ہیں کہ ہم وہاں بیٹھ کر دین کی باتیں سنیں گے تو ثواب ملے گا، گویا حصولِ ثواب کی نیت سے وعظ وتقریر سنتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ جلسہ اور اجتماع میں اس لیے آتے ہیں کہ مقرر صاحب جو بیان کریں گے اس کا اپنے نفس سے موازنہ کر کے ان کی تقریر پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے، اگر واعظ کی بیان کردہ دینی باتوں پر عمل کر رہے ہیں تو الحمدللہ، ورنہ اسی وقت سے عزمِ مصمم کے ساتھ پختہ ارادہ کر کے اس پر عمل کرنا شروع کر دیں گے۔

بہرکیف! ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے تقریر سننے والوں کے متعلق ان کی تین قسمیں بیان کی، اس میں سب سے بہتر اخیر کے لوگ ہیں، کیوں کہ اس صورت میں ثواب بھی ملتا ہے اور جو اصل مقصود ہے اصلاحِ نفس، وہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

میرے بھائیو اور بہنو! آج ہمارا مقصد تقریر کرنا اور اکٹھا ہونا نہیں، بل کہ آج ہم صرف اپنے اپنے نفس کی اصلاح کے بارے میں غور کریں، آج ہم اپنے اوپر نظر ڈالیں اور اپنے گریبان میں منھ ڈال کر سوچیں کہ قرآن ہم سے کیا کہہ رہا ہے؟ حدیث ہم سے کیا کہنا چاہتی ہے؟ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فرمان ہے؟

مجلس میں یہ نہ دیکھیں کہ یہ کس کالڑکا ہے جو تقریر کر رہا ہے، کون اچھی تقریر کرتا ہے اور کس لڑکے کا طرز ٹھیک ہے، کس کی آواز سریلی ہے نہیں ہرگز نہیں! ہماری یہ نیت نہیں ہونی چاہیے بل کہ آپ اس کی باتوں پر غور کریں، اس کے کلمے کے پر دماغ حاضر کریں کہ بیان کرنے والا قرآن وحدیث کے مطابق بیان کر رہا ہے یا نہیں؟

بڑوں کا قول ہے "**اُنْظُرْ اِلیٰ مَا قَالَ وَلَا تَنْظُر اِلیٰ مَن قَال**" کہ کہنے والے کو نہیں دیکھنا چاہیے بل کہ جو بات کہہ رہا ہے وہ بغور سننا چاہیے، یہ نہ دیکھیں کہ تقریر کرنے والا چھوٹا ہے یا بڑا، آپ اس کے عیوب پر غور نہ کریں، خواہ وہ نیک ہو یا برا، وہ اس پر خود عمل کر رہا ہو یا نہیں، آپ اپنے اوپر غور کریں کہ ہم میں کیا خامیاں ہیں؟ کیا عیوب ہیں؟ کہیں ہم سے قرآن تو نہیں چھوٹ رہا ہے، حدیث تو نہیں ترک ہو رہی ہے، جب آپ اپنے عیوب پر غور کریں گے تب ہی انشاء اللہ آپ اپنے نفس کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

محترم بزرگو اور دوستو! اب میں اپنے مقصد کی طرف جانا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ

انسانوں کو تاکید فرما رہے ہیں کہ تم اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے اور پرورش کرنے والے کی بندگی، فرماں برداری اور اطاعت کیا کرو، پھر آگے ارشاد فرمایا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، بہت سی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، اور آگے ارشاد ہے ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

اور اگر تیرے سامنے یہ دونوں (ماں باپ) یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں کبھی اُف بھی مت کہنا اور نہ کبھی انہیں جھڑکنا اور ان سے خوب ادب واحترام سے گفتگو کرنا، اور ان کے سامنے شفقت وانکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور ان کے لیے یہ دعا کرتے رہنا، ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت نازل فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا، پرورش کیا۔

قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ میرا شکر گزار اور اپنے والدین کا احسان مند رہ، اس لیے کہ ماں باپ دنیا میں ہر طرح کی پرورش کرتے ہیں، جاننا چاہئے کہ جب انسان اپنی ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو اس کی ماں حمل کے زمانے سے لے کر ولادت تک طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرتی ہے اور پھر جب وہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو دودھ پلاتی ہے، پاخانہ پیشاب صاف کرتی ہے اور اس کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتی ہے اور اس پر اپنا آرام، اپنی راحت، اپنے جان ومال کو قربان کر دیتی ہے صرف اس وجہ سے کہ بچہ کو تکلیف نہ پہنچے۔

میرے ساتھیو!

ماں کی خدمت کرنی بہت ضروری ہے، ماں کی خدمت کرنی کیوں ضروری ہے؟ اس کی اطاعت کرنا کیوں فرض ہے؟ اس کی شفقت کی وجہ سے اَلْأُمُّ الشَّفِيْقَةُ الْبَرَّةُ بِوَلَدِهَا الرَّفِيْقَةُ حَمَلَتْهُ كُرْهًا ، صالح اور شفیق ماں جو مشقت برداشت کرتی ہے اپنے بچے پر اس وقت تکلیف اٹھاتی ہے جب کہ وہ پیٹ میں رہتا ہے، جب بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے تو اس کی ماں کو بہت تکلیف ہوتی ہے یہاں تک کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا دشوار

ہوجاتا ہے، دس قدم چلنا محال ہوجاتا ہے، تھوڑی دیر کچھ دور چل نہیں پاتی، ﴿وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ اور بچہ جننے کے وقت..........

اللہ اللہ جب بچہ پیدا ہونے کا وقت ہوتا ہے تو ماں کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے، اس شدت کی تکلیف ہوتی ہے جس کا اندازہ لگانا ہمارے لیے مشکل ہے، اس تکلیف کا خیال کرنا، اس کا تصور کرنا محال ہے، اس درد کا اندازہ وہی لگا سکتی ہے جس کو کوئی اولاد ہو وَرَبَّتْهُ طِفلاً اور پرورش کرتی ہے چھوٹے میں، جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اس کی ماں اپنی چھاتی سے دودھ پلاتی ہے اور تقریباً دوسال دودھ پلاتی ہے، اور ہر طرح کی نگہداشت کرتی ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ کام فطرت کے تقاضے کے تحت ہوتا ہے، اور اس فطرت کا تقاضہ بھی یہی کہ اولاد ماں باپ کی شفقت محسوس کریں اور ان کی محنت وایثار کی قدر کرتے ہوئے ان کی شکر گزاری اور فرماں برداری کریں، کئی جگہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا اور اس کی تاکید آئی ہے۔

میرے بھائیو!

غور کریں کہ انہوں نے آپ کی خاطر کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں، آپ کی خاطر کئی کئی راتیں جاگ جاگ کر گزاریں، ذراسا تم رودیتے تھے تو وہ بے چین ہوجاتی تھیں، اپنی نیند کو خراب کرتی تھیں، تم کو بہلا بہلا کر سلاتیں، تم ذراسی تکلیف میں مبتلا ہوتے تھے تو وہ بیچاری تمہاری اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے خود ہزاروں تکلیفیں اٹھانے کو تیار ہوجاتیں، انہوں نے تمہارے آرام وراحت کی خاطر کبھی دن کو دن، رات کو رات نہیں سمجھا، انہوں نے تمہیں خوش وخرم رکھنے کے لیے کیسے کیسے رنج وغم برداشت کئے، تمہیں کھلانے پلانے اور پہنانے کے لیے انہوں نے کبھی اچھا کھانا نہ کھایا، نہ پیا، نہ پہنا، تمہاری ذراسی پریشانی انہیں کس قدر پریشان کردیتی تھی، تمہاری ذراسی تکلیف سے انہیں کس قدر تکلیف پہنچتی تھی، تمہارے چہرے کی ہلکی سی افسردگی ان کے تمام مسرتوں اور خوشیوں کو غموں میں تبدیل کردیتی تھی، تمہارے آنسو کا ایک قطرہ ان کے دل پر نہ جانے کتنی چنگاریاں گرادیتا تھا۔

یہی نہیں کہ تم بڑے ہو جاؤ، نہیں نہیں بل کہ اب بھی وہ تمہاری تعلیم وتربیت کے ہر وقت خواہش مند اور ان کی دلی آرزو اور تمنا یہی ہے کہ تم بڑے ہو کر سعادت، نیک بختی، اخلاقِ حسنہ اور شرافت کا ایسا نمونہ پیش کرو جو اپنی نظیر آپ ہو، انہوں نے جہاں تمہیں اچھے سے اچھا

کھلانا اور پہنانا چاہا، وہیں اخلاق وآداب کے زیور سے مالا مال کرنا بھی چاہا، تمہارے والدین کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ تمہاری تعلیم وتربیت ایسی کریں کہ دوسرے بڑے دیکھ کر تم سے سبق حاصل کریں، اور تمہارے اخلاق وآداب، اچھے عادات سے چھوٹے بھائی بہن تم سے اچھی نصیحتیں اور عمدہ سبق حاصل کریں۔

میرے بھائیو اور دوستو!

تم کو تعلیم وتربیت، اخلاق وتہذیب کی جو بار بار تاکید کی جاتی ہے، کوشش کی جاتی ہے اور تم کو بار بار اس کی رغبت دلائی جاتی ہے صرف اس وجہ سے کہ تم دونوں جہاں میں سرخروئی حاصل کرو۔

میرے ہم نشینو!

ذرا غور کرو کہ ماں باپ اپنے بچے پر کس قدر مہربان، شفیق اور رحم دل ہوتے ہیں، ان کو کیسی کیسی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اپنی جان تک بچے کی خاطر قربان کر دیتے ہیں، اپنے اچھے کھانے پینے کو اس کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں اور ہمیشہ خیر ہی کی دعا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہیں اور جب مرنے لگتے ہیں اور انتقال کر جاتے ہیں تو اپنے بچے کے لیے ذخیرۂ مال و دولت چھوڑ جاتے ہیں، آپ نے کبھی غور بھی کیا ہے کہ ماں باپ کا ہم پر کیا حق ہے؟

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ما حق الوالدین؟ والدین کا کیا حق ہے؟ آقائے مدنی تاجدارِ مدینہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ وہی تمہاری جنت ہیں، وہی تمہاری دوزخ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کی فرماں برداری کرو گے تو جنت کے حقدار بن جاؤ گے اور اگر ان کے ساتھ برا سلوک کرو گے تو جہنم میں جلو گے، افسوس صد افسوس ہے ہمارے اوپر! آج ہم اپنے والدین کی ان تمام مشقتوں کو بھلا بیٹھے، آج ہم اپنے والدین کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے، ان کی تکلیفوں پر کچھ ندامت نہیں آتی، ہم اتنے ناشکرے ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف بھی دل سے رخصت ہو گیا۔

میرے بھائیو اور بہنو!

یاد کرو اس وقت کو جب تم پیدا ہوئے، تم کچھ بھی نہیں تھے، صرف گوشت کا ٹکڑا تھے، اپنے آپ کروٹ نہیں بدل پاتے تھے، کسی کو پہچانتے نہیں تھے، خود سے کھا پی نہیں سکتے تھے، تم اپنے بارے میں کچھ سوچ نہیں سکتے تھے، یہاں تک کہ اپنے نفع ونقصان پر بھی قادر نہیں تھے، اور آج جب ہوش والے ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے تم کو طاقت دی اور جوان بنا دیا تو ان کے تمام احسانوں کو اس طرح بھولے ہو کہ یاد کرنا تو درکنار کبھی دل میں اس کا خیال بھی نہیں کرتے۔

واقعہ: اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ قاری حنیف صاحب اپنی تقریر میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک لڑکا تھا، ایک دن وہ اپنے والدِ محترم کی گود میں بیٹھا ہوا تھا، اور اس کے سامنے ٹیوب ویل پر ایک کوا بیٹھا ہوا تھا، وہ بچہ اپنے والد صاحب سے پوچھتا ہے کہ ابا ٹیوب ویل پر کیا ہے؟ والد نے کہا کہ بیٹا! کوا ہے، پھر پوچھتا ہے کہ ابا کالا کیا ہے؟ تو اس کے والد نے سمجھا کر کہا کہ بیٹا یہ کوا ہے، یہ کالا ہوتا ہے، یہ کائیں کائیں کرتا ہے اور بولتا ہے، جب کچھ عرصہ گزر گیا اور اس کا والد بوڑھا ہو گیا اور بینائی کم ہو گئی، تو اتفاق سے اس کو کچھ کالا نظر آیا اور سوچنے لگا کہ آخر کیا چیز ہے؟ وہ اپنے بیٹے سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ وہ کہتا ہے کہ بڈھا دِکھتا نہیں ہے کہ کوا ہے، اتنے میں اس بوڑھے باپ کو خیال آ جاتا ہے اور آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے بیٹا! ہائے افسوس کہ تم نے اپنے بچپن کی زندگی کا حال بھلا دیا، یہ کوئی دور کی بات نہیں بل کہ کل ہی کی بات ہے۔ آج ہم میں بہت کم ہی ایسے ہوں گے جن میں یہ صفت نہ پائی جاتی ہو، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا بہترین عمل کون سا ہے؟ جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو، آپ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل، آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

سامعین کرام!

ایک حدیث بغور سنیں! اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے

بڑے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کے ماں باپ کو گالی دینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے ماں باپ کو گالی دینا، کیوں کہ جب دوسروں کے ماں باپ کو گالی دو گے تو یقیناً وہ بدلے میں تمہارے ماں باپ کو برا بھلا کہے گا۔

غور کریں کہ صحابہ کرام کا کیا جواب تھا کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اولاد اپنے والدین کو گالی دے، آج ہم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر سوچیں کہ حدیث پر کتنا عمل ہو رہا ہے، کیا ہم والدین کو تکلیف نہیں دیتے؟ ان کو برا بھلا نہیں کہتے؟ ان کو گالی نہیں دیتے؟ ان کو مارتے نہیں؟ آخر ایسا کیوں؟ آج افسوس سے کہا جا رہا ہے۔

اے میرے بھائیو اور بہنو!

قرآن و حدیث پر کیوں عمل نہیں کرتے، غفلت کی وجہ سے اپنے آپ کو خسارے میں کیوں ڈالے جا رہے ہو، آخر کیوں والدین کو تکلیف دیتے ہو اور جہنم کو اپنے اوپر لازم کر رہے ہو، تو آج ہمارے لیے بہتر اور ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو خوش کر کے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں رو رو کر، گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعاء کریں کہ اے اللہ ہم سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں، ہم نے والدین کو تکلیف پہونچایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾

اے ایمان والو! توبہ کرو سچی پکی توبہ، لیکن توبہ کے لیے ضروری یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے والدین سے اپنے گناہوں کو معاف کرائے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں رو رو کر توبہ کرے اور یہ کہے کہ اے اللہ اب ایسا کبھی نہیں کروں گا، لیکن پھر بھی کوئی اللہ تعالیٰ کی آیت سے رُوگردانی کرے گا، اپنے والدین کو تکلیف دے گا تو سنو اللہ تعالیٰ کی وعید ہے کہ اس کو دہکتی ہوئی جہنم میں ڈالے گا۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور تمام فرشتے اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے والدین کو پائے اور ان کی خدمت کر کے اپنے کو جنت میں داخل نہ کرا لے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھتے وقت جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' پھر جب

دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' پھر جب تیسری پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ!

آج ہم نے آپ سے ایک نئی بات دیکھی ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، آپ نے فرمایا کیا بات دیکھی، صحابہ نے عرض کیا، آج آپ نے خلافِ معمول منبر پر چڑھتے وقت سیڑھی پر آمین کہا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیلؑ نے فرمایا، ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا، پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوئی، میں نے کہا آمین، دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے تو میں نے کہا آمین، جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بوڑھاپے کو پہنچے اور وہ ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنائے تو میں نے کہا آمین۔

محترم حضرات!

اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بد دعائیں دی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تینوں پر آمین فرمائی ہے، اول تو حضرت جبرئیلؑ جیسے مقرب فرشتہ کی بد دعا ہی کیا کم تھی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے جتنی سخت بنا دی وہ تو ظاہر ہی ہے زیادہ سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ ہی اپنے فضل و کرم سے ہم لوگوں کو ان چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان برائیوں سے محفوظ فرمائے ورنہ ہلاکت میں کیا تردد ہے؟

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی رضا مندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے، جس سے ماں باپ خوش ہیں، اس سے اللہ بھی خوش ہیں، اور جس سے ماں باپ ناراض ہیں تو اس سے اللہ بھی ناراض ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ہر گناہ کے بدلے میں عذاب اور جُرم پر گرفت کو مؤخر کیا جا سکتا ہے لیکن ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کا عذاب ایسا سخت ہے کہ اس کا مؤاخذہ اس کی پکڑ مرنے سے پہلے بھی کی جاتی ہے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ علقمہ

رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی گزرے ہیں جو نماز، روزہ کے بہت پابند تھے، جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان کے منہ سے باوجود تلقین کے کلمۂ شہادت جاری نہیں ہو رہا تھا، حضرت علقمہ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع کرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علقمہؓ کی والدہ کو اطلاع کرائی کہ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، تم میرے پاس آتی ہو یا میں خود تمہارے پاس آؤں؟ علقمہؓ کی بوڑھی ماں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں آپؐ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی، میں خود ہی حاضر ہوتی ہوں۔

چناں چہ علقمہؓ کے متعلق کچھ دریافت کیا تو بوڑھی نے کہا علقمہؓ نہایت نیک آدمی ہے لیکن وہ اپنی بیوی کے مقابلہ میں ہمیشہ میری نافرمانی کرتا ہے، اس لیے میں اس سے ناراض ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اس کی خطا معاف کردے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے، لیکن اس کی بوڑھی ماں نے انکار کیا، تب آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور علقمہؓ کو جلادو، بوڑھی یہ سن کر گھبرا گئی اور اس نے حضور سے دریافت کیا کہ میرے بچے کو آگ میں جلایا جائے گا تو آپ نے فرمایا، ہاں اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں ہمارا عذاب ہلکا اور کم ہے، خدا کی قسم جب تک تو اس سے ناراض ہے نہ اس کی نماز قبول نہ صدقہ، تو بوڑھی والدہ نے کہا میں آپؐ کو اور تمام لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے علقمہؓ کو معاف کردیا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا دیکھو علقمہؓ کی زبان پر کلمہ جاری ہوا یا نہیں؟

لوگوں نے آکر بتایا یا رسول اللہ! علقمہؓ کی زبان پر کلمہ جاری ہوگیا اور کلمۂ شہادت کے ساتھ ان کا انتقال ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہؓ کے غسل وکفن کا حکم دیا اور خود جنازے میں تشریف لے گئے، علقمہؓ کو دفن کرنے کے بعد فرمایا کہ مہاجرین وانصار میں سے جس نے بھی اپنی ماں کی نافرمانی کی اس کو تکلیف دی تو اس پر اللہ اور اس کے رسول اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور تمام لوگوں کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وما علینا إلا البلاغ

اے ماں! تیری عظمت کو سلام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلىٰ رَسُولِهِ الْكَرِيمِ. أَمَّا بَعْدُ:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ٥

ماں باپ کی رضا سے رہا جو گریز پا
خوشنودیٔ خدا کی وہ نعمت نہ پا سکا
کتنا ہے بد نصیب وہ کتنا ہے نا مراد
جو مفت میں ملی ہوئی جنت نہ پاسکا

معزز سامعین کرام اور حاضرین مجلس!

میں اپنی معروضات کا آغاز اُس واقعہ سے کرنا چاہتا ہوں جسے سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو پڑے۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بندۂ نامراد آیا اور اپنے باپ کی شکایت کرنے لگا کہ وہ جب بھی چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے باپ کو بلایا، لاٹھی ٹیکتا ہوا ایک بوڑھا شخص حاضر ہوا، آپ نے اس شخص سے تحقیق کرنا شروع فرمائی تو اس نے کہنا شروع کیا ''اللہ کے رسول ایک زمانہ تھا جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی، اور میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا، میں نے کبھی اس کو اپنی چیز کے لینے سے نہیں روکا آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست وقوی ہے، میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے، اس ضعیف کی بات سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور ولد ناخلف سے مخاطب ہو کر فرمایا ''تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے''

حضرات! یہ جملہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنا مال اپنے والدین سے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ جو والدین کے علاج پر خرچ نہیں کرتے جو ماں اور باپ کو اپنے گھر میں ایک زائد اور ازکاررفتہ شیٔ سمجھتے ہیں۔

سامعین کرام! ''ماں اور باپ'' ان الفاظ میں شہد کی سی حلاوت اور دنیا بھر کا سکون بھرا ہوا ہے۔ ماں کے پیروں تلے جنت ہے تو باپ جنت کا دروازہ ہے، ماں کی انگلیاں جب ہمارے سروں پر ہوتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کی ساری خوشی ہمارے سروں پر رقص کر رہی ہے اور باپ کی پُر از شفقت نگاہ عزائم میں حوصلہ وجلا عطا کرتی ہے۔ دنیا میں ہر چیز اپنی شکل بدل دیتی ہے۔ لیکن ماں اور اس کی ممتا میں کچھ فرق نہیں آتا۔ دنیا کا کوئی رشتہ والدین سے زیادہ محترم نہیں۔ والدین کے لئے سب سے خوب صورت چیز اولاد ہوتی ہے اور جس طرح پھول مسل دینے کے بعد بھی خوشبو دیتا ہے والدین بھی ہر حال میں دعائیں دیتے ہیں۔

اے لوگو! والدین سے ہمدردی کی توقع رکھنے کے بجائے والدین کے ہمدرد بن جاؤ، خالق کائنات نے اپنی بندگی کے بعد بندوں پر سب سے اولین فرض و بالوالدین إحسانا قرار دیا ہے۔ کہا گیا والدین سے حسن سلوک کرو۔ اور ہاں! حسن سلوک کی توفیق کو دونوں جہاں کی سعادت سمجھو، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو ہجرت و جہاد پر فضیلت دی ہے۔ اسلام نے تو ہمیں یہاں تک اجازت دی ہے کہ اگر ماں باپ کافر و مشرک ہوں تو بھی ان سے حسنِ سلوک کرتے رہو، مجھے بتاؤ کہ ایسی عظیم الشان تعلیم کسی اور مذہب نے دی ہے مگر آہ!

غافل رہا حقوق و فرائض سے جو بشر
دنیا وآخرت میں وہ راحت نہ پاسکا

اے دریتیم کا نام لینے والو!

ذرا اُس دریتیمؐ کے عمل کو تو دیکھو جس نے اپنی رضاعی ماں کے احترام میں اپنی ردائے مبارک بچھا دی اور اپنی جگہ اپنی رضاعی ماں کو بٹھا دیا۔ جی ہاں! اسی دریتیم نے فرمایا خدا کی خوش نودی اور ناراضی والدین کی ناراضی وخوش نودی میں ہے۔

اے والدین کے احترام کو پامال کرنے والو!

جاؤ کسی یتیم سے ماں باپ کی قیمت پوچھو۔ کیا ماں باپ کو ناراض کر کے جنت کی

اوراپنی اولاد سے خدمت کی توقع کی جاسکتی ہے؟ ہرگزنہیں اسلام نے توتعلیم دی کہ ماں باپ کے عظیم احسانات کے پیش نظران کے وہ جائز مطالبات بھی خوشی خوشی پورے کیجئے جوآپ کے ذوق ومزاج پرگراں ہوں۔

حاضرین! اپنی بوڑھی ماں کی خدمت وتنہائی کے باعث حضرت اویس قرنی تاجدار مدینہ کا دیدار نہ کرسکے۔ اور نہ ہی والدہ کی زندگی میں حج کی تمنا پوری ہوسکی۔ یہ سب کیوں ہوا؟ محض اس لیے کہ ان دوتاریخ ساز ہستیوں کے ہم پرگراں قدر احسانات ہیں۔ قرآن نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ماں کے پیہم دکھ اٹھانے اور کٹھنائیاں جھیلنے کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہا گیا جاں نثار ماں باپ کے مقابلہ میں تمہاری خدمت وسلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ مگر آہ! آج ہماری ماؤں کو اپنے بیٹوں سے کچھ زیادہ ہی شکایات ہیں۔ آج کا نوجوان

دیکھ کر چشم سیاہ زلف بتاں
بھول جاتا ہے سعادت مندیاں

اولاد کو یہ تعلیم دی گئی کہ جو مال بھی خرچ کرواس کے اولین حقدار والدین ہیں۔ کیا تمہیں اس آدمی کا قصہ نہیں معلوم جو ماں باپ کے سوجانے پر رات بھران کے سرہانے دودھ کا پیالہ لیے کھڑا رہا اور اس کے بیوی بچے بھی بھوکے رہ جاتے ہیں، یہ تو والدین کا ادنیٰ سا بھی حق ادا نہیں ہوا۔

جس نے نہ ماں کا حق محبت ادا کیا
وہ چین تا قیامت نہ پاسکا

اے نونہالان ملت!

والدین کے شکر گزار رہئے! محسن کی شکر گزاری اور احسان مندی شرافت کا اولین تقاضا ہے۔ ہمارے وجود کا محسوس سبب والدین ہی ہیں اور پھر انہیں کی پرورش میں ہم شعور کو پہنچتے ہیں۔ ماں باپ کی غیر معمولی قربانی، بے مثل جاں فشانی اور انتہائی شفقت وسرپرستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا سینہ ان کی عقیدت واحسان مندی، عظمت ومحبت سے سرشار ہو اور ہمارے قلب کا ریشہ ریشہ ان کا شکر گزار ہو یہی وجہ ہے کہ خدا نے تاکید فرمائی ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾

''کہ میری شکر گزاری کرو اور اپنے والدین کے بھی شکر گزار رہو''۔

حکم دیا گیا ''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا﴾ تم ان کو اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو'' اور نصیحت کی گئی ﴿وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ان سے احترام سے بات کیجئے۔ حکم کبریائی یہ بھی ہے کہ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ عاجزی اور نرمی سے ان کے سامنے بچھے رہو یعنی نہ ان سے آگے آگے چلو اور نہ ان سے پہلے بیٹھو، یہ بھی تعلیم قرآنی ہے کہ والدین کے حق میں دعا کرتے رہئے۔ ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾۔ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی تھی۔

اے سعادت مند انسانو!

والدین کی خدمت کو اپنا طرۂ امتیاز بنالو کیوں کہ دنیا میں خدا اور رسول کے بعد قابل احترام ہستیاں یہی ہیں جس طرح درخت پتھر کھا کر پھل دیتا ہے اسی طرح والدین سارے دکھ درد جھیل کر بھی اپنے بچوں کو دعائیں دیتے ہیں، یہ وہ مالی ہیں جو اپنے چمن کو خزاں سے بچا بچا کر اپنے خون پسینے سے سینچتے ہیں۔ اور اپنے پھولوں کو ہر خزاں و بہار سے آگاہ کرتے ہیں، یہ بچوں کے لیے آسمانی تحفہ ہیں۔

حضرات! ہماری آنکھوں کے سامنے ان کا وجود باعث زحمت نہیں بل کہ باعث رحمت ہے۔ ان کی زندگی ہمارے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ تو کیوں نہ ہم ان کی قدر و عظمت کو دل وجان سے قبول کریں۔

اے ضیاءؔ ماں باپ کے سائے کی ناقدری نہ کر
دھوپ کاٹے گی بہت، جب یہ شجر کٹ جائے گا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شب براءت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّين.
أَمَّا بَعْدُ: قال النبي صلى الله عليه وسلم "شَعْبَانُ شَهْرِي وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰه"۔

محترم سامعین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا احسان وکرم ہے کہ اس نے ہم سب کو اکٹھا ہوکر بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، ہم لوگ جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

آج بڑے ہی اچھے اتفاق سے آپ حضرات کے مابین لب کشائی کرنے کا موقع ملا ہے، بہت دنوں سے یہ آرزو تھی کہ آپ حضرات کے سامنے لب کشائی کروں، مگر کوئی شکل نہیں نکل پارہی تھی۔ زہے نصیب کہ آج خدا نے وہ موقع بھی میسّر فرمادیا اور وہ بھی ایسا ہفتہ جس میں ہم لوگوں نے خرافات ہی خرافات مچا رکھا ہے، جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا "شَعْبَانُ شَهْرِي وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰه" کہ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے، لیکن ہم لوگوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ایسے متبرک اور باعظمت مہینہ میں بھی بدعات کا بازار پھیلا رکھا ہے، اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ پہلے تو اس کی فضیلت بیان کروں اور اس کے بعد ہم لوگوں نے جو قسم قسم کے خرافات رائج کر رکھے ہیں، جن سے ہمیں پرہیز کرنا ضروری ہے ان پر بھی روشنی ڈالوں، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرات! ذرا غور کریں کہ یہ کیسا متبرک مہینہ ہے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت اپنی طرف کی اور فرمایا کہ یہ میرا مہینہ ہے، جس مہینہ کی نسبت ایسے نبی کی طرف ہو، جو کہ ہادیٔ کل اور فخر رسل ہے تو کبھی اس کی اہمیت میں شبہ ہوسکتا ہے؟ ذرا اندازہ کیجیے کہ کتنا متبرک مہینہ ہے کہ سید الکونین نے اپنا مہینہ کہا ہے اور صرف کہا ہی نہیں بل کہ عمل کرکے اسے اپنا ظاہر کرکے دکھا بھی دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی برکت سے اس امت پر جہاں بہت احسان کیے ہیں وہیں شعبان کا مہینہ اور اس کی پندرہویں شب کو بھی امت محمدیہ کے لیے رحمت ومغفرت اور بخشش کا سیزن بنا کر بھیجا، یوں تو پورا سال ہی رحمت ومغفرت اور قبولیت کا ہوتا

ہے،لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی قبولیت کے لیے کچھ خاص اوقات متعین کردیے، اور خاص دن اور خاص مہینہ بھی تا کہ خدا کے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امّتی اپنے اس قبولیت کے مہینہ میں اپنے تمام گناہوں سے پاک ہوجائے۔

چناں چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شعبان کی پندرہویں شب میں قیام کرو، اور دن کا روزہ رکھو، اللہ تعالیٰ پندرہویں کے غروبِ آفتاب کے بعد آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے ہیں اور یہ آواز دیتے ہیں کہ ہے کوئی معافی چاہنے والا جو مجھ سے معافی چاہے اور میں اسے معاف کردوں؟ اور ہے کوئی روزی چاہنے والا؟ جو مجھ سے روزی چاہے اور میں اس کو روزی دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ جو مجھ سے اس کے دور کرنے کے بارے میں کہے اور میں اسے دور کردوں! اسی طرح صبح صادق تک آواز دیتے رہتے ہیں کہ ہے کوئی گنہ گار؟ ہے کوئی سیہ کار؟ ہے کوئی مخلص وفادار؟ ہے کوئی مصیبت زدہ؟ آئے، جلدی آئے، خدا آواز دے رہا ہے، سال بھر گنہ گار مجھے پکارتے ہیں آج میری رحمت گنہ گاروں کو بلا رہی ہے، میری رحمت گنہ گاروں کے دروازے پر دستک دے رہی ہے، آج گناہ لے کر آؤ گے معاف کردیا جائے گا، رزق لینے آؤ گے دے دیا جائے گا، اولاد لینے آؤ گے تو دے دیا جائے گا، جنت لینے آؤ گے تو عطا کردی جائے گی ؎

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تیری گلی میں　　　دنیا تری گلی میں، عقبیٰ تری گلی میں

پرچون (کھلا) مانگو گے تو ملے گا، تھاک مانگو گے تو ملے گا، جیسا مانگو گے ویسا ملے گا، لُطف کی بات یہ ہے کہ سب کچھ دے دیا جائے گا اور کچھ نہیں لیا جائے گا ؎

تیرے کرم سے اے کریم کون سی شئ ملتی نہیں
یاں جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

داتا سب کا داتا، ذرا دیکھئے تو اس رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے دروازے پر، صدیق اکبرؓ خدا کے دروازے پر، عمرؓ خدا کے دروازے پر، علیؓ خدا کے دروازے پر، مگر افسوس کہ ان کے امّتی اور پیروی کرنے والے، کنتم خیر امۃ کا تاج پہننے والے بدعات وخرافات کے دروازے پر؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں آرام فرمارہے تھے، یکا یک آدھی رات کے قریب بستر خالی پا کر میں نے یہ سوچا کہ شاید آپ دوسری زوجۂ مطہرہ کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے، لیکن جب میں نے

آپ کوتلاش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف فرما تھے اور بارگاہِ ایزدی میں دعاء کررہے تھے۔

اسی طرح ایک حدیث میں فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ تم جانتی ہو کہ یہ کون سی رات ہے؟ میں نے کہا خدا ہی بہتر جانتا ہے، تو فرمایا، یہ رات بہت ہی متبرک رات ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی بخشش فرمادیتا ہے، بل کہ بنی کلب کی بکریوں کے بال کے برابر اس رات میں اللہ تعالیٰ جہنم سے بندہ کو نجات کی سند دے دیتا ہے، لیکن چھ شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے، وہ چھ یہ ہیں: (۱) کینہ پرور (۲) صلہ رحمی سے عاری (۳) تکبر کرنے والا (۴) شرابی (۵) والدین کی نافرمانی کرنے والا (۶) پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

حضرات گرامی: ذرا غور تو کریں کہ اللہ تعالیٰ ایسی متبرک رات میں بھی ٹخنے سے نیچے پائجامہ والے کی دعاء قبول نہیں کرتے، ہماری نظروں میں کوئی گناہ ہے ہی نہیں، اگر کوئی اس کی جانب توجہ دلائے بھی تو ہم بڑے ہی آرام سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسے بہت اچھا لگتا ہے، اس کی ہمارے یہاں کوئی اہمیت ہی نہیں، ایسے گناہ کو گناہ میں شمار ہی نہیں کیا جاتا، اس کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ ایسی متبرک رحمت عامہ والی رات میں بھی اس شخص کی کوئی قدر نہیں، وہ بندوں میں شمار ہی نہیں کیا جاتا، گرچہ وہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرلے اس کی دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔

ذرا سوچئے کہ یہ ہم سب کو لرزا دینے والی بات ہے یا نہیں؟ جس کے بارے میں تصور ہی نہیں ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے، لیکن اس کا یہ حال ہے کہ خدا ہر انسان کی طرف متوجہ ہے لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں، اور نہ ہی اس کی نظرِ رحمت ہوتی ہے، اسی طرح والدین کی نافرمانی کا بھی یہی حال ہے کہ ہم لوگ جس چیز کو کچھ نہیں سمجھتے، بات بات پر اس کو جھڑک دیتے ہیں، اسے گالی دے دیتے ہیں، یہی نہیں بل کہ بات اب تو اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مارنا بھی شروع کردیتے ہیں اور طرح طرح سے ستاتے ہیں حالاں کہ اللہ نے کہا ہے: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ لیکن ہم نے ان سب کی کوئی پرواہ نہیں کی، اور والدین کی نافرمانی شروع کردی، ذرا غور کیجئے کہ اس گناہ کی وجہ سے بھی اس کی موجودگی میں کوئی دعا قبول نہیں، اس لیے ہمیں اب بھی توقع ہے کہ ہم اور آپ، اپنے والدین سے معافی تلافی کرکے

اسے خوش کرلیں گے، اگر وہ ناراض ہو گئے تو خدا ناراض ہو جائے گا، پھر تو کہیں کے نہ رہیں گے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اس لیے ہم اور آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب امور سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آگے ان سب خرافات سے بچائے۔ یہ تو اس رات کی خصوصیات تھیں جو بیان کی گئیں کہ ہم ان احادیث کی روشنی میں اس رات کو کس طرح گزاریں، ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں، آپ ذرا غور کریں تو صرف تین باتوں کا ثبوت ہوگا۔

(۱) قبرستان جانا (۲) رات بھر نفلی عبادت کرنا (۳) دن میں روزے رکھنا۔

ان سب امور کی پابندی کرتے ہوئے انہیں عملی جامہ پہنائیں تو کامیابی وکامرانی قدم بوس ہوگی، اور ان تینوں کو سنت طریقے پر ادا کرنا خیر وبرکت اور ثواب کا باعث ہے، ورنہ عذاب اور سزا کا مستحق ہوگا، قبرستان جائے تو بغیر کسی اہتمام کے جائے، قبرستان جا کر یہ دعا پڑھے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُم يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُم اَنْتُم سَلَفُنَا وَ نَحْنُ بِالاثَرِ۔

اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو کوئی اور مسنون دعاء پڑھے، اور قبروں کے پاس کھڑے ہو کر مُردوں کے لیے دعائیں کرے، سورہ یٰسین، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص اور درود شریف وغیرہ پڑھے، اور جب قبرستان پہونچے تو اس بات کا خیال رکھے کہ قبر کو ہرگز نہ روندے، اور اس کے بعد دعا کرے اور دعاء میں یہ نیت کرے کہ اے اللہ! جو کچھ ہم نے پڑھا اس میں جو بھی غلطی ہوئی ہو معاف فرما، اور اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچادے، اور اس رات میں جتنا ہو سکے نفل پڑھے، اور اگر نماز پڑھ رہا ہو تو بغیر جماعت کے نماز ادا کرے، کیوں کہ نفل نماز میں جماعت نہیں ہے، تلاوت کلام اللہ کرے یا سنے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے، اپنے اور رشتہ داروں کے لیے، دوستوں اور پوری امت کی بخشش کے لیے دعا کرے، اور کہے اے اللہ! ہمیں حلال روزی نصیب فرما، اور ہر قسم کی بلاؤں سے محفوظ فرما، کیوں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایسے ہی دعاؤں کی تلقین کی تھی کہ اے عائشہؓ! یوں کہو اے اللہ! آج تک جو ہوا معاف فرما اور آگے خیر کی توفیق عطا فرما، اور خصوصًا گناہوں سے توبہ کرے جس کے ہوتے ہوئے کوئی دعا قبول ہی نہیں ہوتی، اور جو حضرات طویل نماز پڑھنا چاہیں وہ صلوٰۃ التسبیح پڑھیں اور دعا کریں اور خوفِ خدا سے روئیں، گڑگڑائیں، والدین اور اولاد

کے حق میں دعائے خیر کریں، اور اس بات کی طرف پوری توجہ رہے کہ اس رات میں تنہا تنہا عبادت کی جائے، کیوں کہ نفلی عبادت کے لیے یوں بھی تنہائی بہتر ہے، اگر جمع ہوکر عبادت کرنا بہتر ہوتا تو سید الکونین تنِ تنہا بقیع الغرقد (مدینہ کے قبرستان) میں تشریف نہ لے جاتے، اور وہاں تنہا عبادت نہ کرتے، اگر ایسا ہوتا تو کم از کم صحابہ کو ہی اجتماعی طور پر عبادت کے لیے فرماتے ،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرستان تنہا جانا فرداً فرداً عبادت کی تعلیم دیتا ہے حالاں کہ ان سب کے باوجود بھی بعض مقامات پر اس رات میں زیادہ لوگوں کو بلانے اور جمع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اجتماع سے شب بیداری گرچہ سہل اور آسان ہے مگر نفلی عبادت کے لیے لوگوں کو اس طور پر جمع کرنا اور ہونا اور مسجدوں میں اکٹھا ہوکر جاگنا، جب کہ آج کل رواج ہے۔ اکثر علماء نے مکروہ لکھا ہے، درّ مختار میں ہے کہ ایسی راتوں میں تنہا عبادت کرنا مستحب ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ آج ہمارے معاشرے میں شب براٗت کی تیاری ہفتہ روز قبل ہی شروع ہوجاتی ہے، اور عوام سے چندہ لیتے اور مسجدوں کو سجاتے ہیں یہ قطعًا جائز نہیں ہے۔

بھائیو! بعض جگہ تو ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اس رات میں چائے ناشتہ تک انتظام کیا جاتا ہے، جب کوئی پوچھتا ہے تو بتایا جاتا ہے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ شب براٗت ہے، جاگنے کے لیے یہ سب چیزیں تیار کی جاتی ہیں، آپ کیسے مسلمان ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہابی ہیں۔ عوام سے چندہ لینا، مسجد کو سجانا اور کھانے وغیرہ کا انتظام کرنا، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اگر شریعت کو ہم مانتے ہیں تو ہم کو یہ کہنا ہوگا کہ یہ بدعت ہے اور فضول خرچی ہے اور فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ بے شک فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ، ہر بدعت ضلالت ہے اور ضلالت جہنم میں لے جانے والی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرما کر شب براٗت میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق ارزانی نصیب کرے۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

عاشق رسول کون؟

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيمِ۔ أَمَّا بَعْدُ:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْم۔

معزز سامعین کرام اور حاضرین مجلس! اللہ رب العزت نے کائنات کی مختلف چیزوں کے درمیان ایک مقناطیسیت پیدا فرمائی ہے، اگر یہ مقناطیسیت بے جان چیزوں کے درمیان ہو تو اُسے کشش کہتے ہیں۔ اور اگر دو جاندار چیزوں کے درمیان ہو تو، اسے میلان اور محبت کہتے ہیں۔ اور محبت کی تعریف بھی یہی ہے، دل کا کسی خوبی کی طرف از خود مائل ہو جانے کو محبت کہتے ہیں۔ اور محبت میں غرق ہو جانے کو عشق کہتے ہیں۔

میرے دوستو! اس فانی دنیا میں ہزاروں لوگ گزرے ہیں، جن کو نہ ہم نے دیکھا ہے، نہ ہماری ان سے کوئی پہچان ہے، نہ ہم کو ان سے کوئی مالی فائدہ ہوا ہے، نہ ہم کو ان سے کوئی سیاسی فائدہ ہوا ہے، لیکن ہم ان سے محبت کرتے ہیں، صرف ان کے کمالات کی وجہ سے ہم حاتم طائی سے محبت کرتے ہیں، اس کی سخاوت کی وجہ سے ہم نوشیرواں سے محبت کرتے ہیں، اس کے عدل وانصاف قائم کرنے کی وجہ سے ہم.......... محبت کرتے ہیں ان کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے۔ تو ہم اس ذات اقدس سے کیوں محبت نہ کریں، جس ذات کے اندر تمام کمالات کامل درجہ کے تھے، ان لوگوں کے اندر جو کمال پایا جاتا تھا وہ ناقص بل کہ انقص تھا۔

مگر ہمارے پیغمبر کا ہر کمال کامل تھا، میں حاتم طائی کی سخاوت کو مانتا ہوں، مگر حاتم طائی کی سخاوت اس ذات اقدس کی سخاوت کے ساتھ کیسے مقابلہ کر سکتی ہے، جس نے دوستوں اور دشمنوں دونوں کو فائدہ پہنچایا، جس نے دوستوں کے ظاہر و باطن کو مالا مال کیا، جس ذات کی زبان پر کلمۂ شہادت کے لا کے علاوہ لا نہیں آیا۔ حاتم طائی کی سخاوت، حاتم طائی کی سخاوت تو اِس دنیا سے چلے جانے کے بعد ختم ہوگئی، مگر قربان جاؤں اس ذات اقدس پر، کہ جس کی سخاوت کا سلسلہ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی جاری ہے، جو اپنی امت کو دنیا میں نوازتا رہا، کل آخرت میں بھی انشاء اللہ العزیز اپنی امت کو نوازے گا۔

میں نوشیرواں کے عدل وانصاف کو مانتا ہوں مگر نوشیرواں کے عدل وانصاف کو اس رسول ہاشمی کے عدل وانصاف سے کیا موازنہ کیا جائے ،جس نے عرب کے انتقامی امر اور ظالمانہ ماحول میں بھی عدل وانصاف کے میٹھے چشمے جاری کیے ،جس ذات نے یہ اعلان کیا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا،جس ذات نے بدلہ لینے کے لیے اپنی کمر بھی عام امت کے سامنے ننگی کردی تھی ۔اوراس کے غلاموں نے قیصر وکسریٰ کے ظلم واستبداد کا خاتمہ کر کے میزان عدل قائم کیا۔

وہ کون سی صفت ہے جومحبوب رب العالمین میں نہیں تھی ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس برس تک رہا،مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اُف تک نہیں کہا۔اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ انس ،تونے یہ کام کیوں نہیں کیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کی یہ انتہا تھی کہ ماں عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بعض دفعہ گھر میں ایک ایک ہفتہ تک چولہا نہیں جلتا تھا،مگر پھر بھی آپ انتہائی صبر کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا یہ عالم تھا کہ دوست تو دوست ،دشمنوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا اقرار کیا۔

ایک مرتبہ جنگ بدر میں اخنس ابن شریق ابوجہل سے پوچھتا ہے کہ: اے ابوجہل یہاں پر میرے اور تیرے سوا تیسرا کوئی نہیں ہے،سچ بتانا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے یا جھوٹا۔تو ابوجہل کہتا ہے کہ اے اخنس محمدؐ سچا ہے اور محمدؐ سچائی کو بیان کرتا ہے،غلط بیانی کبھی نہیں کرتا۔

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو ودرگزر کی یہ انتہاء تھی کہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خون کے پیاسوں کو،جنہوں نے امام المؤذنین حضرت بلال حبشیؓ کے سینے پر پتھر رکھ کر ان کو تڑپایا تھا، جن سنگ دل انسانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کوشہید کر کے ان کا کلیجہ چبایا تھا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی ناک کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا،مگر پھر بھی آپؐ نے سب کو معاف کر دیا۔اور یہ اعلان کیا کہ اے قریش مکہ! آج میں تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔

میرے دوستو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے،تو ہم کو اس ذات اقدس سے محبت کیوں نہیں کرنی چاہئے ،اسی بات پر میں اپنی تقریر کو اختتام کے سپرد کرتا ہوں، اللہ رب العزت ہم تمام واعظین وسامعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق بنائے اور آپؐ سے محبت کرنے والا بنائے۔آمین! وما توفیقی الا باللہ

اسلام اور دہشت گردی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ۔أمَّا بَعْدُ:

فَأعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إلَّا بِالْحَقِّ. وقال النبي صلى الله عليه وسلم اَكْبَرُ الكَبَائِرِ اَلإشرَاكُ بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَولُ الزُّوْرِ۔

رلاتی ہے تیری حالت اے مسلماں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

برادرانِ ملت اور حاضرینِ مجلس!

آج آپ ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں سنتے ہیں کہ فلاں جگہ دہشت گردی ہورہی ہے، فلاں جگہ دہشت گردی پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے، آج دہشت گردوں نے اتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اتنے لوگوں کی جانیں ضائع ہوگئیں، اتنے املاک برباد ہوگئے۔ اور ان سارے جرائم کا مجرم اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کو قرار دیا جارہا ہے، میں اس مختصر وقت میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دہشت گرد کون ہیں؟ پوری دنیا میں دہشت گردی پھیلانے والے کون ہیں؟ دنیا کے امن وامان اور چین وسکون کو چھیننے والے کون ہیں؟ روئے زمین کے باشندوں کی نیندیں کس نے حرام کررکھی ہے؟ کیا اس کے ملزم واقعتاً اسلام اور اسلام کے نام لیوا ہیں۔ یاد رہے یہ وہ کسی کی سوچی سمجھی سازش نہیں ہے؟

دوستو اور اسلام کے پروانو!

اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ:
امن وشانتی کی دعوت دی ہے۔ صلح وآشتی کی دعوت دی ہے۔
آپسی محبت والفت کی دعوت دی ہے۔ اخوت وبھائی چارگی کی دعوت دی ہے۔ میل

ملاپ اور خیر سگالی کی دعوت دی ہے۔نصیحت وخیر خواہی کی دعوت دی ہے۔ظلم و زیادتی سے روکا ہے۔فتنہ وفساد سے روکا ہے۔حق تلفی اور حق مارنے سے روکا ہے۔خواہ مخواہ کے نزاعات سے روکا ہے۔

اسلام کے عدل وانصاف اور دعوت امن وشانتی کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم قبل از اسلام کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں کہ اسلام سے پہلے دنیا کیسے کیسے حالات سے گذری ہے۔

دوستو! چھٹی صدی عیسوی میں دنیا بڑی اضطرابی اور بے قراری کی حالت میں اپنے لمحات گزار رہی تھی۔ ہر طرف فتنہ وفساد پھیلا ہوا تھا۔ دوسروں پر ظلم وزیادتی کرنے کو اپنی بڑائی کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ دوسروں کے حقوق کو دبانا، ایک قابل فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک بادشاہ کا دوسرے بادشاہ کے ملک میں داخل ہوکر، خون خرابہ کرنا ایک قابل قدر کارنامہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ غریب ونادار اور معذور لوگوں کو معاف تک نہیں کیا جاتا تھا۔ شیر خوار بچے کو دیوار پر زور سے مارا جاتا جس سے بچے کا بھیجا نکل کر باہر آجاتا تھا۔

قیصر و کسریٰ کی تاریخ کسے معلوم نہیں
روم و ایران کی ویرانی کسے یاد نہیں
بخت نصر کے قتل عام سے کون واقف نہیں
جنگ کلاب کی بے دردی سے کون آشنا نہیں

الغرض: پوری دنیا میں فساد ہی فساد پھیلا ہوا تھا۔ چاہے روم ہو یا ایران، پاکستان ہو یا ہندوستان، یورپ ہو یا ایشیا۔ روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا، جہاں لوگ امن وشانتی کی زندگی بسر کر رہے ہوں، اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے کہا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾

ایسے خطرناک اور تاریک ترین حالات میں اسلام کا ظہور ہوتا ہے، اور اس مضطرو پریشان دنیا کو، حقوق انسانی کا پیغام سناتا ہے، امن وشانتی کا پیغام سناتا ہے، صلح وآشتی کا پیغام سناتا ہے۔

اسلام کہتا ہے صلح جنگ سے بہتر ہے، چاہے جھک کر ہو، صلح حدیبیہ کی تاریخ کسے یاد نہیں، مسلمانوں کو کس طرح اثنائے سفر راستہ میں روکا گیا۔ قرآن کریم کہتا ہے ناجائز کسی کو قتل

کرنا جائز نہیں، کسی کے املاک کو ہلاک کرنا جائز نہیں، کسی پرظلم وزیادتی کرنا فساد اور دہشت گردی ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد اور دہشت گردی کو پسند نہیں فرماتا۔ قرآن کریم کی ایک آیت امن کی دعوت دیتی ہے، اور دہشت گردی سے روکتی ہے۔ لیکن آج میڈیا کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، اسے دنیا والوں کے سامنے بدنام کیا گیا۔ جو امن وشانتی کا داعی تھا ،اسے دنیا کے سامنے مجرم بنا کر پیش کیا گیا، لوگوں کو اس سے نفرت دلائی گئی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا ،جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اسلام کو بدنام کرنے والو! اگر اسلام ایک دہشت گرد مذہب ہے:

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟
علی حیدر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟
خلافت بنی امیہ کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟
مغلیہ سلطنت کے زمانے میں دہشت گردی کیوں نہیں؟

جب کہ ان کے پاس اس وقت طاقت وقوت تھی، وہ دنیا کو تہہ وبالا کر سکتے تھے۔ لیکن آج جب کہ وہ کمزور ہو چکے ہیں، ان کی حکومتیں ختم ہو چکی ہیں، وہ محکومی اور مفلوک الحال زندگی بسر کر رہے ہیں، ان پر دہشت گردی کا الزام کیوں لگایا جا رہا ہے، کیا اس کے پیچھے کوئی سوچی سمجھی سازش اور طے شدہ پلاننگ تو نہیں ہے؟ روئے زمین کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، مسلمان عورتوں کی عفت اور عصمت کو پامال کیا گیا، ان کی آبروریزی کی گئی، ان کے دامنِ حیا کو تار تار کیا گیا اور کیا جا رہا ہے، لیکن کہیں سے اس کی بندش اور روک تھام کی آواز نہیں اٹھ رہی ہے۔ میڈیا میں کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ ان پرظلم وزیادتی ہو رہی ہے۔ ان کے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں۔ یہودی اور عیسائی کے لعابِ دہن کی قیمت ہے، مسلمانوں کے خون کی کوئی قیمت نہیں، اور اس پرظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ میڈیا میں اسے مجرم وخطاکار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

لہٰذا پہلے یہ طے کرو کہ دہشت گردی کسے کہتے ہیں؟ کیا جان ومال کی حفاظت کا نام دہشت گردی ہے؟ عزت وآبرو کی حفاظت کا نام دہشت گردی ہے؟ اپنے وطن سے محبت رکھنے کا نام دہشت گردی ہے؟ اپنے وطن پر قربان ہونے کا نام دہشت گردی ہے؟ جائز حقوق کے مطالبہ کرنے کا نام دہشت گردی ہے؟ ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھانے کا نام دہشت گردی ہے؟ دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کا نام دہشت گردی ہے؟

اگر تم اسی کو دہشت گردی کہتے ہو تو ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہم دہشت گرد ہیں۔

لیکن دہشت گردی اسے نہیں کہا جاتا بلکہ کسی کی حریت وآواز کے سلب کرنے کا نام دہشت گردی ہے، کسی کے انسانی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا نام دہشت گردی ہے۔

آو! اسلام پر دہشت گردی کا بہتان لگانے والو اب بتاؤ کہ:

بوسنیا میں دہشت گردی کس نے پھیلائی؟ بلقان میں دہشت گردی کس نے پھیلائی؟ سوڈان میں دہشت گردی کس نے پھیلائی؟ ابھی حال ہی میں افغانستان میں دہشت گردی کس نے پھیلائی، گجرات میں دہشت گردی کس نے پھیلائی؟ فلسطین میں دہشت گردی کس نے پھیلائی؟ کشمیر میں دہشت کس نے پھیلائی؟ سرزمین فلسطین کا چپہ چپہ، گوشہ گوشہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو چکا ہے، لاکھوں عورتوں کی عفت وعصمت پامال ہو چکی ہے، کروڑوں بچے یتیم ہو چکے ہیں، ہزاروں مائیں بیوہ ہو چکی ہیں، کتنے گھر ویران ہو چکے ہیں۔

مسلمانو! میں ان درندے یہودیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اے نام نہاد امن قائم کرنے والو! اگر تم واقعتاً امن قائم کرنا چاہتے ہو تو خود دہشت گردی کرنا چھوڑ دو، دوسروں کی ذلت وآبرو ریزی کرنا چھوڑ دو۔ دنیا میں امن قائم ہو جائے گا، دنیا سے دہشت گردی ختم ہو جائے گی۔ لوگ امن وسکون کی زندگی بسر کریں گے۔ یہی دہشت گردی کے خاتمہ کا اصل علاج ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور دنیا کے تمام مسلمانوں کو دہشت گردی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وما علینا الا البلاغ

دورِ حاضر میں علمائے کرام کی ذمہ داریاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّین ۔ أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰانِیُّونَ وَالأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الاثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوا یَصْنَعُون۔ صدق اللہ العظیم۔

صدرِ محترم و معزز سامعین کرام! آج کے اِس پُر نور اجلاس میں، آپ حضرات کے سامنے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور میری یہ جرأت نہیں کہ میں آپ جیسے مقتدائے قوم وملت کے روبرو لب کشائی کرسکوں، کیوں کہ یہ تو وہی ’’چھوٹا منہ بڑی بات والی‘‘ کہاوت ہوجائے گی۔ مگر فضل خداوندی سے آپ حضرات کے روبرو یہ حقیر وفقیر بندہ کچھ جراءت گفتار کی جسارت کرنے جارہاہے اس دعا کے ساتھ ۔

کہ یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ جو دل پر اثر کرے

میرے عزیز ساتھیو! آج میرا عنوان ہے’’علمائے کرام کی ذمہ داریاں‘‘ ۔ یہ ایک ایسا ہمہ گیر عنوان ہے جس کے تحت ایک دن کی کہانی، ایک ہفتہ کی داستان، ایک سال کا افسانہ اور ایک صدی کا نشیب وفراز سب کچھ آجاتا ہے، اگر دیکھا جائے تو ہماری شان وشوکت اور ترقی کا راز اس میں مضمر ہے۔ میں نے خطبہ میں جس آیتِ کریمہ کا انتخاب کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کو ڈانٹ پلائی ہے۔

﴿لَوْلا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰانِیُّونَ وَالأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الاثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوا یَصْنَعُون﴾ ترجمہ: ان کے علماء اور پیشوا اوران کے مقتدا ان کو بری باتوں سے اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے ؟ بہت برا ہے وہ عمل جس کو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

اور یہ آیت ہم سب کو سبق اور دعوتِ فکر دیتی ہے اور یاد دلاتی ہے کہ اللہ نے ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کی ہے۔ وہ یہ کہ ہم امت کی اصلاح کی فکر کریں، اب نبیوں کا سلسلہ بند ہو

گیا، رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں، تو بتاؤ! اب امت کی اصلاح کی فکر کون کرے گا؟ معاشرے سے فساد کو ختم کون کرے گا؟ آپ کو اندازہ نہیں کہ معاشرہ کس قدر بگڑ چکا ہے، وہ کون سے زہریلے جراثیم ہیں جو ہمارے ماحول میں موجود نہیں، بد دینی ہمارے اندر پھل پھول رہی ہے، بے حیائی ہمارے نوجوانوں کی بدولت پروان چڑھ رہی ہے، سستی اور کاہلی پر ہم فدا ہیں، شراب ہماری گھٹی میں پڑی ہے، قمار بازی اور حرام خوری ہماری فطرت ثانیہ بن چکی ہے، اسراف مسلمانوں کا شیوہ بن چکا ہے، گھر پھونک کر تماشہ دیکھنا ہماری علامت قرار پایا ہے، معاشرے کے فساد کے تسلسل کا یہ عالم، کہ صدیوں پہلے خواجہ شیرازیؒ نے کہا تھا ؎

این چہ شور یست کہ در دورِ قوم قمری بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ، شر می بینم

ترجمہ: میں اس دور میں یہ شور و شغب کیا دیکھ رہا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ پوری دنیا فتنہ و فساد سے بھر چکی ہے۔

سامعین کرام! مسلم معاشرے کی زبوں حالی بھی عجیب و غریب ہے۔ اس نے عروج و زوال کا دستور بدل کر رکھ دیا، ہر شبِ تاریک کے بعد فجر کا سپیدۂ نور برآمد ہوتا ہے، ہر چمن، خزاں کا ستم سہنے کے بعد بہار کی نعمت سے مالا مال ہوتا ہے، ہر سمندر میں موج کے بعد طوفان آتا ہے، ہر سال دریا اترتا اور چڑھتا ہے لیکن واحسرتاہ! جب سے ہمیں خزاں لگی بہار چکھنی نصیب نہیں ہوئی، جب سے ہمارا دریا اترا چڑھنے کا نام نہیں لیا۔ صدیاں گزر گئیں، ملتِ اسلامیہ سسک رہی ہے، تڑپ رہی ہے، خون کے آنسو بہا رہی ہے، ہلاکت کے دہانے پر کھڑی ہے، کوئی ان کی رہنمائی کرنے والا نہیں، کوئی ان کی دست گیری کرنے والا نہیں۔

ملتِ اسلامیہ کے پاسبانو! غفلت کے پردے کو چاک کرو، اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرو، اپنے اندر خواجہ معین الدین چشتی کا دردِ جگر پیدا کرو، مولانا قاسم نانا توئیؒ کا عزم و استقلال، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فقاہت، عطاء اللہ شاہ بخاری کا طرزِ خطاب پیدا کرو۔ اور جامع کمالات بن کر امت کی دست گیری اور رہنمائی کرو، امت کی کشتی بھنور میں ہے مغربی طوفان کے زد میں ہے، آپ ہی کشتی کو ساحل سے لگا سکتے ہیں، آپ کی حیثیت ملاح کی ہے، آپ ناخدا ہیں، اگر آپ نے بے التفاتی کی تو یاد رکھئے پوری امت کی کشتی غرقِ آب ہو جائے

گی، آپ کو اندازہ نہیں کہ امت کن حالات سے دو چار ہے۔ اور کس لادینیت کی زندگی گذار رہی ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو کلمہ پڑھنا نہیں جانتے۔ کتنے لوگ بغیر کلمہ کے ہی اِس دنیا سے جا رہے ہیں۔ میں یہ افسانہ نہیں سنا رہا ہوں۔ یہ کوئی گیت نہیں گا رہا ہوں۔ بل کہ میں اپنے دل کا دکھڑا سنا رہا ہوں۔ زندگی کے تجربات بیان کر رہا ہوں۔ کیا یہ رونے کا مقام نہیں ہے؟ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے؟ کہ ہمارے رہتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی دنیا سے بغیر کلمہ کے جا رہا ہے۔ لعنت ہے ہماری اس زندگی پر جو کسی کے کچھ کام نہ آسکے۔ ہم کیسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا چہرہ دکھائیں گے، ہم کیا جواب دیں گے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ بتا ظالم جس کلمہ کے لیے میرا جسم طائف کی گلیوں میں لہولہان ہوا تھا۔ جس کلمہ کے لئے مجھے مکہ سے نکالا گیا تھا، جس کلمہ کے لئے میری بیٹی زینب کی شہادت ہوئی تھی۔ جس کلمہ کے خاطر میرے چچا حضرت حمزہ کی شہادت ہوئی تھی۔ جس کلمہ کے خاطر میرے صحابہ نے بیویوں کو اور بچوں کو یتیم کیا تھا، جس کلمہ کے لیے مجھے گالیاں دی گئی تھیں، مجھ پر تھوکا گیا، مجھ کو شعب ابی طالب میں بند کیا گیا تھا، ظالم جب اس کلمہ کی اشاعت کا وقت آیا تو تو نے کیا کیا بتاؤ! اس وقت ہم کیا جواب دیں گے۔ ذرا تیار رہئے گا۔

آج ہم جبہ ودستار پہن کر منبروں پر، کرسیوں اور اونچے اونچے اسٹیج پر بیٹھ کر خطاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں امت میں فساد آ گیا، امت میں بگاڑ آ گیا لیکن ہم یہ بالکل نہیں سوچتے کہ یہ بگاڑ کہاں سے اور کیسے آیا؟ اپنے گریبانوں میں جھانک کر نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم کتنے شریعت کے پابند ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا کہ اس امت میں فساد اور بگاڑ اس وقت آئے گا جب کہ امت کے علماء میں فساد آئے گا اور جب تک امت کے علماء راہِ راست پر ہوں گے اس وقت تک یہ امت فساد کا شکار نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ؎

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر، بتا یہ قافلہ لٹا ہے کیوں
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

علمائے دیوبند اور عشق رسول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن. اَمَّا بَعْدُ !

قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء صدق الله العظیم.

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کو
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہوتو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

قابلِ صد تکریم سامعین کرام اور مہمانان عظام!

آج میں اُن یارانِ باصفا، شہیدان عشق ووفا، وارثانِ بلال اور عُشّاقِ نبی کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کا قلب وجگر نبی کی عظمت سے معمور تھا، جن کا دل عشق نبی سے سرشار تھا، جن کے چہرے پر عزم واستقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں، جنہوں نے اہلِ جہاں کو عشق نبی کا درس دیا، صنف انسانی کو محبت کا پیغام سنایا، جنہوں نے امت کو نبی سے پیار کرنا سکھایا، عشق نبی کا طریقہ بتایا، محبت نبی کا راستہ دکھلایا جن کو دنیا علمائے دیوبند کہتی ہے۔

لیکن میرے عزیز دوستو! میں حیرانیت کے اتھاہ سمندر میں غرق اور سرگرداں و پریشان ہوں کہ اِس قلیل وقت میں ایسے عظیم الشان وسیع وبسیط موضوع پر کس طرح لب کشائی کرسکوں، جس کا غیروں نے بھی کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے، ان کے کن کن گوشوں کو نوک زبان پر لاؤں، ان کی کن کن خوبیوں کو بیان کروں اور کن کن خصوصیات کو نظر انداز کروں، ان کی

عشق نبی کے واقعات کی سیر کراؤں یا ان کے مجاہدانہ کردار کی روداد سناؤں، عشق نبی سے سرشار مولانا قاسم نانوتویؒ کے سفرِ حج کی منظر کشی کروں یا روضۂ اطہر پر مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دورۂ حدیث کی جھلک دکھلاؤں، عشق نبی سے بے تاب مولانا گنگوہی کے دل کا تذکرہ کروں یا جنگ آزادی کے موقع پر علمائے دیوبند کے عشق نبی کی تاریخ بتاؤں۔

کیا کیا بتاؤں اور کہاں تک بتا سکتا ہوں، خدارا جاؤ اگر تم سے ہو سکے تو علمائے دیوبند کے عشق نبی کی داستان تاریخ کے اوراق سے پوچھو، مکہ کی گلیوں اور مدینہ کے ریگستانوں سے پوچھو۔ بالاکوٹ کی پہاڑیوں اور مالٹا کے قید خانوں سے پوچھو، یہ سب تمہیں علمائے دیوبند کے عشق نبی کے نغمے سنائیں گے، جنہوں نے عشق نبی کی خاطر اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کر دی، حق تو یہ ہے کہ اگر سرزمین دیوبند پر علمائے دیوبند کی شکل میں احسان خداندہ ہوتا تو عشق نبی کا طریقہ معلوم نہ ہوتا، محبت نبی کا وجود نہ ہوتا، اگر علمائے دیوبند نہ ہوتے تو ہمیں نبی سے پیار کرنا نہ آتا، نبی کو اپنے سینوں میں بسانا نہ آتا، نبی سے چمٹنا نہ آتا۔

دوستو! حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی ہستی سے کون ناواقف ہے، انہیں کون نہیں جانتا جو علمائے دیوبند کے سب سے بڑے لیڈر، سب سے بڑے قائد اور سب سے بڑے راہنما ہیں، جب بیت اللہ حج کرنے جاتے ہیں تو مدینہ سے سات میل پہلے ہی اپنا جوتا اتار لیتے ہیں کسی نے کہا حضرت! یہ پتھریلی زمین ہے، پیروں میں پتھر لگیں گے، پیروں کو تکلیف ہوگی، پیروں میں زخم آجائے گا، فرمایا! پتھروں اور زخم کی کوئی بات نہیں، میں جوتا اس لیے اتارتا ہوں کہ شاید آج سے چودہ سو سال پہلے اس سرزمین پر رسول اللہ کے نبوت والے قدم آئے ہوں، نانوتوی کا گستاخ جوتا کہیں رسول اللہ کے قدموں پر نہ آجائے اللہ اکبر کیا عشقِ رسول تھا۔

اور ایک موقع پر مولانا نانوتویؒ کو انگریز گرفتار کرنے کے لیے آئے تو تین دن روپوش ہو کر باہر نکل گئے، کسی نے کہا حضرت! آپ تین دن کے بعد باہر نکل آئے ابھی تو آپ پر وارنٹ باقی ہے۔ انگریز آپ کو پھانسی دے دے گا حضرت نانوتویؒ نے عجیب بات بیان فرمائی، فرمایا کہ میں تین دن گرفتاری کے خوف سے نہیں چھپا تھا، مجھے جان کا کوئی خطرہ نہیں، مجھے جان کی کوئی پرواہ نہیں، اِس کا کوئی غم نہیں کہ انگریز پکڑے یا پھانسی دے دے، میں اب ہرگز روپوش نہیں ہو سکتا اور فرمایا کہ خدا کی قسم! تین دن بھی میں روپوش نہ ہوتا اگر غار میں میرا پیغمبر تین دن نہ رہا

ہوتا، کہیں پیغمبر کی یہ سنت نہ چھوٹ جائے۔ اللہ اللہ کیا عشق تھا رسول کا، کیا جذبہ تھا اتباع سنت کا، کیا شوق تھا تقلید پیغمبر کا۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی آخر وہ کون سی محبت تھی حضور کی، جس نے مولانا نانوتویؒ کو نبی کا دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ قاسم نانوتویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدینہ منورہ میں عجیب اشعار کہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے باہر کھڑے ہیں، کسی نے کہا اندر نہیں جاتے؟ فرمایا ابھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، جب اندر گئے تو مسکراتے ہوئے باہر آئے کسی نے پوچھا، کیا ہوا فرمایا:

میرے آقا کا تو مجھ پہ اتنا کرم تھا — کہ بھر دیا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنا کرم کیوں، یہ کیا سلسلہ ہے — نشہ رنگ لایا، پلانے سے پہلے

اور حضرت نانوتویؒ نے روضہ کو خطاب کر کے کہا تھا:

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ، میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی، نہ تجھ سے میں جدا ہوتا

شیدائیانِ رسالت کے پروانو! قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عشق نبی کو کن الفاظ میں بیان کروں، جن کے رگ و ریشہ میں شہنشاہِ کونین کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جن کا چلنا عشق نبی، جن کا بیٹھنا عشق نبی، جن کا بولنا عشق نبی، جن کی ہر صبح و شام اور جن کا ہر لمحہ عشق نبی سے لبریز تھا، اور جن کے ہر قول و فعل سے عشق رسول ٹپکتا تھا۔

چناں چہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ سے واپسی پر گنگوہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے خیریت و عافیت کے بعد پہلا سوال کیا:

''کیا کچھ حجرہ شریفہ کا غبار بھی لائے ہو''

ہائے ہائے کیسے معلوم اِس جملہ میں کس قدر بے قراری چھپی ہوئی ہے اور جب حجرہ شریفہ کا غبار، زمزم اور کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ نے غبار کو سرمہ میں ڈبو دیا جس کو روزانہ آپ استعمال فرماتے، اور مدینہ کی کھجوریں جب تقسیم کی گئیں تو فرمانے لگے اِن کھجوروں کی گٹھلیوں کو زمین پر نہ گراؤ، یہ کھجوریں بہت برکت والی ہیں، ان تمام گٹھلیوں کو ہاون دستہ میں کٹوا کر رکھ لیا صبح

اٹھ کر روزانہ اس میں سے ایک چٹکی پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے کہا حضرت، گٹھلیوں کے اس برادے میں کیا رکھا ہے؟ فرمانے لگے تم گٹھلیوں کی بات کرتے ہو، میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا نے مدینہ کی مٹی میں شفا رکھی ہے۔

بعض مخلصین نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے ارسال کیے، حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نگاہ سے انہیں دیکھا اور بصد خوشی قبول کرتے ہوئے انہیں بوسہ دیا، حاضرین نے ان کپڑوں کے ساتھ اس درجہ عظمت و وقعت کا معاملہ دیکھ کر عرض کیا حضرت! یہ کپڑے تو یورپ کے بنے ہوئے ہیں، اُن کپڑوں کا بنانے والا اللہ کا دشمن ہے، تاجر اسے مدینہ لایا اور وہاں فروخت کر دیا دوسروں نے اسے خرید لیا۔ اس میں تبرک کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ حضرت گنگوہیؒ نے جو جواب دیا اس نے حاضرین پر یک لخت سکوت طاری کر دیا، حضرت نے فرمایا، مجھے معلوم ہے کہ یہ کپڑے یورپ کے بنے ہوئے ہیں، ان کپڑوں کا بنانے والا اللہ کا دشمن ہے۔ قرآن کا دشمن ہے، اسلام کا دشمن ہے، پیغمبر کا دشمن ہے۔ مگر یہ کپڑے قابل احترام اس لیے ہیں کہ ان کپڑوں کو مدینہ کی ہوا لگ چکی ہے،...... ہائے ہائے! اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے۔

ایک مرتبہ مولانا رشید گنگوہیؒ حدیث کا درس دے رہے تھے، اتنے میں بارش آ گئی، طلبہ حدیث پڑھ رہے ہیں اور حضرت حدیث پڑھا رہے ہیں، بارش آ گئی، بارش کی وجہ سے تمام طلبہ اپنی اپنی کتابیں لے کر اندر چلے گئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنی پگڑی بچھائی اور اس میں طلبہ کی جوتیاں ڈالنے لگے، لوگوں نے کہا حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا! میں جوتیاں اس لیے اٹھا تا ہوں کہ تم شہنشاہ کون و مکاں، سپہ سالار بدر و حنین، تاجدار مدینہ جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھتے ہو میں تمہاری جوتیاں نہیں اٹھا رہا ہوں بل کہ میں رسول اللہ کے مہمانوں کی جوتیاں اٹھا رہا ہوں،.......... اللہ اکبر۔

یہ ہے عشق رسول اور عشق نبی، یہ ہے نبی کی محبت اور اس سے پیار، یہ ہے علمائے دیوبند اور عشق رسول۔

عشق رسول کا سبق علمائے دیوبند کی جماعت نے دنیا کو دیا، اگر قاسم نانوتویؒ اور رشید احمد گنگوہیؒ کا قافلہ ہندوستان کی سرزمین پر نہ ہوتا تو خدا کی قسم ہمیں عشق رسول کا معنی سمجھانے والا

کوئی نہ ہوتا۔

اولئک آبائي فجئني بملثهم اذا جمعتنا يا جرير المجامع

دوستو! آج کی اس نام نہاد دنیا میں عشق رسول کا دعویٰ کرنے والے تم کو ہزاروں کی تعداد میں مل جائیں گے۔

محبتِ نبی کا دعویٰ کرنے والے...... ہزاروں مل جائیں گے۔ اتباع نبی کا دعویٰ کرنے والے...... ہزاروں مل جائیں گے۔ عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرنے والے...... ہزاروں مل جائیں گے۔ نبی کے نام پر مر مٹنے کا دعویٰ کرنے والے...... ہزاروں مل جائیں گے۔

مگر ہمیں بتاؤ تو سہی کہ ان کے دعووں میں کتنی صداقت ہے، ان کے دعووں میں کتنی سچائی ہے، ان کے دعووں میں کتنی حقانیت ہے، ان کے دعووں کے علم بردار کتنے عاشق رسول ہیں۔ کیا ان کی زبان سے اتر کر ان کے دلوں میں بھی کوئی اثر ہے، کیا واقعۃً اپنے دعوے میں سچے ہیں؟

نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ اپنے دعوے میں کبھی سچے نہیں ہو سکتے، یہ مکار ہیں، جھوٹے ہیں، فریب کار ہیں، عوام کو دھوکہ دینے اور ایمان کا سودا کرنے والے ہیں۔

اس لیے کہ اگر عشق رسول نام ہے اس کا کہ جو چاہے قبروں پر چادر چڑھا لے، جو چاہے قبروں پر بتیاں سلگا لے، جو چاہے قبروں پر عرس لگا لے، جو چاہے قبروں پر ناچ، گانا، قوالی کی محفل سجا لے، جو چاہے قبروں پر جھوم جھام کر نبی کی تعریف کر لے، نبی کی تعریف میں چند اشعار کہہ دے۔ اگر عشق نبی اسی کا نام ہے تو ایسے عشق نبی کو ہم تمہارے منہ پر مارتے ہیں۔ ایسے عشق کو ہم دور سے ہی سلام کرتے ہیں۔ ایسا عشق تم کو ہی مبارک ہو۔

ہمیں عشق رسول چاہیے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی طرح، قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی طرح، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی طرح، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی طرح، بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ کی طرح، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرح، اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں پر سیکڑوں رحمتیں نازل کرے۔ جو نبی کے سچے دیوانے تھے، جو عشق نبی سے بھرے ہوئے پیمانے تھے۔

جنہوں نے عشق نبی کی خاطر اپنی جان، اپنا مال اور متاعِ عزیز سب کچھ قربان کر دیا تھا اور اگر تمہیں ہماری ان باتوں پر یقین نہیں ہے تو پھر آج سے ایک صدی قبل ہندوستان کی تاریخ اٹھا کر دل کی آنکھوں سے دیکھو!

دیوبند کی سرزمین پر ایک شخص ہے جس کو شیخ محمود الحسن کہا جاتا ہے، جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ظلم واستبداد کو روکنے اور اسلام کے تحفظ کی خاطر ریشمی رومال کی تحریک چلائی تھی، جب اُن کا ۱۹۲۱ء میں شہر دہلی میں حکیم اجمل خان کے یہاں انتقال ہوا، جنازہ دہلی سے دیوبند لایا گیا، غسل کرانے کے لئے تختہ پر لٹایا گیا اور کمر سے کپڑا ہٹایا گیا تو کمر پر ہڈیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں تھی، یہ منظر دیکھ کر لوگوں کا دل دہل اٹھا، لوگ رو پڑے،...... مولانا حسین احمد مدنیؒ، جو حضرت شیخ الہند کے خاص شاگرد تھے، جنہوں نے اپنے استاذ کے ساتھ قید وبند کی بے پناہ مصیبتیں برداشت کی تھیں، وہ اُس وقت دار العلوم کلکتہ میں حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے، جب وہ دیوبند آئے تو لوگوں نے ماجرا بیان کیا اور پوچھا کہ حضرت شیخ الہند کی کمر پر ہڈیوں کے علاوہ گوشت کا نام ونشان نہیں تھا اس کی کیا وجہ ہے؟ مولانا مدنی رو پڑے اور فرمایا: ہمارے استاذ شیخ الہند نے اِس راز کو فاش کرنے سے منع کیا تھا، مالٹا کی جیل میں انگریز میرے استاذ حضرت شیخ الہند کو تہ خانہ میں لے جاتا تھا اور کپڑے اتار کر گرم سلاخوں سے شیخ الہند کی کمر کو داغتا اور کہتا تھا محمود الحسن! انگریز کے حق میں فتویٰ دے دے، حضرت شیخ الہند بے ہوش ہو جاتے، جب بھی ہوش آتا فرماتے، انگریز! میں بلال کا وارث ہوں، میری چمڑی پگھل تو سکتی ہے، اسلام کی خاطر میری چمڑی ادھڑ تو سکتی ہے، مگر میں تمہارے حق میں کبھی فتویٰ نہیں دے سکتا!

سکوت آموز طول داستانِ درد ہے، ورنہ زباں بھی ہے ہمارے منہ میں، اور تابِ سخن بھی

دوستو! شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اللہ ان کی قبر پر سیکڑوں رحمتیں نازل کرے، جنہوں نے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کے مشن کو آگے بڑھایا اور شاگردیت کا حق ادا کر دیا، ہائے ہائے شیخ الہند کو مولانا مدنی کی شکل میں ایک عجیب خدا ترس وفادار شاگرد ملا تھا، دنیا میں ہمیشہ ساتھ رہے اور کوئی مزار قاسمی دیوبند جا کر دیکھے تو مرنے کے بعد بھی حضرت مدنی کو اپنے استاذ کی معیت نصیب ہوئی ہے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے روضۂ اطہر پر بیٹھ کر اٹھارہ سال تک حدیث کا درس دیا اور

پینسٹھ ہزار شاگرد پیدا کیے۔ جب مولانا کو مالٹا کے لیے نظر بند کیا جانے لگا تو مولانا مدنی نے حضور کے روضہ کو خطاب کر کے کہا تھا ۔

چمکتا رہے تیرے روضہ کا منظر
سلامت رہے ،تیرے روضہ کی جالی
ہمیں بھی عطا وہ شوق ابو ذر
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذبۂ بلالی

اور ۱۹۲۶ء میں مولانا حسین احمد مدنی کو جب کراچی کے کابینہ ہال میں انگریز جج کے سامنے پیش کیا گیا، انگریز جج نے مولانا کو مخاطب کر کے کہا، حسین احمد! کیا تم نے فتویٰ دیا ہے کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے، مولانا نے بڑے صبر واستقلال کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں ہاں! میں نے کل بھی فتویٰ دیا تھا اور آج بھی میرا یہی فتویٰ ہے کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے، مولانا محمد علی جوہر جو اس وقت وہیں کابینہ ہال میں موجود تھے، مولانا مدنی نے جب فتویٰ دہرایا تو مولانا محمد علی جوہر نے حسین احمد مدنی کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا حسین احمد! خدا کے لیے آج بیان بدل دو تو مولانا حسین احمد مدنی نے کہا او محمد علی جوہر! آج بیان نہیں بدلا جا سکتا، اگر میں نے آج بیان بدلا تو خدا کی قسم ایمان بدل جائے گا۔

ہائے ہائے کیا عشق رسول تھا۔

شیدائیان رسالت کے پروانو! اُن ہی علمائے دیوبند کی جماعت میں ایک شخص ہیں جن کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ع

جو ''خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر'' کا حقیقی مصداق تھا، جن کے قلب وجگر، رگ وریشے میں مسلمانوں کی صلاح وفلاح کی فکر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جنہوں نے امت کے سامنے بکھیر دیا ان کے عشق رسول کی داستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے الفاظ میں سنئے!

''وراثت نبوت یا جذبۂ مجددیت سے جو شفقت علی الخلق اور اصلاح مسلمین کی فکر آپ پر ہمہ وقت مسلط رہتی تھی، اس نے آپ کا سونا جاگنا، رفتار وگفتار، اور آرام وراحت سب کا سب اسی مشغلہ کی نذر کر دیا، جہاں کوئی مسلمانوں پر مصیبت آئی یا کسی پریشانی کی خبر ملی، وہ غم میں اس طرح گھلنے لگتے تھے جیسے کسی شفیق باپ کی صلبی اولاد پر کوئی مصیبت آئی ہو، ایک موقعہ پر

حضرت تھانویؒ نے خود فرمایا:

''مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصور اگر کھانے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے''۔

میرے عزیز دوستو! مولانا الیاس کاندھلویؒ جیسا عاشق رسول کون ہوگا؟ وہ تبلیغی جماعت کا بانی تھا، تبلیغی جماعت کا آدمی تھا وہ رسول اللہ کی سنتوں کا عاشق تھا، دبلا پتلا، انتہائی عاجزی وانکساری والا، جب تبلیغی جماعت کے پہلے پیغام کو لے کر پانی پت پہنچا، لوگوں نے ان کو تھپڑ مارے۔ وہ گر گیا ہوش آیا تو کہنے لگے، لوگو! صرف ایک دفعہ مسجد جانا ہوگا، وہاں جا کر نبی کی بات سننی ہوگی، انہوں نے تھپڑ کھائے، ماریں کھائیں، ماریں کیوں کھائیں؟ اس لیے نہیں کہ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا، اس لیے نہیں کہ بے یار و مددگار تھا، بل کہ ماریں اس لیے کھائیں، کہ کملی والے نے طائف کی گلیوں میں ماریں کھائیں تھیں، اگر کملی والے طائف کی گلیوں میں ماریں نہ کھاتے تو خدا کی قسم الیاس کبھی بھی لوگوں کے تھپڑ نہ کھاتا وہ تو پیغمبر کی سنت پر چلتا تھا، علمائے دیوبند رسول اللہ کی سنت کے اتنے عاشق تھے۔

ہاں ہاں..... مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والا ہر شخص نبی کا سچا عاشق ہوا کرتا ہے، نبی کے نام پر اپنے آپ کو قربان کرتا ہے، علمائے دیوبند چند کوڑیوں کے بدلے کبھی اپنے ایمان کو بیچا نہیں کرتا، ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو ایک دو الیاس نہیں بل کہ سیکڑوں الیاس تمہیں ایسے مل جائیں گے جنھوں نے عشق رسول کی خاطر اپنی جان جاں آفریں کے حوالہ کر دی۔

اٹھائے ورق کچھ لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی علمائے دیوبند کا سچا عاشق بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علم دین کی اہمیت وفضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًا وَّاٰدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِین. اَمَّا بَعْدُ !

قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ أعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَق٥ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِینَ یَعْلَمُونَ وَالَّذِینَ لا یَعْلَمُون٥

علم وہ دولت ہے، جو لٹتی نہیں
خرچ کرنے سے کبھی گھٹتی نہیں
پھر نہ تم کرنا، کبھی اور تشنہ لبی کے شکوے
آج مے خانے کا مے خا نہ اٹھا لاؤں گا

شیدائیانِ اسلام! میں آپ حضرات کے سامنے نہ کوئی لمبی چوڑی تقریر اور نہ ہی وسیع وعریض وعظ کرنے آیا، اس لیے کہ میں کوئی خطیبِ اعظمِ ہند نہیں کہ آپ حضرات کے سامنے لمبا چوڑا خطاب کروں، اور نہ میں کوئی واعظ ہوں نہ مفکر اور نہ کوئی ادیب۔

صرف میں آپ حضرات کے سامنے علم دین کے موضوع پر گفتگو کرنے جا رہا ہوں، میں پوری کوشش کروں گا کہ کوئی گوشہ باقی نہ رہے۔ امید ہے کہ آپ سنجیدگی ومتانت کے ساتھ سماعت فرمائیں گے۔ آپ حضرات نے علمِ دین کی فضیلت واہمیت کو بہت ساری کتابوں میں پڑھا ہوگا اور بہت سارے خطیبوں کی زبان فیض ترجمان سے سماعت فرمایا ہوگا۔

بہت سارے مفکروں، بہت سارے دانشوروں، بہت سارے آدمیوں اور بہت سارے مقرروں سے سنا ہوگا۔

میں بھی آپ حضرات کے روبرو اسی عنوان پر گفتگو کرنے کے ارادہ سے آیا ہوں۔

برادرانِ ملت! علم دو طرح کا ہے، ایک دنیوی اور ایک اخروی۔ علم چاہے دنیوی ہو یا

اخروی۔ انسان کوعزت وفضیلت عطا کرتا ہے، لیکن دنیوی علم صرف دنیا تک ہی محدود رہتا ہے اور اخروی علم انسان کو دنیا وآخرت دونوں جگہ رسوائی وذلت سے نجات دلاتا ہے۔ اور عزت وشوکت عطا کرتا ہے۔

میں آپ سے سوال کرتا ہوں: وہ کون سی شیٔ تھی، جس نے آدمؑ کو ملائکہ سے افضل بنا دیا؟ وہ کون سی شیٔ تھی، جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا دیا؟ وہ کون سی شیٔ تھی، جس کی برکت کی وجہ سے اللہ نے انسان کو خلیفہ بنا دیا؟ وہ کون سی شیٔ تھی، جس کی فضیلت کی بناء پر رب کائنات نے انسان کو اپنا نائب بنایا؟

وہ علم کی دولت ہے۔ جب رب دوجہاں نے قرآن کا نزول فرمایا، تو سب سے پہلے وہ آیت نازل فرمائی جس کا تعلق علم سے ہے یعنی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ﴾۔

اسلام کے پاسبانو! اُخروی علوم کی فضیلت واہمیت آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: اے محمد آپ کہہ دیجیے کہ اہلِ علم اور اہلِ جہل یکساں نہیں ہوسکتے۔ جس طرح توحید وشرک یکساں نہیں ہوسکتے، جس طرح نور اور ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، جس طرح رفاقت وعداوت برابر نہیں ہوسکتے، جس طرح حق وباطل برابر نہیں ہوسکتے۔

اس لیے کہ: توحید کی ضد شرک، ہدایت کی ضد ظلمت، رفاقت کی ضد عداوت، حق کی ضد باطل ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اجتماعِ ضدین محال ہے۔ اسی طرح اہلِ علم اور اہلِ جہل برابر نہیں ہوسکتے۔

ایک حدیث شریف میں محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْكَوكَبِ. عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: کہ دوسرے مومنوں کے مقابلے میں اہلِ علم کے سات سو درجات زیادہ ہوں گے اور ہر درجوں کے درمیان مسافت پانچ سو برس مسافت کے برابر ہوگی۔

برادران اسلام!

لیکن آج کے دور کے مسلمان اپنے بچوں کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھتے ہیں۔اور کم سن بچوں کو افرنگی تعلیمات دیتے ہیں۔یہ صرف شیطان کا فریب ہے۔وہ شیطان مردود، جس نے عہد کیا ہے کہ بنی آدم کو جہنم پہونچائے گا۔وہ شیطان، جو ہمارے دین واسلام کا دشمن ہے۔وہ شیطان، جو ہماری معاشرت کا دشمن ہے۔وہ شیطان، جو ہماری کلچر کا دشمن ہے۔جو ہمارے کردار کا دشمن ہے۔جو ہماری تہذیب وتمدن کا دشمن ہے۔جو ہماری سوسائٹی کا دشمن۔جو ہمارے ایمان واخلاق کا دشمن ہے۔

یہ شیطان، ہمارے ازلی دشمن ہیں، اپنے خوب صورت اور رنگین جال میں پھنسا کر ہمیں تعلیماتِ اسلامیہ سے دور کرنا چاہتا ہے۔

یادرکھیں! اگر ہم اپنے کم سن ومعصوم بچوں کے اگر خیر خواہ ہیں تو اُسے عالم دین بنائیں ،اس لئے کہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

﴿یَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ﴾

زمین وآسمان میں جتنی اشیاء ہیں وہ سب عالم کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں! عالم کے لئے ملائکہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔عالم کے لئے جنات بھی دعا کرتے ہیں۔عالم کے لئے کیڑے مکوڑے بھی دعا کرتے ہیں۔ عالم کے لئے سمندر کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔ عالم کے لئے زمین وآسمان بھی دعا کرتے ہیں۔

اس کے باوجود مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ انگریزوں کے چال وجال میں پھنس کر ہم اپنے دین ومعاشرت کو داغدار کر رہے ہیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہمارا دین صحابہ کے دین کی مانند ہوتا۔ہمارا کردار صحابہ کے کیریکٹر کی مانند ہوتا۔ہماری تہذیب مسلمانوں کی تہذیب ہوتی۔ہماری سوسائٹی اسلام کی سوسائٹی کے مانند ہوتی۔لیکن سب کچھ اِس کے برعکس نظر آتا ہے ؎

سمجھ میں کچھ نہیں آتا زمانے کا حساب الٹا
نصیحت کیجئے جس کو، تو ملتا ہے جواب الٹا

عزیزانِ گرامی!

ابوالاسود دوئلیؒ فرماتے ہیں کہ علم سے زیادہ کوئی شی عزت والی نہیں! بادشاہ لوگوں پر حکومت کرتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حکومت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم نے حضرت سلیمانؑ کو یہ اختیار دیا تھا کہ تین اشیاء میں جس کو چاہیں پسند فرمائیں۔ علم، مال اور سلطنت۔ حضرت سلیمانؑ نے علم کو پسند فرمایا، لیکن خدائے تعالیٰ نے مال وسلطنت کو علم کے ساتھ عطا فرمایا۔

اگر آج ہم اپنے بچوں کو علمِ دین کی تعلیم دیں گے تو آخرت میں یہی بچے ہماری شان وشوکت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

واقعہ: ایک شخص تھا اس کی خواہش وتمنا تھی کہ اس کی اولاد میں کوئی عالمِ دین ہو، لیکن اس کی کوئی اولاد ہی نہیں تھی، جب بیوی حمل سے تھی تو اچانک بیمار ہوگیا اور اسی حالت میں جسم فانی سے اس کی روح پرواز کرگئی، انتقال سے قبل اس شخص نے وصیّت کی تھی کہ اگر اس سے لڑکا پیدا ہو تو اس کو عالمِ دین بنانا، خدا کی قدرت کہ لڑکا ہی پیدا ہوا، اس کے کئی دنوں کے بعد ایک دوسرے شخص نے اس مرنے والے کو عذاب میں دیکھا۔ پھر چند دنوں کے بعد اسی شخص نے مرنے والے کو خواب میں عیش وعشرت کی حالت میں دیکھا، تو خواب دیکھنے والے نے سوال کیا کہ میں نے اِس سے پہلے بھی تم کو دیکھا تھا، جب تم عذاب میں مبتلا تھے، اور اب دیکھتا ہوں کہ شان وشوکت کے ساتھ اپنے لمحات گزار رہے ہو؟ تو اس مرنے والے شخص نے کہا کہ آج میری بیوی نے میرے اُس بچہ کو مدرسہ میں داخل کرایا۔ اور بچہ نے آج ہی بسم اللہ پڑھی، جس کی بنا پر میری مغفرت ہوگئی۔

ملتِ اسلامیہ کے نوجوانو!

اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ اور اپنے بچوں کو دین کی تعلیم دینی چاہئے۔ اس لئے کہ عالم کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بھی افضل ہوتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر علمائے کرام کے قلم کی سیاہی اور شہیدوں کا خون تولا جائے تو سیاہی کا وزن زیادہ ہوجائے گا۔ کیوں نہ ہو؟ علم کی طلب عبادت ہے، علمی گفتگو جہاد ہے، علم تنہائیوں کا ساتھی ہے، علم سفر کا رفیق ہے، علم دین کا رہنما ہے، علم تنگ دستی اور خوش حالی میں چراغِ راہ ہے، علم دل کی زندگی

ہے،علم ہی سے خدا کی عبادت واطاعت کا حق ادا ہوتا ہے،علم امام ہے عمل اس کا مقتدی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُم﴾

ترجمہ:اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کرو،اور تم میں جو اولوا الامر ہو ،ان کی اطاعت کرو۔یہاں پر اولوا الامر سے مراد علمائے دین ہیں۔اس لئے کہ آپ کو حضرت جابرؓ بن عبداللہ،حضرت عبداللہ بن عباسؓ ،حضرت مجاہد،حضرت عطاء بن ابی رباح،امام رازی اور حسنِ بصری کی تفسیر میں یہی ملے گا۔تمام ہی حضرات فرماتے ہیں کہ أُولُوا الأَمْرِ سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔تو پھر عالمِ دین بننے اور علمِ دین حاصل کرنے میں کیوں شرم محسوس ہوتی ہے؟اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شیطان ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے یا ہمارے عزائم اور ارادے کمزور پڑ گئے ہیں۔اس لئے کہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۔

جواں ہوں عزم تو تارے بھی توڑ سکتے ہیں
کٹھن نہیں کوئی کام ،آدمی کے لئے!
قدم چوم لیتی ہے خود بڑھ کر منزل
مسافر اگر ، اپنی ہمّت نہ ہارے

علوم نبوت کے پرستارو!

آج علمِ دین کی اہمیّت ووقعت کو کوئی نہیں پہچانتا۔حالاں کہ علمِ دین اپنی ضیاء پاش کرنوں سے تحریف وتلبیس کے طوفاں کو مٹا دیتا ہے،علمِ دین ہی ایک ایسی ضیاء ہے جس سے رضائے الٰہی کی منزل چمکتی دکھائی دیتی ہے۔آج تک جو ہو گیا سو ہو گیا۔اس لیے کہ ۔

مصیبت کا بھی اک مقصد ہے دنیا کے حوادث میں
کہ اک ٹھوکر لگے اور آدمی ہشیار ہو جائے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں علم دین کی سمجھ اور اس کی اہمیت ہمارے قلوب میں بٹھا دیں۔آمین!

وعلینا الا البلاغ المبین

مدارسِ اسلامیہ اور طلباء کی ذمہ داری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّین۔ أَمَّا بَعْدُ: قال اللہ تبارک و تعالٰی فی القرآن المجید: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الانْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

پگھلنا علم کی خاطر مثال، شمع زیبا ہے   بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے ہم، خدا کیا ہے
اگر ہوتا زمانے میں حصول علم بے محنت   تو بس، ساری کتابیں دھو کے ایک جاہل بھی پی لیتا

برادرانِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے جاں بازو! ہندوستان ہمیشہ اسلامی تعلیم وتربیت، تہذیب وتمدن، دعوت وتبلیغ، اشاعت القرآن والسنۃ کا گہوارہ رہا ہے، اس ملک میں جب بھی دین متین کی نورانی شکلوں کو مسخ کرنے کی سازش رچی گئی اور روح اسلام کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی گئی تو اُن حالات کو دیکھ کر سب سے پہلے اہل اللہ اور علمائے دین کے قلوب بے چین ہوئے جنھوں نے دنیا کو انسانیت کا پیام، وفا کا پیغام، یقین محکم کی دعوت اور عمل پیہم کی ندا دی، جن مقدس ہستیوں کو دنیائے اسلام ان آداب والقاب سے پکارتی ہے، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند، عبقری الدہر حضرت مولانا سعادت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بانی مظاہر العلوم سہارنپور، مجدد العلم والعرفان حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ وبانی جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر، داعی الی اللہ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مرکز دعوت وتبلیغ حضرت نظام الدین نئی دہلی، انہیں جیسی مقدس ہستیوں اور جبال العلوم والفنون نے دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں مکاتب، مدارس، مراکز، مساجد اور خانقاہوں کا ایسا پائیدار جال بچھایا اور دعوت وارشاد اور تعلیم وتربیت کا ایسا بیج ڈالا جو مٹائے نہ مٹ سکے اور پوری ملت اسلامیہ ان کے انوار وبرکات سے سیراب وفیض یاب

ہورہی ہے،ان حضرات کے لگائے ہوئے تناور درختوں کا سایہ اتنا دراز ہوا کہ بہت سے کفرستان چمنستان محمد کا باغ ہوگئے ،یہ مدارس اسلامیہ دین کے قلعے اور بنیادی اساس ہیں۔

محترم حضرات! مدارس اسلامیہ، اسلامی کلچر اور ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔ یہ اخلاص واخلاق اور ایمان ویقین کے سرچشمے ہیں، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار کیے جاتے ہیں۔ مدرسہ وہ فیکٹری ہے جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالے جاتے ہیں، مدرسہ وہ جگہ ہے، جہاں سے شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہوتا ہے، مدارس میں پڑھنے والے دہشت گرد نہیں ہوتے بل کہ مدارس میں تعلیم وتربیت پاکر امام القائدین حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، فخر المحد ثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شاہ راہ طریقت کے غوّاص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں، اور انہی مدارس میں پروان چڑھنے والے عارف باللہ جناب قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ، خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی جیسے لوگ بھی پیدا ہوئے ہیں۔

مدارس سے ہوئے ہیں علم کے، کوہِ گراں پیدا
مدارس سے ہوئے ہیں ملک ودیں کے پاسباں پیدا
مدارس ہیں اسلام وامن وصلح کل کے گہوارے
مدارس سے ہوئے ملت کے سچے باغباں پیدا

الغرض اسلام کا علم کے بغیر پایا جانا بہت ہی مشکل بل کہ ناممکن ہے،جس طرح مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح اسلام بغیر علم کے برقرار نہیں رہ سکتا، اگر علم کا چشمہ خشک ہوجائے تو اسلام اور دین اسلام سب کا دم گھٹنے لگے گا۔

حضرات گرامی! دراصل مدارس اسلامیہ میں اسلام کے پودے کی آبیاری کی جاتی ہے اور پھر وہاں سے اسلام کے سپاہی ،مبلغ ومفسر اور محدث ومحقق تیار ہوکر عالم میں جاکر اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

گلشن اسلامیہ کے نوشگفتہ پھولو! تم ہی قوم کے لیڈر بننے والے ہو اور تم ہی قوم کا سرمایہ

ہو، تمہارے ہی جذبات پر قربانیوں کی عمارتیں کھڑی کی جاتی ہیں تمہارے ہی قول وبیان پر عزائم کی بنیادیں کھڑی کی جاتی ہیں، ساری بھٹکی قوم کی آہیں اور بے دست وپا لوگوں کی آہیں تمہاری منتظر ہیں، تم ان خدامست بزرگوں کی چھاؤں کے تربیت یافتہ ہو، جنہوں نے اسلام دشمن کو اپنی حرارت ایمانی سے پگھلا کر اور انگریز کے آہنی دیواروں کو اپنے جذبات ایمانی کے بھڑکتے شعلوں سے گرا کر یہ اعلان کہ اے اسلام کے خلاف آواز اٹھانے والو! سنبھل جاؤ! اپنے ارادوں سے باز آجاؤ، اپنے ہاتھوں کو روک لو اور اپنے ذہنوں کو اِس کے خلاف سوچنے سے بچالو، تم یہ سمجھتے ہو کہ تاثیر اسلام ختم ہو چکی ہے، ہرگز نہیں، اسلام آج بھی وہ بادل ہے جس میں مادۂ آتش فشاں پنہاں ہے، وہ راکھ کا ڈھیر ہے جس میں ایسی دبی چنگاری ہے جو خرمن کفر کے لیے آتش نمرود سے کم نہیں ، وہ ایسا موجیں مارتا سمندر ہے جس کی لہروں کی ہر کروٹ ایک نئے انقلاب کا پیغام دیتی ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے　　جتنا کہ دباؤ گے اُتنا ہی یہ ابھرے گا

ہمدردانِ قوم وملت اور شمع محمدی کے پروانو! تم اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرو، محمد بن قاسم جیسا جذبہ پیدا کرو، اگر کوئی ایسا وقت آجائے جس سے انسانیت مضطرب ہو اور اسلام کو آگ لگنے کا اندیشہ ہو، تو آگ میں کود جانے ،سمندر میں چھلانگ لگانے ، تپتے ہوئے صحراؤں کا رخ کرنے ، ابلتے ریگستان میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے اور پہاڑوں سے ٹکرانے میں دریغ نہ کرنا، اور اپنے خون کے آخری قطرے تک دین مصطفوی کے گلشن کی آبیاری کرنے اور برفانی میدانوں میں اسلام کے پھول کھلانے ، کفر وشرک کی ناپاک زمینوں اور بدعات وخرافات کے منحوس چمن کو بے آب وگیاہ ریگستان بنا کر موت کو ہنستے کھیلتے گلے لگا کر ابدی نیند سو جانا۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے دست غیب سے ابوذر کا تقویٰ، حضرت عمرؓ کی شجاعت، حضرت علیؓ کا قوتِ بازو، حضرت خالد کی تلوار اور محمد بن قاسم جیسا حوصلہ، صلاح الدین ایوبی جیسا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین!

سبق پڑھ پھر صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا　　لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہ ملت منتظر ہے پھر نئی شیرازہ بندی کی　　زمانہ منتظر ہے آج پھر تیری قیادت کا
رہو ثابت قدم، بحرِ حوادث کے تھپیڑوں میں　　کہ وقتِ امتحاں ہے تیرے جذب استقامت کا

وما علینا الا البلاغ

دارالعلوم نے دنیا کو کیا دیا؟

اَلْحمدُ للّٰہِ الَّذِي غَرَسَ لَنَا شَجَرَۃً طَیِّبَۃً اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِي السَّمَاءِ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِنَا الَّذِي بَنیٰ لَنَا بَیْتًا صِیْتُھَا فِي الآفَاقِ وَالاَنْحَاءِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ النُّجَبَاءِ .... اَمَّا بَعْدُ !

اِس بزمِ جنوں کے دیوانے، ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے، دیوارِ چمن سے زنداں تک
سو بار سنوارا ہے ہم نے، اِس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے، کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

حضراتِ سامعین اور صدرِ جلسہ!!! میں حیران و پریشان، بل کہ نادم و پشیمان ہوں کہ اس مختصر سے وقت میں ایسے عظیم الشان اور وسیع وبسیط موضوع پر کس طرح گفتگو کروں، سمجھ میں نہیں آتا کہ داستان کا آغاز کہاں سے اور کیسے کروں؟ اس کی کن کن خوبیوں کو بیان کروں اور کن کن خصوصیات کو نظر انداز کروں، اس کی علمی سرگرمیوں کا تذکرہ کروں یا اس کے مجاہدانہ کارناموں کی روداد سناؤں، اس کی تحریری دفتروں کی سیر کراؤں یا اس کی تقریری فضاؤں میں پرواز کراؤں، اس کے خلوص ووفا کی داستانیں سناؤں یا اس کے جنونِ شوق کی آشفتہ سری دکھاؤں، آزادی کے واسطے اس کے ناقابلِ فراموش اور لازوال قربانیوں کا تذکرہ کروں یا حفاظتِ دین کے لیے اس کے بے مثال عزم واستقلال کے حیرت انگیز واقعات بیان کروں۔ غرض ؏

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑوں داستاں کیسے؟ حالاں کہ ؎

ہزاروں نغمے وفا کے ان کی، لبوں پہ آکر مچل رہے ہیں
لبوں پہ لیکن لگے ہیں پہرے، تو بن کے آنسو نکل رہے ہیں
زبان ہے ساکت، قلم ہے حیراں، بتاؤں کیسے میں رازِ پنہاں
کہ بحرِ غم میں اٹھا ہے طوفاں، تو دریا دریا اُبل رہے ہیں

حضرات! بڑے دُکھ اور افسوس کی بات ہے کہ لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ دارالعلوم نے دنیا

کو کیا دیا؟ بھلا بتاؤ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میرے دوستو! اگر پوچھنا ہی تھا تو یہ پوچھتے کہ دارالعلوم نے دنیا کو کیا نہیں دیا!

تو میں کہتا کہ دارالعلوم نے دنیا کو الحاد و بے دینی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو بے ضمیری وابن الوقتی اور ایمان فروشی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو بے حیائی و بے شرمی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو بے غیرتی و بے مروّتی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو خودغرضی ومفاد پرستی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو جی حضوری اور چاپلوسی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو پست حوصلگی اور بزدلی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو نفرت وعداوت نہیں دی، بل کہ وہ تو ہر دور میں نغمۂ مہر ووفا گاتا رہا، وہ ہر زمانے میں گردشِ دوراں کی سنگینی سے ٹکراتا رہا، وہ قدم قدم پر گم کردۂ راہ لوگوں کو توحید کا جامِ باصفا پلاتا رہا۔ وہ ہر عہد میں شافعِ کون ومکاں کی راہ دکھلاتا رہا، وہ ہر دور میں سنتِ خیرالوریٰ کے زمزمے گاتا رہا، وہ ہر عہد میں پرچم اسلام کو بت کدوں کی چہار دیواری پر لہراتا رہا اور پیغامِ خداوندی کو چہاردانگ عالم میں پھیلاتا رہا۔

گرچہ بارہا فلک نے اُسے آنکھیں دکھائیں، گردشِ دوراں نے آلام ومصائب کے تیر برسائے، باغبانِ وقت نے رنج ومحن کے کانٹے چُبھائے، امواجِ حوادث نے بحرِ غم میں غوطے کھلائے، مگر اِس جوشِ جنوں کے دیوانہ، پیکرِ آشفتہ سری اور سودائے عشق کے خریدار نے ان تمام سنگینوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کر دیا ؎

ترے عشق میں، میں نے کوہِ غم، سر پہ لیا جو ہو سو ہو
وہ عیش ونشاطِ زندگی، چھوڑ دیا............ جو ہو سو ہو
اے طوفانِ تُند وتیز جاؤ ہمیں...... سمجھاؤ مت
کہ بحرِ غم میں دل کا سفینہ ڈال دیا...... جو ہو سو ہو

او! ہم سے ہمارے دارالعلوم کے کارنامے اور داستانیں معلوم کرنے والو! میں تمہیں کیا کیا بتاؤں اور کہاں تک بتاؤں؟...... جاؤ، اگر تم سے ہو سکے تو ہماری داستان افرنگ کے برپا کیے ہوئے طوفانوں سے پوچھو، ہماری داستان بالاکوٹ کی پہاڑیوں سے پوچھو، ہماری داستان شاملی کے میدانوں سے پوچھو، ہماری داستان، چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کے درختوں سے پوچھو، ہماری داستان دہلی کی جامع مسجد اور لاہور کی شاہی مسجد کے در و دیوار سے پوچھو،

ہماری داستان دریائے راوی کی خشمگیں موجوں سے پوچھو، ہماری داستان افغانستان کی سربلند پہاڑیوں سے پوچھو، ہماری داستان روس وٹرکی کی برفیلی چٹانوں سے پوچھو، ہماری داستان عرب کے تپتے ہوئے ریگزاروں سے پوچھو، ہماری داستان گلشن کی سُرخ بہاروں سے پوچھو، ہماری داستان سلاسل کی جھنکاروں سے پوچھو، ہماری داستان زنداں کی تاریکیوں سے پوچھو، ہماری داستان مالٹا کی تاریک کوٹھریوں سے پوچھو، ہماری داستان عدالت کے کٹہروں سے پوچھو، ہماری داستان پھانسی کے پھندوں سے پوچھو، یہ تمام کے تمام، ہماری مہر ووفا کی داستانیں سنائیں گے ہمارے دیرینہ تعلقات وشناسائی کے قصّے بیان کریں گے اور ہمارے خلوص ووفا کے نغمے سنائیں گے۔ کیوں کہ۔۔

واقف تو ہیں اس راز سے، یہ دارورسن بھی ہر دور میں تکمیلِ وفا، ہم سے ہوئی ہے

لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند نے دنیا کو کیا دیا؟ میں دنیا والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ بتاؤ! دنیا کو شیخ الہند جیسا امام القائدین کس نے دیا؟ دنیا کو انورشاہ جیسا فخر المحدثین کس نے دیا؟ دنیا کو اشرف علی تھانویؒ جیسا مفکر ومدبّر کس نے دیا؟ دنیا کو کفایت اللہ جیسا مفتی اعظم کس نے دیا؟ دنیا کو عثمانی جیسا خطیب کس نے دیا؟ دنیا کو مناظر احسن گیلانیؒ جیسا بے مثال ادیب کس نے دیا؟ دنیا کو حضرت حسین احمد مدنیؒ جیسا پیکر صدق وصفا کس نے دیا؟ اور دنیا کو حکیم الاسلام جیسا تصویر خلق علیؑ کس نے دیا؟

اولٰئک آبائي فجئني بمثلهم اذا جمعتنا يا جرير المجامع

حضرات! کیا یہ ایک روشن حقیقت نہیں ہے اور کیا یہ ایک تاریخی صداقت نہیں ہے کہ دارالعلوم کے مقدس بطن سے ایسی ایسی عظیم الشان اور بے مثال ہستیوں نے جنم لیا، جن کی شجاعت وبہادری کی قسم فاتحین اقوام کھاتے تھے، جن کی ہمت ومردانگی کی قسم سلاطین عالم کھاتے تھے، جن کی بے نفسی وبے غرضی کی قسم معصوم ملائکہ کھاتے تھے، جن کی عفت وپاک دامانی کی قسم محصون دوشیزائیں کھاتی تھیں؟

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ دارالعلوم کے مبارک شکم سے ایسی ایسی بے نظیر شخصیتوں کا ظہور ہوا جن کا قلب وجگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا، جن کے چہرے پر عزم واستقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں، جن کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار تھا، جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور

اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر دی تھی، جنہوں نے تاریخ کے ہر نازک موڑ پر امتِ مرحومہ کی راہنمائی اور دست گیری فرمائی ہے، جنہوں نے ہر دور میں باطل کا مقابلہ کیا ہے، جنہوں نے ہر زمانے میں شیطانی پنجوں کو مروڑا ہے جب بھی باطل نے سر ابھارا ہے وہ اس کے سروں پر صاعقۂ الٰہی بن کر گرے ہیں، جب بھی کسی فرعونِ وقت نے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الاَعْلٰى﴾ کا نعرہ بلند کیا اسی دم وہ جلالِ موسوی بن کر نمودار ہوئے ہیں۔ جب بھی کسی نمرودِ وقت نے انا ولا غیری کی صدا بلند کی ہے اسی لمحہ وہ خلیل بت شکن کا دست بے باک بن کر ظاہر ہوئے ہیں، جب بھی باطل نے حق کو چیلنج کیا ہے انہوں نے اس کے چیلنج کو قبول کیا ہے، وہ مردانہ وار سر بکف میدان میں آ نکلے ہیں اور جم کر پوری بے خوفی سے باطل کا مقابلہ کیا ہے، انہوں نے جانیں تو دے دیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی، انہوں نے سر تو کٹا دیا مگر پرچم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا، انہوں نے سارے عالم میں اپنی شرافت وصداقت اور شجاعت وجلالت کا پرچم نصب کر دیا اور برسرِ عام اعلان کر دیا کہ ؎

باطل سے دبنے والے، اے آسماں نہیں ہم   سو بار کر چکا ہے .... تو امتحاں ہمارا
توحید کی امانت، سینوں میں ہے ہمارے   آساں نہیں مٹانا ، نام ونشاں ہمارا

محترم حضرات! یہ امر واقعہ ہے کہ دار العلوم کی ضربِ بے پناہ سے کوئی بھی طاغوتی لشکر محفوظ نہ رہ سکا۔ اس نے ہر ایک شیطانی دستہ پر پوری شدت سے وار کیا ہے۔

چناں چہ جب ہندوستان کی سرزمین پر دُزدانِ یورپ آئے ان کا مقابلہ کیا، فرزندانِ تثلیث آئے ان کا مقابلہ کیا، پاسبانِ اصنام آئے ان کا مقابلہ کیا، غدّارانِ نبوت آئے ان کا مقابلہ کیا، شاتمانِ رسول آئے ان کا مقابلہ کیا، دشمنانِ صحابہ آئے ان کا مقابلہ کیا، اسیرانِ عقل آئے ان کا مقابلہ کیا، محافظینِ بدعت آئے ان کا مقابلہ کیا، منکرینِ حدیث آئے ان کا مقابلہ کیا، مطعنینِ ائمہ آئے ان کا مقابلہ کیا، اور ہر طرح سے مقابلہ کیا........... ضرورت پڑی تو گولی چلائی، ضرورت پڑی تو تلوار چلائی، تلوار چھینگی قلم اٹھایا، ضرورت پڑی تو اپنی شعلہ نوائیوں سے طوفانِ تند وتیز اور سرکش وبے باک کا کام لیا اور جب ضرورت پڑی تو قوم کے ننھے ننھے نونہالوں کی تربیت واصلاح فرما کر باطل کے لیے دیوارِ آہنی اور فولادی لشکر بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ فدائے ملت حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب کو کہنا پڑا ؎

شاد باش وشادزی اے سر زمین دیوبند — ہند میں تو نے کیا، اسلام کا جھنڈا بلند
اسم تیرا بامسمّٰی، ضرب تیری بے پناہ — دیو استبداد کی گردن ہے، اور تیری کمند
کفر ناچا جن کے آگے، بارہا تگنی کا ناچ — جس طرح جلتے توے پر، رقص کرتا ہے سپند
تیری رجعت پر ہزار اقدام، سو جاں سے نثار — قرنِ اولیٰ کی خبر لائی تری اُلٹی زقند

حضرات! آج جو برصغیر میں تھوڑی بہت اسلامی چمک دمک دکھائی دے رہی ہے وہ دار العلوم ہی کی دَین ہے اور وہ دار العلوم ہی کا فیض بے بہا ہے، ورنہ صاحبانِ عقل ونظر تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ اگر سر زمین ہند پر دار العلوم کی شکل میں احسانِ مصطفےٰ نہ ہوتا تو خدا کی قسم آج یہ ہندوستان دوسرا اسپین بن گیا ہوتا، برصغیر سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا۔ ان کی داستاں تک بھی داستانوں میں نہ ہوتی اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اور غلام ہندوستان کے دورِ جاہلیت کو دیکھنے والے جانتے ہیں وہ آپ کو بتائیں گے کہ جس ہندوستان پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی اس ہندوستان سے مسلمانوں کو کس طرح نکالا جارہا تھا، کس طرح کفر وصلیب کی گھنگھور گھٹائیں پورے برصغیر پر چھارہی تھیں، کس طرح عیسائیت کا سیلِ تند وتیز قلعۂ اسلام کے در ودیوار سے ٹکرا رہا تھا، کس طرح اسلامی شعائر وخصوصیات کو مٹایا جارہا تھا، کس طرح دشمنانِ اسلام کی نگاہ حرص وہوس ہماری مساجد ومدارس کی جانب اٹھی ہوئی تھی، قرآن اور علمائے اسلام کو ختم کیا جارہا تھا اور کس طرح ظلم وجور کی خوفناک آندھیاں لوگوں کو دہشت زدہ کررہی تھیں۔

مگر چند مردانِ خدا کی گریہ وزاری اور بزرگانِ دین کی دعائے نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کام آہی گئی اور رحمتِ خداوندی کو جوش آہی گیا، پھر کیا تھا؟ پھر اُسی ظلمتِ شب اور تیرگی کفر میں اسلام کا وہ نورانی شرارہ چمکا، جو دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم پر چھا گیا، کفر وصلیب کی تاریکیاں چھٹنے لگیں، طلسماتِ باطل کے پردے سرکنے لگے، سیلِ عیسائیت کا زور ٹوٹنے لگا اور دشمنانِ اسلام کی ناپاک امیدیں دم توڑنے لگیں۔

یعنی سر زمین دیوبند پر اسلام کا وہ عظیم الشان قلعہ تیار ہوا، جسے دیکھ کر تمام طاغوتی وابلیسی طاقتیں سر بگریباں اور انگشت بدنداں رہ گئیں۔ کفر وصلیب کی چیخیں نکل گئیں، صیہونی سازشوں کے دم گھٹنے لگے۔ دشمنانِ اسلام کے قلب وجگر شق ہونے لگے اور پھر برصغیر کے اس

عظیم الشان ورفیع المقام اسلامی قلعہ اور فوجی چھاؤنی سے ایسے ایسے مجاہد وجاں باز فوجی دستے تیار ہوئے، جنہوں نے اپنے سرفروشانہ اور مجاہدانہ کارناموں سے ملک وملّت کو سربلند وسرخ رو کیا۔ مسلمانوں میں اسلام پر مرمٹنے کا جذبہ اور شوق پیدا کیا، لوگوں کے دلوں میں ایمانی حرارت وجوش پیدا کیا، ظلم وجور اور جبر وتشدد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، انسانیت کو صحیح راستے پر چلنے کا شعور عطا کیا، سینوں میں مشعل حریت جلائی، جگہ جگہ جذبۂ آزادی کے شعلے بھڑکائے، سینوں میں حوصلے اور حوصلوں میں جان اور بلندی پیدا کی، کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کیا، عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑایا، جس کے نتیجے میں وہ طوفانِ تند وتیز اور موجِ تند جولاں اٹھی کہ نہنگوں کے نشیمن تہ وبالا ہو کر رہ گئے، ظلم وجور اور جبر وتشدد کے شجرِ تلخ ثمر جڑ سے اکھڑ گئے۔

غرض یہ کہ ان جاں باز مجاہدین نے اپنے جوشِ اسلامی اور حرارت ایمانی سے چہار دانگِ عالم میں اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اطاعتِ رسول اللہ کا پرچم لہرا دیا، پورے برصغیر میں جگہ جگہ اسلام وایمان کی شمعیں جلادیں، نوجوانانِ اسلام کو جذبۂ ایثار کی فضاؤں میں پرواز کرنے اور اوجِ ثریا پر کمندیں ڈالنے کی دعوتِ بےلوث دی، انہیں سمندروں میں کودنے اور طوفانوں سے ٹکرانے کا جذبہ عطا کیا، ساری دنیا کو پیغامِ صلح وآشتی دیا اور اپنی علمی وروحانی ضیاپاشیوں سے پورے عالم اسلام کو منور وتاباں کر دیا۔ اور آج بھی دنیا کا کوئی خطہ اور چپّہ ایسا نہیں، جہاں دار العلوم کے تربیت یافتہ افراد موجود نہ ہوں جو آج بھی فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہونے والے آفتابِ نبوت کی ایمان افروز شعاعوں کو نہ پھیلا رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آج جو امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے ایوان ہائے فرعونی ونمرودی میں موسوی گرج اور ابراہیمی گونج سنائی دے رہی ہے وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ دار العلوم ہی کا فیض ہے اسی وجہ سے شورش کاشمیری کو کہنا پڑا کہ ؎

اس میں نہیں کلام کہ، دیوبند کا وجود ہندوستان کی زمیں پہ ہے احسانِ مصطفیٰ
اس مدرسہ کے جذبۂ عزت سرشت سے پہنچا ہے خاص وعام کو فیضانِ مصطفیٰ
گونجے گا چار کھونٹ، اُس نانوتوی کا نام بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفیٰ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جنگ آزادی اور علمائے ہند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَومِ الدِّین. أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ○ وقال: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰئِکَۃُ ○ صدق اللہ العظیم.

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کُشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی ارادت ہوتو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں.........اپنی آستینوں میں
بہار آئی اگر گلشن میں تو ،کس کام کی آئی
نشیمن شاخ پہ باقی رہا نہ دل ہی سینوں میں

محترم حضرات اور صدرِ جلسہ!!

آج میں اُن یارانِ باصفا، شہیدانِ عشق ووفا، وارثانِ بلالؓ اور سرِ خیل آزادی کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کا قلب وجگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا، جن کے چہرے پر عزم واستقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں، جن کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار تھا، جنہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی سربلندی اور اِعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے وقف کردی، جن کی ایک تاریخ ہے ،جن کی ایک داستان ہے، جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی آبیاری کی ہے اور چمنستانِ اسلام کی

طرف بڑھنے والی ہر بادِ سموم کی راہ میں دیوارِ آہنی اور سد سکندری بن کر حائل ہو گئے ہیں۔

حضرات!

اس چمنستان عالم کا پتہ پتہ اور بوٹہ بوٹہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ طبقہ ان اصحابِ فکر و نظر اور وارثانِ قلب و جگر کا طبقہ ہے جنہوں نے تاریخ کے ہر نازک موڑ پر اس امت کی رہنمائی اور دست گیری فرمائی ہے، یہ ان یارانِ باصفا اور شہیدانِ عشق و وفا کا قافلہ ہے جنہوں نے ہر دور میں باطل کا مقابلہ کیا۔ جب بھی باطل نے حق کو چیلنج دیا، انہوں نے اس کے چیلنج کو قبول کیا اور سر بکف میدان میں آنکلے اور جم کر پوری بے خوفی سے باطل کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے جانیں تو دے دیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی، انہوں نے سر تو کٹا دیا مگر پرچم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ جب جلاّد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا، تو انہوں نے مسکرا کر نظر سے نظر ملائی اور پھر یہ کہتے ہوئے مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔

خوشا وقتیکہ میری موت ترے کوچے میں آجائے
یہی تو زندگی کا آخری ارمان ہے ساقی

غرض یہ کہ انہوں نے ہر محاذ پر باطل کا مقابلہ کیا اور ہر طرح سے مقابلہ کیا۔ ضرورت پڑی تو گولی چلائی، ضرورت پڑی تو تلوار چلائی، تلوار پھینکی قلم اٹھایا، ضرورت پڑی تو اپنی شعلہ نوائیوں سے طوفانِ تند و تیز اور سرکش و بے باک کا کام لیا اور جب ضرورت پڑی تو قوم کے ننھے ننھے نونہالوں کی تربیت و اصلاح فرما کر باطل کے لیے دیوارِ آہنی اور فولادی لشکر بنا دیا۔ آج میں انہیں جیالوں اور سرفروشان اسلام کی تھوڑی سی تاریخ اور ادنٰی سی جھلک دکھانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے جنگِ آزادی میں کیا کارنامہ انجام دیا ہے اور ان کا کیا مقام رہا ہے۔

محترم حضرات!

جب ہندوستان کی مقدس سرزمین پر انگریزوں کا ناپاک سایہ پڑا اور وہ اپنی شاطرانہ اورعیارانہ چالوں سے یہاں کے مالک بن بیٹھے جب باشندگان ہند پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ جب ہندوستانیوں کو غلام بنایا جانے لگا، جب ہندوستانیوں کا خون اُن کے پسینوں سے بھی ارزاں ہونے لگا تو ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے جس شخص نے علمِ بغاوت بلند کیا وہ محدث کبیر، امام جلیل، رئیس الاولیاء، فخرِ چمن، محرمِ فن، نازشِ وطن شاہ عبد

العزیز ابن ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ یہ وہی مرد مجاہد، درویشِ خدا ہے جس نے وقت سے بہت پہلے مسلمانوں کے نصب العین کا اعلان فرما دیا تھا، جہاں تک پہنچنے کے لیے دوسروں کو ابھی برسہا برس انتظار کرنا تھا۔

شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ کیا تھا، ایک برقِ بے اماں تھا جو دشمنوں کے نخلِ تمنا پہ گر پڑی، انگریزوں کی نیند حرام ہوگئی، جگہ جگہ آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے، اور پرچم لہرانے لگے، سینوں میں ولولے مچلنے لگے اور حوصلوں نے انگڑائیاں لینی شروع کر دیں۔

مسندِ درس پر بیٹھ کر قرآن وحدیث کا درس دینے والے علمائے کرام، خانقاہوں میں بیٹھ کر اپنے خونِ جگر سے شمعِ اسلام کو روشن کرنے والے مشائخ عظام، اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کو چھوڑ کر میدان میں آگئے اور فرنگیوں کے خلاف ایک محاذ بنا کر توکل علی اللہ منزل کی جانب بے سروسامانی کے عالم میں نکل پڑے اور۔

میں اکیلا ہی چلا تھا ، جانبِ منزل مگر
راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کے مصداق بن گئے

حضرات! یہ کارواں مسافت طے کرتے ہوئے کس طرح منزلِ مقصود تک پہنچا۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ اِس داستان میں امنگیں بھی ہیں اور محرومیاں بھی، عزم وعمل کا جوش وخروش بھی ہے اور شکست خوردگی او بے چارگی کی افسردگی بھی، جنونِ شوق کی آشفتہ سری بھی ہے اور گردشِ دوراں کی کج روی بھی۔ اس طویل مسافت کو طے کرتے ہوئے ان کے پاؤں مسلسل لہو لہان ہوتے رہے، ہزاروں اور لاکھوں کا وجود غبارِ راہ بن کر اڑ گیا، کبھی جبر وتشدد کی خاردار جھاڑیوں نے ان کے دامن کو تار تار کیا، کبھی وحشت وبربریت کے پہاڑ ان کی راہ میں حائل ہوگئے مگر اس بزمِ جنوں کے دیوانوں نے ہمت نہیں ہاری حادثات ومصائب سے ٹکراتے ہوئے منزلِ مقصود کی جانب بڑھتے ہی رہے۔

راستے کی قربت ودوری سے بے فکر، طمانیتِ قلب وجگر سے مستغنی، پریشانی وافکار کے احساسات سے بے نیاز، خطرات ووساوس کی گرفت سے بے پروا، منزلِ مقصود کی تلاش میں کبھی عرب وترکی کی راہوں کو ناپتے ہیں، تو کبھی روس وافغان کی بادیہ پیمائی کرتے ہیں، کبھی مالٹا

کی کوٹھریوں میں قیام کرتے ہیں، تو کبھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر نغمۂ آزادی سناتے ہیں، کبھی پھانسی کے پھندوں کو چوم کر منزل کا نشان پوچھتے ہیں، تو کبھی ریوالور کی لبلبی پر انگلی رکھ دیتے ہیں کہ شاید گولیوں کی سنسناہٹ ہی منزل کا پتہ بتا سکے غرض یہ کہ ان دیوانوں نے ہر راہ سے منزل تک پہنچنے کی کوشش کی اور پہنچ کر ہی دم لیا۔ تاریخِ ہند ہم سے کہتی ہے ۔

اِس بزمِ جنوں کے دیوانے، ہر راہ سے پہنچے محفل تک
بے تابی ان کی عام ہوئی، صحراؤں سے لے کر ساحل تک
ہاں سنگ گراں یہ لکھتے تھے، وہ اپنے دلِ ناداں کا حال
شاید کہ تلاشِ مقتل میں، کوئی پہنچے پتھر قاتل تک

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ اگر ہندوستان کی جنگِ آزادی میں علماء حصہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا، اگر یہ سرخیلِ آزادی نہ ہوتے تو تحریکِ آزادی نہ چلتی، تحریکِ بالا کوٹ نہ چلتی، تحریکِ ریشمی رومال نہ چلتی، تحریکِ خلافت نہ چلتی، ہندوستان چھوڑو تحریک نہ چلتی، مقدمۂ وہابیان نہ چلتا، انبالہ سازش کیس نہ بنتا۔ الغرض علمائے کرام ہی نے اپنے خونِ جگر سے عروسِ آزادی کی حنابندی کی ہے اور اپنے مقدس لہو سے شجرِ آزادی کو سینچا اور پروان چڑھایا ہے۔

چناں چہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دو محاذ بنائے گئے، ایک محاذ انبالہ پر، جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسری کے پاس تھی، دوسرا محاذ شاملی پر، جس کی قیادت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پاس تھی، اِس جنگ میں بڑے بڑے صلحاء و علماء شہید و زخمی ہوئے، اسی جنگ میں حافظ ضامن شہید ہوئے۔ اِس ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علمائے کرام شامل تھے۔ صرف دہلی میں پانچ سو علمائے دین کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکا دیا گیا۔

بہر حال جب اس جنگ میں وسائل کی قلت اور اپنوں کی غداری کی وجہ سے فرنگیوں کا غلبہ ہو، اتو وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستانی مشیروں سے رائے طلب کی کہ بتاؤ! ہندوستان میں ہماری حکومت کیسے قائم رہ سکتی ہے تو ہندوستان میں رہنے والے سب سے بڑے سیاست داں ڈاکٹر ولیم ہورنی نے جو رپورٹ پیش کی اس میں لکھتا ہے کہ:

''ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار مسلمان ہیں اور جنگِ آزادی صرف مسلمانوں

نے لڑی ہے۔ مسلمانوں میں جب تک جذبۂ جہاد موجود ہے اس وقت تک ہم لوگ اُن پر حکومت نہیں کر سکتے اس لیے جذبۂ جہاد کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اور جذبۂ جہاد ختم کرنے سے پہلے ایک اور چیز کا ختم کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان سے علماء اور قرآن کو ختم کر دیا جائے''۔

چناں چہ ۱۸۶۱ء میں تین لاکھ قرآن کریم کے نسخے بد بخت انگریزوں نے جلائے اور اس کے بعد علماء کے ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگریز مورّخ مسٹر ایڈورڈ ٹامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک انگریزوں نے علماء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تین سال ہندوستان کی تاریخ کے بڑے الم ناک سال ہیں۔ ان تین سالوں میں انگریز نے چودہ ہزار علماء کو تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

ٹامسن کہتا ہے کہ دلّی کی چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر علماء کی گردنیں نہ لٹکی ہوئی ہوں...... ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کے جسموں کو تانبے سے داغا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو سوّروں کی کھالوں میں بند کر کے جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا گیا...... ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو ہاتھیوں پر کھڑا کر کے درختوں سے باندھ کر ہاتھیوں کو نیچے سے چلا دیا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کی شاہی مسجد جس کے صحن میں انگریزوں نے پھانسی کا پھندا بنایا تھا اس میں ایک ایک دن میں اسّی اسّی علماء کو پھانسی دیجاتی تھی۔ ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کے دریائے راوی میں اسّی اسّی علماء کو بوریوں میں بند کر کے ڈال دیا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا، ٹامسن کہتا ہے جب میں اپنے خیمہ میں گیا تو مجھے مردار کی بدبو محسوس ہوئی، میں خیمہ کے پیچھے چلا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آگ کے انگارے دہک رہے ہیں اور ۴۰ رعلماء کو کپڑے اتار کر اُن انگاروں پر ڈال دیا گیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے چالیس اور علماء کو بلایا گیا میرے سامنے ان کے کپڑے اتارے گئے۔ انگریز نے کہا مولویو! جس طرح اِن چالیس کو پکایا گیا ہے اِسی طرح تمہیں بھی پکا دیا جائے گا، تم صرف ایک آدمی یہ کہ دو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہم شریک نہیں تھے، ابھی چھوڑ دیتے ہیں...... ٹامسن کہتا ہے کہ مجھے پیدا کرنے والے کی قسم، کوئی عالم ان میں ایسا نہیں تھا سارے کے سارے آگ میں پک تو گئے مگر انگریزوں کے سامنے کسی نے بھی گردن نہیں جھکائی۔''

حضرات! اُنہیں شیرانِ اسلام اور سرفروشانِ خیر الانام کے سچّے جانشین اور حقیقی وارث شیخ الہند اور شیخ الاسلام اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ ۱۸۵۷ء تک آزادی

کے سرخیل اور کمانڈر یہی حضرات تھے۔ آج یہ لوگ دنیائے تاریخ میں اسیران مالٹا کے نام سے جانے جاتے ہیں یہ وہی شیخ الہند ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک عالم گیر تحریک چلائی تھی کہ عقل انسانی حیران وششدر رہ جاتی ہے اور ان کی زود فہمی و دور بینی پر قیادت وسیادت سر دھنتی ہے یہ شخص قد وقامت کے اعتبار سے قوی الہیکل و عظیم الجثۃ تو نہ تھا مگر اپنے دور کے تمام سیاسی قائدین کا امام اور مذہبی رہنماؤں کا مقتدا تھا۔ وہ منبع حریت اور پیکرِ خلوص و وفا تھا، جو ایک طرف آزادی کے جوش وخروش اور جذبہ وولولہ سے لوگوں کے قلوب کو معمور کر رہا تھا، تو دوسری طرف قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُول کا جامِ خوش گوار تشنگانِ علومِ نبوت کو اپنے دست مبارک سے بھر بھر کر پلا رہا تھا وہ در کفِ جامِ شریعت و در کفِ سندانِ عشق کا کامل واکمل نمونہ تھا۔ اگر اس عظیم ہستی کی وہ عالم گیر تحریک جسے ''تحریکِ ریشمی رومال'' کے نام سے جانا جاتا ہے، کام یاب ہوگئی ہوتی تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن ۔

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی، کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

انہیں کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ہیں، جو شیخ الہند کے بعد تحریکِ ریشمی رومال کے سب سے بڑے لیڈر تھے، تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلہ میں حضرت نے اُنہیں افغانستان روانہ کیا تھا تا کہ وہاں کی جوشیلی قوم کو انگریزوں کے خلاف متحد کر سکیں۔ جب مولانا افغانستان کے لیے روانہ ہو رہے تھے، تو ان کی ڈاڑھی نکل رہی تھی، مگر جب وہ روس وافغانستان کی بادیہ پیمائی کر کے لوٹے ہیں تو ان کی ڈاڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اور شیخ الہندؒ ہی کے سب سے چہیتے اور ہر دلعزیز شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ہیں جنہوں نے خلافت کانفرنس کراچی میں ایسے وقت میں شرکت کی کہ ان کو گولی مار دیئے جانے کا حکم مل چکا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ حسین احمد نہیں آئے گا، مگر لوگوں کی آنکھیں اس وقت حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب وہ مردِ مجاہد ''کفن بردوش'' ہو کر اسٹیج پر آیا اور جلسہ کی صدارت فرمائی، اسی کانفرنس میں حضرت نے انگریزوں کو بلبل اور گولیوں کو گل سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا۔

لیے پھرتی ہے بُلبل چونچ میں گل — شہید ناز کی تربت کہاں ہے

روای کہتا ہے کہ جب حضرت نے یہ شعر پڑھا تو لوگ جوش میں آدھے گھنٹے تک

مسلسل نعرے لگاتے رہے اور پھر علماء کی قربانیوں اور اپنے ایک فتویٰ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انگریز کو مخاطب کر کے فرمایا کہ۔

کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا ۔۔۔ کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں
فرنگی کی فوجوں میں حرمت کے فتوے ۔۔۔ سرِ دار چڑھ کر بھی گائے ہوئے ہیں
وہ شجرِ آزادی کہ خوں دے کے سینچا ۔۔۔ تو پھل اس کے پکنے کو آئے ہوئے ہیں

لیکن آہ!

کتنی بربادی مقدر میں تھی آبادی کے بعد
کیا بتائیں ہم پہ کیا گزری ہے آزادی کے بعد

حضرات! یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اس شجرِ آزادی کا پھل ہمارے حق میں بہت ہی زیادہ تلخ ثابت ہوا، جس کی تلخی آج تک ختم نہیں ہوسکی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں ختم نہیں ہوگی۔ لیکن ہمیں بھی کوئی غم اور افسوس نہیں، ہمیں بھی کوئی ملال نہیں۔ اگر یہ ظالم حکومت اپنے ظلم وستم سے باز نہیں آئی اور ہمارے حقوق کو یوں ہی پامال کرتی رہی تو اُسے بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہم اُنہیں شیرانِ اسلام اور سرفروشانِ خیرالانام کے فرزند ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ بدل ڈالی تھی، ایک بار ہم بھی بدل کر دیکھیں گے کیوں کہ۔

سرفروشی کی تمنا، اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا، بازوئے قاتل میں ہے

حضرات! یہ چرخِ نیلی فام اس بات پر شاہد ہے کہ ہم اگر آج بھی اپنے حقوق لینے پر آجائیں تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں اِس عزم کی تکمیل سے نہیں روک سکتی، شرط یہ ہے کہ ہم پہلے خود کو اس کے لیے تیار کریں، شکوہ شکایت اور دستِ سوال دراز کرنے کے بجائے اپنے بازو میں وہ طاقت اور سینوں میں وہ حوصلے اور حوصلوں میں وہ جان پیدا کریں کہ وقت کی خوف ناک آندھیاں کترا کر گزرا کریں، اور اپنے اندر وہ خودداری وخوداعتمادی پیدا کریں کہ ہمارے ایک اشارہ پر بڑی سے بڑی طاقتیں اپنی کلاہ شہنشاہی ہمارے قدموں میں ڈال کر سرِ خم کریں اور ہماری مقدس خواہشات وجذبات کی تکمیل کو اپنے لیے باعثِ صد عزّ وافتخار سمجھیں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ ع ۔۔۔ جو ہو عزمِ سفر پیدا، تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

بہر حال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے بھی آزادی کے سرخیل علماء ہی رہے ہیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد مجاہدین آزادی کی قیادت برِّصغیر کے عظیم سپوت دار العلوم دیوبند کے فرزندِ اول، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرما رہے تھے۔ مولانا شاہین جمالی "دار العلوم کی تاریخِ سیاست" میں لکھتے ہیں:

"۱۹۲۰ء کے بعد آزادیٔ ہند کا دوسرا دور شروع ہوا اُس دور میں دیوبند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کمان میں آزادی کی جنگ لڑتا رہا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا ابو الکلام سیاسی رہنمائی کرتے رہے، اِن حضرات کی رہنمائی میں ۱۹۳۰ء کی جنگ میں چودہ ہزار مسلمان جیل گئے اور پانچ سو دلاور سرحدی جوان شہید ہوئے اور آخری جنگ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا آخری گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن رخصت ہوگیا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دور سے چل رہی آزادی کی تحریک اپنی منزلِ مراد پانے میں کامیاب ہوگئی۔ اینگلو محمڈن بلاک کا ایک حصہ ایک نئی سلطنت "پاکستان" قائم کر کے اُس کا حکمراں بن گیا اور دیوبند کے آزاد بلاک کو ۸۰ر فی صدی ہندوستان کی حکومت ملی اور دو بڑے لیڈر "جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد" ہندوستانی عوام کی آزادی اور جمہوریت کے محافظ اور ذمہ دار ہوئے۔

الغرض قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر جنگِ آزادی میں علمائے کرام حصہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا۔ اُن مقدس اور پاکیزہ ہستیوں نے ایسی ایسی بے مثال ولا زوال قربانیاں دی ہیں کہ جن کی نظیریں پیش کرنے سے تاریخ اُمم عاجز وقاصر اور عقلِ انسانی حیران وششدر ہے اور آج ہمیں اِس بات پر فخر ہے کہ ہمارے اسلاف نے ہندوستان کے ساتھ وفاداری اور اس کے لیے جاں نثاری کے ایسے ایسے محیّر العقول ثبوت پیش کئے ہیں کہ ع:

انگشت بدنداں ہیں زمیں، چاند، ستارے

لیکن چوں کہ انہوں نے یہ لڑائی شہرت وناموری کے جذبات سے یکسر عاری ہو کر لڑی تھی اس لیے جب کاروانِ آزادی اور قافلۂ حُرّیت منزلِ مقصود تک پہنچا تو یہ میرِ کارواں اور سرخیل آزادی گوشۂ گمنامی میں جا کر بیٹھ گئے اور دنیاداروں سے کہہ دیا کہ جو شخص شہرت وناموری چاہتا ہے وہ جائے، اور اپنی خدمات کی مزدوری لے اور جگہ جگہ اپنے مجسّمے نصب کرائے۔ ہمیں اِس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ ہم نے یہ لڑائی مزدوری لینے کے لیے نہیں لڑی ہے، اپنی

قربانیوں کے صلات لینے کے لیے نہیں لڑی ہے، بل کہ ہم نے یہ جنگ اللہ کی خوش نودی اور اس کی رضا جوئی کے لیے لڑی ہے، ہمارے ہندوستان کو ہمارے مجسّمے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس ہندوستان کا ؎

پتّہ پتّہ بوٹہ بوٹہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مگر اے لوگو! ہمیں ان مجاہدین کی یادوں کو زندہ رکھنا ہوگا، اُن کی بے مثال ولا زوال قربانیوں سے اپنوں اور بیگانوں کو آشنا کرانا ہوگا، کیوں کہ ملک کے غداروں اور مسلم دشمنوں کی کوشش یہ ہے کہ اُن عظیم مجاہدین کے کارناموں سے ہندوستانی عوام کو اندھیرے میں رکھا جائے اور یہ تأثر دیا جائے کہ جنگِ آزادی مسلمانوں نے نہیں صرف ہندؤوں نے لڑی ہے اور وہ یقیناً اپنی اِس ناپاک سازش میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں کیوں کہ آج خود ہماری نئی نسل ان بزرگوں کی عظیم قربانیوں سے یکسر ناواقف ہو چکی ہے۔

لہٰذا! اگر ہم ان مقدس ہستیوں کے مجسّمے حرام ہونے کی وجہ سے نصب نہیں کرا سکتے تو کم از کم اُن کے نام پر ادارے اور لائبریریاں تو کھولی جا سکتی ہیں تا کہ ہماری جدید نسل اور آئندہ آنے والی نسلیں اُن بزرگوں کی جاں نثاری و جاں سپاری اور وطن کے ساتھ وفاداری کے حیرت انگیز واقعات کو فراموش نہ کر سکیں، اگر چہ ہمارے ان عظیم اسلاف نے زبانِ قال وحال دونوں سے کہہ دیا ہے ؎

نہیں منت کشِ تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دینی مدارس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی أَمَّا بَعْدُ:
فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o قَالَ اللّٰہُ تَعالٰی:
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

محترم صدرِ جلسہ، معزز سامعین کرام، اور ملت کے پُرعزم نوجوانو!

میں آج آپ حضرات کے سامنے دینی مدارس کی اہمیت وافادیت پر لب کشائی کی اجازت چاہتا ہوں۔

حضرات! دینی مدارس جو اِس وقت آپ کے سامنے ہیں دراصل یہ سب اسلام کے مضبوط قلعے ہیں، یہ دارِ ارقم اور صفّہ کے چبوترہ کی شاخیں ہیں۔ جن کے اصل بانی شہنشاہِ کونینؐ ہیں، درحقیقت یہ راہِ جنت ہے۔ یہاں پر معرفتِ الٰہی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ یہاں علمِ نبوت کی شعاؤں کو جگمگایا جاتا ہے، یہاں امت کے رہبر ورہنما کو تیار کیا جاتا ہے، یہاں کفر وشرک کی تاریکی کا قلع قمع کیا جاتا ہے، یہاں باطل کی تیز وتند آندھیوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے، یہاں مصلحِ امت پیدا کیا جاتا ہے۔ یہاں بدعات وخرافات کے اُمنڈتے سیلاب کو روکا جاتا ہے۔

مخاطبین محترم!

بہت ہی حیرت کن بات ہے کہ لوگ اس کے باوجود یہ شکایت کرتے ہیں کہ مدارس نے دنیا کو کیا دیا؟ میں پوچھتا ہوں کہ مدارس نے دنیا کو کیا نہیں دیا۔

مجھے بتلاؤ کہ: دنیائے انسانیت کو عبدالقادر جیلانیؒ جیسا مصدق کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: دنیائے انسانیت کو امامِ غزالیؒ جیسا معرف کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: ابوحنیفہؒ جیسا مفقہ کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: اشرف علیؒ جیسا مفکر کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: مجدد الفِ ثانی علی جیسا کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: شیخ الہند جیسا مجاہد کس نے دیا؟

مجھے بتلاؤ کہ: انور شاہ کشمیریؒ جیسا محدث کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: حسین احمد مدنیؒ جیسا اولوالعزم کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: مفتی شفیعؒ جیسا مفسّر کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: قاری طیبؒ جیسا مدبر کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: ابوالحسنؒ جیسا مبلغ کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: صدیق احمد جیسا مربی کس نے دیا؟
مجھے بتلاؤ کہ: شاہ ابرار الحق جیسا مصلح کس نے دیا؟

سامعین محترم!

کیا یہ بات اظہر من الشمس نہیں ہے کہ ان مراکزِ علم کے بطن سے سیکڑوں ایسی ہستیاں جنم لے رہی ہیں، جن کا قلب وجگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا۔ جن کی زندگی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف تھی، جن کے اخلاق وکردار سارے عالم میں محبوب تھے، جن کی ساری عمر امت کی رہبری ورہنمائی میں مصروف تھی، جن کے ساری فکر، امت کی اصلاح میں مشغول تھی، جن کی نگاہیں شراب ایمانی سے مخمور تھیں۔

حاضرین عظام!

یہی وہ مدارس ہیں جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمِ کی تصدیق ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کی تاکید ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی تعمیل ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ کی تنبیہ ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کی تکبیر ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی تعریف ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٍ کی تعلیم ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ کی تحقیق ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ کی تذکیر ہوتی ہے۔
یہی وہ مدارس ہیں جس میں وَجَاهِدُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کی ترغیب ہوتی ہے۔

محترم حضرات!

آج مغربی تہذیب کی گھنگھور گھٹائیں دنیا پر چھا رہی ہیں۔آج اسلامی شعائر وخصوصیات کو مٹایا جارہا ہے۔آج کس طرح دشمنانِ اسلام کی نگاہیں ہمارے مدارس ومساجد کی جانب اٹھی ہوئی ہیں۔آج کس طرح ظلم وجور کی آندھیاں لوگوں کو دہشت زدہ کر رہی ہیں۔آج کس طرح علم دین کی دوری کی وجہ سے قادیانیت وعیسائیت کے مکر وفریب میں آکر نادان مسلمان مرتد ہورہے ہیں۔منکرین حدیث اور مطعنین ائمہ کے دھوکہ میں آکر بھولے بھالے مسلمان گمراہ ہورہے ہیں۔آج کس طرح ٹیلی ویژن،جہیز اور بے پردگی جیسے ملعون فتنوں سے معاشرہ کو برباد کیا جارہا ہے۔آج دنیا ایسے فتنوں کی آندھیوں میں امت محمدیہ کی لگام تھامنے، لشکر اسلام کی قیادت کرنے کے لیے، اسلام پر مر مٹنے کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کے لیے عبد القادر جیلانیؒ جیسا ایمانی جوش وحرارت پیدا کرنے والا، ظلم وتشدد،جور وفتن کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے سرفروشانہ اور مجاہدانہ کارناموں سے ملک وملت کو سر بلند کرنے والے کی منتظر ہے اور ایسے علماء کسی فیکٹری، کالج یا یونیورسٹی سے نہیں، بل کہ صرف اور صرف دینی مدارس ہی سے جنم لیتے ہیں۔

اس لیے مدارس کو مضبوط ومستحکم کرنے کی ضرورت ہے، کیوں مدارس ہی کے ذریعہ چہار دانگِ عالم میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم لہرایا جاسکتا ہے۔مدارس ہی کے ذریعہ باطل کو توڑا جاسکتا ہے، مدارس ہی کے ذریعہ بھٹکتی انسانیت کو انسانیت کا درس دیا جاسکتا ہے، مدارس ہی کے ذریعہ تعصب کو اخوت ومحبت میں بدلا جاسکتا ہے، مدارس ہی کے ذریعہ خیر وبھلائی کی آہنی دیوار کو کھڑا کیا جاسکتا ہے۔مدارس ہی کے ذریعہ نادان کلیوں کو سلیقۂ تبسم سکھلایا جاسکتا ہے۔مدارس ہی کے ذریعہ ساری دنیا کو پیغام صلح دیا جاسکتا ہے۔مدارس ہی کے ذریعہ فکر انسانیت کو صحیح راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔میں اپنی گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس ہم تمام مسلمانوں کو مدارس کی اہمیت کو سمجھنے کی توفیق عنایت کرے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدرسہ کی مختصر حقیقت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔أَمَّا بَعْدُ: وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَه. او كما قال عليه الصلوٰة والسلام

ہمیں دنیا سے کیا مطلب، مدرسہ ہے وطن اپنا مریں گے ہم کتابوں پر، ورق ہوگا کفن اپنا

محترم سامعین کرام! آج کی مجلس میں، میں آپ حضرات کے روبرو ''مدرسہ کی مختصر حقیقت'' کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔امید ہے کہ بغور سماعت فرمائیں گے۔

مدرسہ ایک بہت بڑی نعمت ہے، آج کے پُرفتن دَور میں مدرسہ بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔اللہ نے آج ہم کو یہ نعمت عطا کی ہے ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے ،علم دین کا اتنا سیکھنا فرض ہے جس سے نماز روزہ وغیرہ درست ہوسکے، علم دین کی تعلیم اس مدرسہ میں ہوتی ہے۔یہ مدرسہ ماں کی گود کی طرح ہے،جس طرح بچہ ماں کی گود میں پرورش پاتا ہے، اسی طرح انسان یہاں بھی پرورش پاتا ہے، اور مدرسہ انسان کو حقیقی انسان بناتا ہے، یہ مدرسہ چند افراد مل کر بناتے ہیں اور مدرسہ کئی افراد کو بناتا ہے، ہم مدرسہ کی عمارت بناتے ہیں اور مدرسہ ہمارا قلب بناتا ہے۔ اللہ سے ہمارا تعلق جوڑتا ہے، اور یہی انبیاء کا کام تھا کہ مخلوق کو خالق سے جوڑتے تھے۔یہ مدارس بھی ہمیں اللہ سے جوڑتے ہیں ،جس طرح انبیاء مخلوق کو خالق سے جوڑتے تھے؛ اسی طرح مدرسے ہم کو اللہ سے جوڑتے ہیں لہٰذا ان مدرسوں کو نہ کوئی طاقت ہلاسکتی ہے اور نہ کوئی ان مدرسوں کو توڑسکتا ہے۔

محترم بزرگو اور دوستو! یہی وجہ ہے کہ آج مدارس کا جال ہراطراف واکناف میں پھیلا ہوا ہے، جب کہ حکومتیں رات دن ان اداروں کو مٹانے اور ختم کرنے کی کوششیں کررہی ہیں، لیکن ان اداروں کا نظام ایسی ذات عالی کے قبضہ میں ہے جس کو نہ کوئی بگاڑسکا ہے اور نہ بگاڑ سکے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۔اب اس کے متعلق سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سنیں، کیا فرماتے ہیں؟ حضرت انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اگر دنیا میں ان لوگوں کو دیکھنا چاہتے ہو جن کو اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کردیا ہے تو طلبۂ علم دین کو دیکھو،

بخدا جو طالب علم صرف علم حاصل کرنے کی نیت سے کسی عالم کے دروازے پر جاتا ہے، اس کو ہر حرف اور ہر قدم پر ایک سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک شہر بنا دیا جاتا ہے، جہاں جہاں اس کے قدم پڑتے ہیں وہ زمین اس کے لیے استغفار کرتی ہے۔ صبح وشام فرشتے اس کی مغفرت کا اعلان اس طرح کرتے ہیں۔ ''هٰؤلاءِ عِتقاءُ اللّٰه مِن النَّار'' یہی ہیں جن کو اللہ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو علم دین حاصل کرتے ہیں، مدرسے میں رہتے ہیں۔ ظاہری بات ہے جب طلبۂ کرام کا اتنا بلند مقام ہے تو ان لوگوں کی کیا شان ہوگی جو طلبہ پر خرچ کرتے ہیں، مدرسے میں امداد دیتے ہیں، ان کے روپیوں اور پیسوں سے جو عمارتیں بنائی جاتی ہیں تو آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو کتنا بڑا اجر دے گا۔

دوستو! مدرسہ کیا ہے؟ مدرسہ میں قرآن ہے۔ جو اللہ کی کتاب ہے، انقلابی کتاب ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی، ہل چل مچادی، سب سے پہلے قرآن نے آکر یہ کہا کہ جو بندے خدا سے ٹوٹ چکے تھے انہیں خدا سے جوڑا اور فرمایا کہ تم تعلق کو توڑتے ہو۔ لیکن خدا نہیں توڑتا چناں چہ اگر خالق کا مخلوق سے تعلق نہ ہوتا تو قرآن نہ بھیجتا قرآن نے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ دکھائی۔ زمانے کو خیر القرون بنا دیا اور قرآن قیامت تک آنے والوں کے لیے مشعل راہ بن گیا۔ قرآن کریم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ اور خاتم النبیین بنا دیا۔

بہر حال ادارہ کا مدار طالب علم اور مدرس پر موقوف ہے، تعمیر سے اونچائی نہیں آتی اس ادارہ کا رشتہ اصحاب صفہ سے چلا ہوا ہے جس کے معلم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جس کے طالب علم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاروق اعظمؓ جیسے تھے، ہم یہ فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ''اُولٰئکَ آبَائِی فَجِئنِی بِمِثلِهِم'' کیا کوئی یونیورسٹی سے فارغ ہونے والا اس طرح کا فخر کرسکتا ہے؟ یہ وہی دینی ادارہ تھا جہاں جبرئیل خود طالب علم بن کر استفادہ کے لیے آئے تھے اور کہتے تھے کہ ایمان اور احسان کیا چیز ہے؟ قیامت کب آئے گی؟ تو اس مرکز میں طالب علم بن کر حضرت جبرئیل بھی آتے رہے، ایسا نہ کوئی پیش کرسکا اور نہ تا قیام قیامت کرسکے گا۔

دوستو! مدرسہ کی قدر کرو تم نہ کرو گے تو خدا دوسروں کو پیدا کر دے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور دعا ساتھ ہے۔ ادارہ نہیں مٹ سکتا جس کا تعلق ادارہ سے ہو وہ بھی نہیں مٹ سکتا۔ لہٰذا اس کی قدر کرو اور اس سے تعلق جوڑو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینی اداروں کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخِرُ دَعوَانا اَنِ الحَمدُ لله رَبِّ العالمين

مدارس کی اہمیت وافادیت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی أَمَّا بَعْدُ:

قال اللّٰہ تعالیٰ فی کتابہ العظیم وخطابہ القدیم : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ صدق اللّٰہ العظیم۔

جناب صدر، سامعین کرام، حاضرین جلسہ!! سب سے پہلے میں خداوند قدوس کا ہزار بار شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس قابل بنایا کہ اس عظیم موقعہ پر آپ حضرات سے گفتگو کرسکوں، اپنے دلی جذبات اور قلبی احساسات آپ تک پہنچاسکوں اور اس پروگرام کے موقعہ پر جومسلمانوں کا ترجمان اور پوری ملت اسلامیہ کی نمائندگی کرتا ہے۔اس سنہرے موقعہ سے فائدہ اٹھاؤں اور صاف طور سے آپ کو بتلادوں کہ آپ جو یہاں اکھٹے ہوئے، سر جوڑ کر بیٹھے، دور دراز کا سفر کیا، قیمتی وقت صرف کیا، اپنے آرام وراحت کو قربان کیا، آپ کا اس طرح بیٹھنا، ایسی دینی محفلیں قائم کرنا، ایسے پروگرام منعقد کرنا اور اس میں شرکت کرنا بڑا اہم اور مبارک فریضہ ہے، اس سے امت کی ساکھ اور ملی تشخص باقی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے آمین!

حضرات! اس موقعہ پر مدارس اسلامیہ کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، یہ مدارس جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں بہت سے جھونپڑیوں، چھپّروں کی شکل میں، کوئی قلعہ کی شکل میں، کوئی بہترین وشاندار عمارتوں کی شکل میں، دراصل یہ سب اسلام کے مضبوط قلعے ہیں، دین کے آہنی حصار ہیں، ان سے ملت کا تشخص قائم ہے، یہ امت اسلامیہ کے دھڑکتے دل ہیں، یہ اسلامی کلچر وثقافت کے آئینہ دار ہیں، یہ اخلاق وایمان اور اخلاص وروحانیت کے سرچشمے ہیں، یہاں مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے، یہاں پیاسوں کو سیرابی ملتی ہے، یہاں طلبہ کے قلوب میں اخوت وہمدردی، مساوات وروا داری کی تخم ریزی کی جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہاں ان کے افکار وعقائد صحیح ہوتے ہیں، ان میں فکر آخرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، آنے والی

زندگی کے لیے اسے ٹریننگ دی جاتی ہے، اسے سوالوں کے جوابات یاد کرائے جاتے ہیں۔

دوستو! بہت سے حضرات اسے حقیقت سمجھتے ہیں کہ دنیا بہت ترقی کرگئی ہے، اس میں بہت سی چیزوں کی ایجاد ہوگئی، اس کی بھی کوشش ہورہی ہے کہ سورج چاند، اور سیاروں کو اپنے قبضہ میں کرلیا جائے۔طرح طرح کے انکشافات ہورہے ہیں، ان سائنسی ایجادات نے بہت سی چیزوں کا انکار کردیا ہے، لیکن آپ سوچ کر، اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر خدارا مجھے بتائیے، کسی نے اس دوگز زمین کے ٹکڑے کا بھی انکار کیا ہے، موت کے وقت کو کسی نے دو چار گھنٹے کے لیے مؤخر کیا ہے، سانس کی رفتار پر بھی کسی کا قابو ہوا ہے، زندگی بھی کوئی دوبارہ واپس لا سکا ہے، گذرے ہوئے لمحات بھی کسی کے بس میں ہیں، ان سب کا جواب آپ یہی دیں گے کہ یقیناً یہ کام آج تک کسی سے نہ ہوا اور نہ قیامت تک ہوسکتا ہے، جب ہمیں اس کا مکمل یقین ہے کہ ہمیں مرنا ضرور ہے حساب وکتاب بھی ہونا ہے، جس نے پیدا کیا وہ زندگی کے بارے میں سوال کرے گا، ان نعمتوں کے بارے میں پوچھے گا، قبر میں سوال وجواب ہوں گے، ان سوالات کے جوابات، ان کی مشق وتمرین اور ٹریننگ۔بہترین دنیوی کالج، بڑی بڑی یونیورسٹیاں نہیں دے سکتی، ایوانِ حکومت اور ماہرینِ قانون اس کے جواب سے قاصر ہیں، یہ جواب اگر مل سکتا ہے تو انہی بوریے پر بیٹھنے والے علمائے کرام سے اور اُس ابدی زندگی میں رستگاری ہوسکتی ہے تو ان ہی خرقہ پوشوں اور ذکر اللہ میں مشغول ہونے والے حضرات سے۔صحیح ہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اور کسی نے کمالِ عقیدت وارادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سچ کہا ہے ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو! دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اس لیے اُس سدا بہار زندگی کے لیے جہاں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے وہاں کی تیاری کے لیے عقائد وافکار صحیح وسنوارنے کے لیے ان مدارس کا ہونا ناگزیر ہے۔

حاضرین کرام! مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد اسلام پر ایک ایسا دور آیا، اور امت مسلمہ ایسے نازک مرحلوں سے دو چار ہوئی جس نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب وبے کلی کی فضا پیدا کردی، ان پر ہر طرف سے یلغاریں ہونے لگیں، ان کے عقائد کو مسخ

کیا جانے لگا، ذہنی وفکری اِرتداد پیدا کرنے کی منظّم سازشیں ہونے لگیں، ان کی اقتصادی، سماجی اور معاشرتی زندگی کو مفلوج کر دیا گیا، انہیں ہر طرح سے بے دست و پا کر دیا گیا، ٹھیک ان نازک حالات میں علماء و مفکرین اور ملت کا درد رکھنے والے حضرات نے مدارس کا جال بچھایا، چپہ چپہ پر مکاتب قائم کیے اور امت کے نونہالوں اور ملت کے جیالوں کو ذہنی اور فکری قتل سے بچانے کے لیے دور بین نگاہ رکھنے والے غم گسار علماء مسیحی مشینریوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے میدان عمل میں کود پڑے۔ اگر بر وقت یہ علماء کھڑے نہ ہوتے، ان مکاتب و مدارس کا جال نہ پھیلاتے، تو آج ہر گھر میں انجیل پڑھائی جاتی، ان کے عقائد وافکار میں وثنیت و بت پرستی کار حاوی ہوتا، الحاد و لادینیت کا گھر گھر مرکز ہوتا قرآن اور افکارِ اسلامی سے لوگ کوسوں دور ہوتے، انہیں اپنے آقا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے واقفیت نہ ہوتی اپنی تاریخ اور اپنے کارناموں کی انہیں ہوا تک نہ لگتی۔

ان مدارس نے وہ کارنامہ انجام دیا جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، انہوں نے بر وقت مسلمانوں کو سنبھالا دیا، انہیں اپنی تاریخ، اپنے کلچر اور دینی اہمیت کا احساس دلایا، مسلمانوں کے ملی تشخص اور ان کی انفرادیت کو برقرار رکھا۔

حضرات! اس وقت جو چپہ چپہ پر مکاتب و مدارس قائم ہیں، یہ بہت بڑی نعمت ہیں، یہ مدارس معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ پوری سوسائٹی اور سماج کا مکھن ہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کرنے کا ایک ذریعہ ہیں جو ہمارا اور آپ سب کا حقیقی مقصد ہے، اس لیے ہمارا اور آپ کا تعلق بھی ان سے ایسا ہی ہونا چاہیے، جیسے جسم کا روح سے، آفتاب کا روشنی سے، اور پھول کا خوش بو سے ہوا کرتا ہے، اگر آپ کا یہ تعلق باقی ہے، تو سمجھ لیجیے کہ جسم و روح دونوں زندہ ہیں، اگر یہ تعلق ختم ہوا تو پھر ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔

دوستو! بہت سے حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان مدارس سے کیا ملتا ہے؟ ان سے نوکری نہیں ملتی، ان سے ڈگریاں نہیں ملتیں، یہاں کے افراد قوم کے اوپر بار ہیں، ان میں شعور و بیداری نہیں آتی یہ ٹیکنیکل لائن میں آگے نہیں بڑھتے۔ ان حضرات سے میں صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ روزی روٹی کا مسئلہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے، اس کا وعدہ خداوند قدوس نے ہم سے کیا ہے، اس نے روزی روٹی کا ٹھیکہ خود اپنے ذمہ لے رکھا ہے ﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰه

رِزْقُهَا. خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهُ ﴾ اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ روزی کا تعلق قسمت سے ہے عقل سے نہیں، اگر عقل سے اس کا تعلق ہوتا تو بے وقوف بھوکوں مرتے، اور عقل مند ہر وقت مرغ مسلم اور بریانی میں ہی غوطہ لگاتے رہتے لیکن نظامِ قدرت عجیب ہے، اس لیے مسلمانوں کا اصل مسئلہ اور مقصدِ زندگی پیغام خداوندی ہے، دعوت وارشاد ہے اس کاروان سفر میں رہ کر اپنی ابدی زندگی سنوارنا ہے، آخرت کی فکر کرنی ہے، اس بارے میں اسلام وقرآن کے ارشادات مکمل واضح ہیں، صحابۂ کرامؓ واسلافؒ کی زندگی ہمارے سامنے ہے، انہوں نے اس دنیا سے کس طرح خوشہ چینی کی اور اس خوانِ نعمت سے بھی سیرابی حاصل کر کے اور دامن بچائے ہوئے کس طرح دنیا وآخرت کی فلاح وبہبودی ان کے حصہ میں آئی۔

حضرات! یہ مدارس دراصل اسلامی چھاؤنیاں ہیں، ان کے سایہ میں زندگی ملتی ہے، اقدار کی بند کلیاں چٹختی ہیں، افکار کے پھول کھلتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے سایہ میں زندگی پل کر جوان ہوتی ہے اور ان مدارس کے ذریعہ زندگی کا صحیح حل تلاش کیا جاتا ہے، اس لیے ضرورت ہے، وقت کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ ہم وابستہ ہوں، اپنا تعلق قائم کریں، ان کی اعانت کریں، ورنہ یہاں بھی یورپ کے میخانوں کا نظارہ ہوسکتا ہے۔

اقبال مرحوم نے دورۂ یورپ کے بعد کہا تھا کہ ان مدارس کو یوں ہی رہنے دو، ورنہ یورپ کے میخانے دیکھ کر آیا ہوں، وہاں کا نظارہ میں نے کیا ہے، الحاد وزندقہ کی تصویر پیش کرتا ہے، ہر طرف کردارکشی کی مہم ہے، ہر طرف فکرِ گستاخ کا سیلاب ہے۔ اس لیے تمام حضرات سے درخواست ہے کہ ان مدارس کا گام بگام ساتھ دیں اور ہر طرح سے ان کا تعاون کریں اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین واسلام کی اعانت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

علم کے ساتھ عمل کی بھی دے قوت یارب!
اور توفیق مشقت سے بھی حصہ دے دے
پھر ہو فاران کی چوٹی سے صدا کوئی بلند
پھر سے آوازِ محمد کو اُبھارا دے دے

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تحریک آزادی میں علمائے دیوبند کا کردار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّین۔ اَمَّابَعْدُ:

سامعین کرام! یہ میرے لیے بڑی سعادت وخوش نصیبی کا مقام ہے کہ آج اس بزم میں "تحریک آزادی میں علمائے دیوبند کا کردار" کے موضوع پر لب کشائی کی جسارت کر رہا ہوں لیکن آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ باوجود اس کے، کہ ہم طالبانِ علوم نبویہ کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہیں، لیکن اپنے اکابر علماء وصلحاء کی تاریخ اور ان کے کارناموں سے بالکل ناواقف ہیں ہماری نگاہوں سے ہمارے اسلاف کے روشن کارنامے پوشیدہ ہیں، آج میں آپ لوگوں کے سامنے انہیں گوشوں پر اپنی صلاحیت واستعداد اور علم ومعلومات کے مطابق روشنی ڈالوں گا۔

برادران ملت! ہندوستان کی روشن تاریخ گواہ ہے کہ جب جب بھی ہندوستان کو خون کی ضرورت پڑی تو سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی پیش قدمی کی، اور جب بھی ہندوستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوا تو مسلمان آگے بڑھ کر اس کے محافظ و پاسبان بن گئے، آپ حضرات کو معلوم ہے ہندوستان ایک طویل عرصہ تک انگریزی سامراج کے چنگل میں گرفتار رہا، مغلوں کی کمزوری اور ملک کی بدامنی وطوائف الملوکی کی بدولت ہندوستان کو طوق غلامی پہننا پڑا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے زبردست سازش کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا، اور یہاں کی آزاد وخود مختار حکومت وعوام کو اپنا محکوم وغلام بنالیا تھا، میں اس طویل تاریخ کے چکر میں نہیں پڑوں گا، اگر آپ کو زیادہ شوق ہے تو خود ہی تاریخ کا مطالعہ کر لیجیے۔

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ انگریزوں کے خلاف صدائے جہاد بلند کرنے والے انگریزی سامراجی طاقت سے نبرد آزما ہونے والے مسلم حکمراں تھے، سب سے پہلے سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پرچم جہاد بلند کیا پھر جب پشاور کے بالاکوٹ کے علاقہ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے امیر المومنین سیّد احمد شہید اور ان کے رفقاء شہید ہوگئے تو طویل عرصہ تک خاموشی کی چادر تنی رہی ۱۷۵۷ء میں پلاسی کا معرکہ ہوا۔ اور شیر بنگال نواب سراج الدولہ نے ایسٹ انڈیا

کمپنی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور انگریزوں سے ٹکر لی مگر اپنے سپہ سالار میر جعفر کی غداری کے باعث فتح شکست سے بدل گئی اور ہندوستان کا طویل حصہ انگریزوں کے قبضۂ اقتدار میں چلا گیا، بہار و بنگال پر انگریزوں کا کنٹرول ہوگیا، پھر جنوبی ہندوستان میں ٹیپو سلطان کی گرج سنائی دی، اس مردِ خدا نے انگریزوں کو ہندوستان کی پاک سرزمین سے باہر نکالنے کا عزم کرلیا تھا مگر اس کے ساتھ بھی غداری کا معاملہ ہوا، اور اس کے سپہ سالار میر قاسم نے غداری کر کے ہندوستان کو صدیوں کے لیے انگریزوں کی غلامی میں دینے کا راستہ ہموار کردیا، اور ٹیپو سلطان مادرِ وطن کی حفاظت کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں شہید ہوگیا، اس کی شہادت پر انگریز افواج کے جنرل نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ ''اب ہندوستان ہمارا ہے''۔

برادرانِ اسلام! ٹیپو سلطان کی شہادت نے ہندوستان کی آزادی پر سیاہی پھیر دی، پھر بھی آزادی کے متوالے پرچم حریت بلند کرتے رہے۔ نواب اَوَدھ واجد علی شاہ کی گرفتاری کے بعد بیگم حضرت محل، احمد شاہ ابدالی اور جھانسی کی رانی نے انگریزوں کے سامنے سر جھکانے اور آزادی کا سودا کرنے کے بجائے دیش کی حریت و آزادی پر قربان ہونا گوارا کیا۔ تاریخ کے اوراق نے ان شخصیات کو یاد رکھا۔ پے درپے کی ناکامیوں کے بعد اب ایک اور جماعت آتی ہے، مسجد و محراب کے باشی، تسبیح و عمامہ رکھنے والوں کی جماعت آگے بڑھتی ہے اور پرچم حریت کو بلند کرتی اور شمع آزادی کا محافظ و نگہبان بن کر سامنے آتی ہے، جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۷ء کا انقلاب برپا ہوتا ہے، یہ علماء کی تحریک تھی، شاملی کے میدان میں معرکہ ہوتا ہے اور ہزاروں حفاظ اور ہزاروں علماء جذبۂ جہاد سے سرشار، جوشِ آزادی سے سرمست انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوگئے، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت پر متفق یہ جماعت دیش کو اپنے لہو کا خراجِ پیش کرنے کے لیے آگے بڑھی، مگر مشیتِ الٰہی کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، لہٰذا یہ انقلاب بھی ناکام ہوگیا، بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون روانہ کردیا گیا۔

مغل حکومت کا ٹمٹماتا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، شہزادے شہزادیاں قتل کردی گئیں ہزاروں علماء کو تہہ تیغ کیا گیا، سیکڑوں علماء کو کالے پانی کی سزا سنائی گئی، ہزاروں مسلمانوں کو برسرِ عام پھانسی دے دی گئی اور انگریزوں نے دہلی کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں جن بڑے علمائے کرام نے شرکت کی اور علمِ حریت بلند کیا ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا مملوک

علی دیوبندی، حافظ ضامن کاندھلوی، مولانا محمد جعفر صاحب تھانسیری، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دوسرے جید علماء شریک تھے۔

برادران ملت! تاریخ طویل اور وقت کم ہے مگر سنئے کیا ہوتا ہے ۱۸۵۷ء کے بعد ایک دور کا اختتام ہوتا ہے تو دوسرے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب کے بعد مسلمانوں پر مصائب وآلام کے جو پہاڑ توڑے گئے اور زوال وانحطاط کی کیفیت ان پر طاری ہوئی اس سے ان کے وجود کو خطرہ لاحق ہوگیا اور دین ومذہب کی بقا کا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا۔ ایسے نازک وقت میں ایک اسلامی مرکز کی شدید ضرورت تھی، لہٰذا حافظ عابد حسین صاحب، حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحب، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے صلاح ومشورہ اور نگرانی وسرپرستی میں ایک مرکز کی بنیاد رکھتے ہیں اور ۱۸۶۶ء مطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ بروز بدھ کو مرکز علم وفن، گلشن قاسمی، الہامی انداز میں وجود میں آیا۔ اس کا مقصد ایک طرف ہندوستان میں شمع دین کو روشن رکھنا تھا تو دوسری طرف انگریزوں کے خلاف مجاہدین کو تیار کرنا تھا، قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرنے والوں کے ہاتھوں میں پرچم آزادی دے کر میدان کارزار میں بھیجنا تھا، اور دنیا نے دیکھا کہ مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے اپنے استاذ ملا محمود احمد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والا دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا طالب علم محمود الحسن سب سے پہلے پرچم آزادی کو بلند کرتا اور انگریزوں کے خلاف تحریک چلاتا ہے، دنیا انہیں شیخ الہند کے نام سے یاد کرتی ہے۔

برادران ملت! دارالعلوم دیوبند سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جو تحریک شروع کی تھی، وہ معرکۂ بالاکوٹ اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد تیسری سب سے بڑی تحریک تھی، اس کو "تحریک ریشمی رومال" کا نام دیا گیا تھا کیوں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ افغانستان اور ترکی کی مدد سے ہندوستان میں فوجی انقلاب لانا چاہتے تھے انہوں نے ایک ریشمی رومال میں ہندوستان کا نقشہ اور افغانستان کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہونے کی راہوں کو نقش ونگار کی شکل میں افغان بادشاہ کو سمجھایا تھا۔ مگر یہ رومال ان کے ایک خادم کی جاسوسی کی بدولت پکڑ لیا گیا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے "جمعیۃ الانصار" کے نام سے ایک جماعت دارالعلوم میں قائم کی اور مولانا عبیداللہ سندھی اس کے ناظم تھے، جو ایک سیاسی تحریک چلانے والی اور آزادی کا

نعرہ بلند کرنے والی جماعت تھی، شیخ الہند نے علامہ سندھی کو کابل روانہ کیا تھا، انہوں نے وہاں زبردست کام کیا اور ایک کانگریس کمیٹی بنائی جس کا الحاق انڈین نیشنل کانگریس سے کیا، شیخ الہند نے ایک جلاوطن حکومت بھی بنائی تھی علامہ سندھی اس کے وزیر اعظم تھے اور راجہ مہندر پرتاپ سنگھ اس کے صدر تھے، اور یہ شیخ الہند ہی تھے جنہوں نے مہاتما گاندھی کو افریقہ سے بلایا اور اس کے بعد ان کو تحریک آزادی کا ہیرو بنا دیا۔

برادرانِ اسلام! شیخ الہند کے کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے والے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی بھی تھے۔قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا اور ساتھ ہی گرفتار ہوئے اور مالٹا میں استاذ کے ساتھ شریک ہوئے۔ ''ہندوستان چھوڑو تحریک'' میں حصہ لیا، انگریزی فوج میں مسلمانوں کی بھرتی کو حرام ہونے کا فتویٰ دیا اور کراچی کے مقدمہ میں کفن ساتھ لے گئے تھے، کھدر پوشی کو شعار بنایا، ہندوستان کے گوشہ گوشہ کا دورہ کیا اور آزادی کی تحریک میں روح پھونک دی، اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے تحریکِ آزادی میں زبردست رول ادا کیا۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی یہ تمام حضرات علمائے دیوبند کے ہَرَاول دستہ میں شامل تھے، جمعیۃ علمائے ہند اور علمائے دیوبند نے کانگریس کے شانہ بشانہ آزادی کی لڑائی لڑی ہے۔جیل کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، عذاب وایذاء کے مزے چکھے ہیں، اگر کہا جائے کہ مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو اور دوسرے اہم قومی لیڈروں کو ہیرو بنانے والے ہمارے علماء ہی تھے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار انصاری، سیف الدین کچلو اور امام الہند وفخر ہند مولانا ابوالکلام آزاد اور سیکڑوں ان جیسے اہم لیڈران، مسلم زعماء اور علمائے اسلام کی قربانیوں کو اگر اہلِ ہند یاد کرلیں، تو آج مسلمانوں کو غدار وطن کہنے والے، ان کو غیر ملکی کہنے والے دشمن وطن فرقہ پرست اپنا سر شرم سے جھکالیں گے۔

برادرانِ ملت! آخر میں یہی کہوں گا کہ قلتِ وقت کے باعث علمائے دیوبند کے کارناموں کو کما حقہ بیان نہ کرسکا مگر اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند کے خمیر میں جذبۂ حریت اور جوشِ جہاد پایا جاتا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی اور نرالی شان ہے۔وما توفیقی الا باللّٰہ

دینِ اسلام اور ہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ أَمَّا بَعْدُ:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِید: فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ وَلَھُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ۔

باتوں سے بھی بدلی ہے کسی قوم کی تقدیر
بجلی کے چمکنے سے اندھیرے نہیں جاتے

عزیز ساتھیو! اللہ ربّ العزّت نے قرآن کو ہدایت نامہ بنا کر نازل فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی لئے مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو دین کی طرف بلائیں اور عمل صالح کی دعوت دیں اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔

صحابۂ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو تسلیم کیا اور آپ کی ہدایت پر عمل کرتے چلے گئے۔ اللہ نے ان کے ساتھ نصرت اور آسانی کو شامل کیا اور ان کو یہ دین محنت ومشقت کے بعد ملا، تو انہوں نے کما حقہٗ اس کی قدر کی، اور یہی دین ہمارے پاس بغیر کسی محنت کے ہماری گود میں آ گیا ہے، ہمیں کچھ کرنا نہیں پڑا، ''مالِ مفت دل بے رحم'' والا معاملہ ہے، اس لئے ہمیں اِس کی قدر نہیں اور نہ اس کے احکام پر چلنے کا شوق ہے۔ ہم نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دوسرے دینی امور سے دور اور بے بہرہ اور نا آشنا ہیں۔

دوستو! اس لئے مسلمانوں پر قسم قسم کے حالات آتے ہیں۔ قرآن نے ہر قدم پر انسانیت اور مسلمانوں کی رہبری کی ہے، مگر ہم اس سے دُور اور غیر کا خوف دل میں بسائے ہوئے ہیں، اور خدا کا خوف ہمارے دل سے نکلا ہوا ہے۔ اس لئے ہم ان حالات اور پریشانیوں سے گزرتے ہیں، نہ ہمارے دل میں خدا کا خوف نہ اس پر یقین۔ ساری نظر ہماری ظاہری اسباب پر ہے، اس لئے سارے جہاں میں آج مسلمان پریشان ہیں۔

اے مسلمانو! خدا کا خوف دل میں بٹھاؤ، اور خدا پر یقینِ کامل رکھو۔ نماز اور صبر کے ذریعہ خدا سے مدد طلب کرو۔ یہ دو بڑے ہتھیار ہیں مسلمانوں کے لئے، قرآن اعلان کرتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ اور ہر وقت خدا کی یاد میں لگے رہو اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔ آج ہر مسلمان کی زندگی پریشانیوں میں نظر آتی ہے۔ کیوں کہ مسلمان خدا کو بھول چکا اور اس کی یاد سے غافل ہو چکا ہے۔ قرآن کریم میں رب رحمٰن کا فرمان ہے: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ کہ تم مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد کرتا رہوں گا اور میرا شکر کرتے رہو، نافرمانی نہ کرو۔ جہاں کہیں بھی ہو خدا کی یاد سے دل کی دنیا آباد رکھو اور معاشرہ کی اصلاح کی فکر کرو، گناہوں سے اجتناب کرو، ورنہ یہ دین کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اگر ہم اس دین کی فکر نہ کریں گے یا اس پر نہیں چلیں گے، اس کے احکامات کو نہ بجالائیں گے تو خدائے تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا جو تم سے بہتر ہوگی۔

﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ لہٰذا اپنے ایمان کو مضبوط کرو اور ایمان پر جمے رہو، خدا سے طلبِ مدد اور استغفار کرتے رہو۔ اسی میں کامیابی کی سند ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزیں جب تم میں ہوں گی تو عذاب نہیں آئے گا، ایک میری ذات اور دوسرے استغفار۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ رہے، مگر استغفار تو باقی ہے۔ لہٰذا استغفار کی کثرت رکھا کرو اور خدا سے دعائیں کرو، اپنے برے اعمال سے توبہ کرو اور خدا سے رجوع کرو۔ پھر دیکھو ان حالات ومصائب سے کیسے چھٹکارا ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ راست پر چلنے اور دین پر جمے رہنے کی توفیق اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شہدائے اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُبِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَاo مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ،وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ o وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ .اَمَّا بَعْدُ:

فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ فِي الْقُرآنِ الْمَجیدِ وَالْفُرقَانِ الْحَمیدِ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُم سُبُلَنَا (الخ)

برادرانِ اسلام! شہدائے اسلام کا سب سے پہلے مصداق اور اولین درجہ رکھنے والے صحابۂ کرام کی مقدس جماعت ہے، جن کی طبیعت میں اللہ نے شوق شہادت کا جذبہ پیدا کیا تھا، پھر شوق شہادت میں اللہ کی راہ میں گردن کٹانے سے کبھی گریز نہیں کیا، بے خوف وخطر میدان جنگ میں کود پڑتے تھے، نہ مال کی پرواہ، نہ جان کی پرواہ، نہ اولاد کی پرواہ، نہ باغات کی پرواہ، صرف اور صرف ایک ہی آواز، ایک ہی اعلان، ایک ہی جذبہ، اللہ کی راہ میں اپنی جان کو قربان کر کے جام شہادت نوش کرنا۔

چناں چہ حضرت ابوبکرؓ اپنے وطن سے بے وطن ہو رہے ہیں، حضرت عمار بن یاسرؓ کو شہید کیا جارہا ہے، حضرت خبابؓ کو انگاروں پر لٹایا جارہا ہے، حضرت بلالؓ کے سینے پر پتھر رکھے جارہے ہیں۔

الغرض یکے بعد دیگرے صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کررہے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے باری آجاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں اے میرے بھتیجے اب صبر کا کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اب قوت برداشت جواب دے چکی ہے، اس لیے مجھے

اجازت دیجیے کہ میدان کارزار میں جا کر جنگ میں شریک ہوکر جام شہادت نوش فرماؤں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چچا تھوڑا ٹھہر جاؤ، سیدنا حضرت حمزہؓ عرض کرتے ہیں، اے میرے لاڈلے بھتیجے! آپ ہر ایک کو اجازت دے رہے ہیں آخر مجھ کو کیوں اجازت نہیں دیتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وانت سنو لابي، آپ تو میرے ابو کی جگہ پر ہیں حتیٰ کہ ایک موقع پر آپ نے مجھے فرمایا تھا اے محمد جب تجھے تیرا ابو یاد آئے تو مجھے دیکھ لیا کرو، کیوں کہ میرا اور تمہارے ابو کا چہرہ اللہ نے ایک سا بنایا ہے، آپ ہی نے کہا تھا کہ محمدؐ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، جہاں تیرا پسینہ بہے گا وہاں حمزہ اپنا خون بہا دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خدا حافظ۔ سیدنا حمزہ عرض کرتے ہیں فِي اَمَانِ اللّٰہ یَا مُحمدً۔

الغرض سیدنا حمزہؓ کے جذبہ وتڑپ اور آرزو کو دیکھ کر، خواہش کو دیکھ کر، شوق کو دیکھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ میدان کارزار کی طرف چل پڑتے ہیں، کفار کے مقابلے کے لیے میدان جہاد میں اتر جاتے ہیں اور جہاد شروع کر دیتے ہیں۔ چناں چہ ایک وہ وقت آتا ہے جب سیدنا حمزہؓ شہید ہو جاتے ہیں۔

حضرت حمزہ کی شہادت کا منظر یاد کر کے کلیجہ کانپ جاتا ہے، دماغ فیل ہو جاتا ہے، قلم رُک جاتا ہے، سرور دوعالمؐ اپنے چچا کے جسم کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے میرے پروردگار! میرے چچا کی لاش کا کیا حال کر دیا گیا، پاؤں کاٹ دیئے گئے، انگلیاں کاٹ دی گئیں، آنکھیں نکال دی گئیں، زبان کھینچ لی گئی۔

الغرض پورے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے، پہچان کے لائق نہیں رہنے دیا گیا، کوئی شناخت باقی نہیں رہنے دی گئی، اللہ اللہ اسی دوران حضرت حمزہ کی بہن پہنچتی ہے، جسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو جاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ یہ حمزہ کی حالت کو دیکھ کر روئے اور چلّائے گی، چیخیں مارے گی، ماتم کرے گی اور نہ جانے بھائی کی یاد میں کیا کیا کرے گی۔

لیکن قربان جایئے! اس مرد مجاہد کی غیرت مند بہن پر۔ نہ روئی، نہ چلائی، بل کہ صبر واستقامت کا پہاڑ بن کر یہ کہنے لگی کہ بھائی جاؤ! جنت کی حوریں تمہارے انتظار میں ہیں۔ مجھے کہنے دیجیے، حضرت حمزہؓ کی یہ شہادت ٹکڑے ٹکڑے ہونا، تن من دھن قربان کرنا، دشمن اسلام سے لڑنا۔ یہی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے یہ اسلام ہم تک آیا، آج ہم شہدائے اسلام کے

صدقے میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہیں۔اور آج سر اٹھا کر چل رہے ہیں۔

ذرا سوچئے تو صحیح! صحابۂ کرامؓ کی وہ حالتیں جب کہ مالی اعتبار سے اور تعداد کے اعتبار سے دشمن کے مقابلہ میں کم تھے۔لیکن جذبۂ شہادت سے سرشار ہونے کی وجہ کر ہزاروں پر بھاری تھے اور آج مسلمان مالی اعتبار سے، افراد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہیں۔اربوں کی تعداد مسلمانوں کی موجود ہے،سونے جیسا سیال پیٹرول مسلمانوں کے قبضے میں ہے،اس کے باوجود مسلمان ہر طرف رسواو ذلیل ہو رہے ہیں،مسلمانوں کو حقیر سمجھا جارہا ہے،مسلمانوں کی داڑھی سے کھیلا جارہا ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کا تمسخر اڑایا جارہا ہے اس کے باوجود مسلمان ان تمام ظلم کو سہہ رہے ہیں۔اور گھاس کی طرح اکھاڑ کر پھینکے جارہے ہیں۔

دوستو! اس کی وجہ یہی ہے،آج ہمارے اندر صحابہ کرام جیسا ایمان نہیں رہا،صحابہ جیسا حوصلہ نہیں رہا،حالاں کہ صحابہ کرام تعداد اور افراد کے اعتبار سے بھی کم تھے اور آج مسلمان تعداد اور افراد کے اعتبار سے سب سے زیادہ نظر آتا ہے۔

دوستو! آج ہمیں بھی صحابہ جیسا حوصلہ رکھنا پڑے گا،صحابہ جیسا توکل رکھنا پڑے گا، صحابہ جیسا ایمان رکھنا پڑے گا،صحابہ جیسی تکالیف کو برداشت کرنا پڑے گا،تب کہیں جاکر ہمارے اندر صحابہ کی حقیقت پیدا ہوگی،کہ کس طریقے سے صحابہ نے اپنی زندگی کو سنوارا تھا،کیوں کہ انہیں آخرت کی سب سے زیادہ فکر تھی کہ کسی طریقے سے ہم آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔

اسی لیے دوستو! آپ نے صحابہ کی تاریخ کو پڑھا ہوگا کہ اگر جنگ کا اعلان ہو جاتا تو اپنی ہر چیز کو قربان کر دیتے تھے،انہوں نے بچوں کو قربان کیا،اپنے وطن کو چھوڑا،اپنے اہل وعیال کو چھوڑا،اپنی نئی نویلی دلہن کے سہاگ اور ارمان کو اسلام کی قربان گاہ پر قربان کیا،تب جاکر وہ صحابہ بنے۔اور اللہ رب العزت نے''رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ''کے عظیم خطاب سے سرفراز کیا۔

آج ہمیں بھی اپنے اندر صحابہ کی صفتوں کو پیدا کرنا پڑے گا،ان کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا تب جاکر ہم کامیابی وکامرانی کی چوٹی پر پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہم تمام کے دلوں میں شہدائے اسلام کی عظمت پیدا فرمائے! آمین یارب العالمین۔ وما توفیقی الا باللہ

فیملی پلاننگ اور یورپ کی تقلید

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلىٰ رَسُوْلِهِ الْكَرِيمِ أمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ لا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ او كما قال عليه الصلوٰة والسلام.

برادران اسلام اور حاضرین جلسہ! اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ مذہب اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے بے نظیر اور بے مثال ہے، جو لازوال اور باکمال ہے، جو تمام مذاہب عالم میں ممتاز اور منفرد ہے، جس میں حیات انسانی کے تمام قوانین کو مکمل طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

زندگی کا کوئی ایسا مرحلہ نہیں، جس میں اسلام کا پیش کردہ دستور حیات ہماری راہ نمائی نہ کرتا ہو، زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں، جس میں اسلام کا بیان کردہ ضابطۂ حیات ہماری دست گیری نہ کرتا ہو، زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس میں قرآن ہماری قیادت نہ کرتا ہو اور زندگی کی کوئی ایسی منزل نہیں، جہاں پہنچ کر شریعت محمدی دم توڑ دیتی ہو، بل کہ ہر آن، ہر لمحہ، ہر وقت اور ہر گھڑی اسلام کی تعلیم آپ کو راہ نمائی کرتی ہوئی ملے گی، عبادت ہو یا سیاست، معاشرت ہو یا تجارت، خلوت ہو یا جلوت، شادی ہو یا غم، مرنا ہو یا جینا۔ ہر جگہ شریعت اسلامیہ یکتا اور منفرد حیثیت اور مقام رکھتی ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا درس دیا انسانیت کا پیغام دیا، جینے کا سلیقہ سکھایا اور معاشرت کا وہ طرز بتایا کہ بڑے بڑے دانشوران قوم کو اسلام کے در پر ماتھا ٹیکنے پر مجبور ہونا پڑا، فارس و روم کی عقلیں حیران ہو گئیں سکندر و دارا کی زبانیں خاموش ہو گئیں، سقراط و افلاطون کی زبانیں گنگ کا شکار ہو گئیں اور کہنا پڑا۔

واقف تو ہیں اِس راز سے یہ دار ورسن بھی
ہر دور میں تکمیل وفا، ہم سے ہوئی ہے

لیکن میرے عزیز دوستو! اسلام کا کٹر دشمن یورپ قرآن کو مٹانا، جس کا مشن رہا ہے،

جس نے ہر دور میں اسلام کی مخالفت کی ہے اُس کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ قرآنی تعلیمات پر اب غور کرنے کی ضرورت ہے اسلام کے عائلی قوانین میں تغیر کی ضرورت ہے، زمانہ بڑی رفتار سے عروج کے منازل طے کر رہا ہے۔ حالات بدل چکے ہیں، آبادی سے زمین تنگ ہو چکی ہے، کثرت اولاد ترقی کے لیے رکاوٹ ہے اس لیے قرآن اگر تعدّدِ ازواج کو جائز قرار دیتا ہے تو اسے بدلا جائے اگر پیغمبر اسلام نے ''تَنَاکَحُوا وَ تَنَاسَلُوا'' فرمایا ہے تو اس پر غور کیا جائے۔ اسلام نے اگر کثرت اولاد کو بہ نظر تحسین دیکھا ہے تو اس پر نظر ثانی کی جائے، یہ وقتی باتیں تھیں اب ان کی گنجائش نہیں ہے، جگہ جگہ نس بندی اور فیملی پلاننگ کی آواز اٹھائی جارہی ہے، سڑکوں اور چوراہوں پر ''ہم دو ہمارے دو'' اور ''ایک کے بعد ابھی نہیں دو کے بعد کبھی نہیں'' کا نعرہ لگایا جاتا ہے، انٹرنیٹ کے ذریعہ پوری دنیا کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ تاکہ اسلام کو بدنام کیا جائے، قرآن کو ناکام کیا جائے، تعلیمات نبوی کو فرسودہ ثابت کیا جائے، نئی نسل کے ذہن کو خرابی کا اڈہ بنایا جائے۔ لیکن...... اے وقت! مجھ کو کھوکھلی دیوار مت سمجھ صدیوں سے زلزلوں کے مقابل رہا ہوں میں۔ اور ؂

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دوستو! قرآن خداوند قدوس کی آخری کتاب ہے، اب اِس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی، اب قرآن کا قانون قیامت تک چلتا رہے گا، چاہے زمانہ میں کتنا ہی انقلاب ہو جائے، حالات میں کتنا ہی تغیر و تبدل ہو، دنیا لاکھ کروٹیں بدلے، اسلام کا قانون نہیں بدلا جائے گا، جب تک شمس و قمر کا نظام چلتا رہے گا اسلام کا قانون بھی جاری رہے گا، اسلامی تعلیمات کبھی فرسودہ نہیں ہو سکتے! کیوں

ہے قول محمد قول خدا، فرمان نہ بدلا جائے گا
بدلے گا زمانہ لاکھ مگر، قرآن نہ بدلا جائے گا

مغرب زدہ ذہن کے لوگ بیٹھ کر حساب لگاتے ہیں کہ دس سال میں ملک کی آبادی ڈیڑھ کروڑ بڑھ گئی۔ سو (۱۰۰) سال میں چار گنی ہو جائے گی، اتنے آدمی کہاں سمائیں گے، مگر اے اسلام کے عائلی قوانین پر اعتراض کرنے والو! کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے ہزار ہا سال سے انسانوں کی بستی اس زمین پر بسا رکھی ہے وہ خود اُس مسئلہ کو حل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ زمین پر چلنے پھرنے والی تمام چیزوں کا رزق خدا کے ذمے ہے، ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِين﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا صاحب قوت ہے اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَاب﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے..... چناں چہ یہ وسائل جو آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ پہلے نہیں تھے، جوں جوں آبادی بڑھی اس کے ساتھ معیشت کے اسباب و ذرائع بھی پھیلتے رہے، ہزار ہا برس قبل چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا سے اٹھتی ہوئی بھاپ دکھائی دے رہی تھی مگر کسی کو اندازہ نہ تھا کہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں یہی بھاپ رزق کے کتنے دروازے کھولنے والی ہیں، کچھ دن پہلے کسی کے خواب و خیال میں یہ بات نہیں تھی کہ بہت جلد زمین کے پیٹ سے پٹرول کے چشمے ابلنے والے ہیں اور اس کے ساتھ موٹروں اور ہوائی جہازوں کی صنعت ابھر کر معیشت کی ایک دنیا برپا کر دینے والی ہے، پہلے لوگ جھونپڑیوں اور پہاڑوں کی کھوہ میں زندگی گزارتے تھے مگر آج سنگ مرمر کا مکان، خوب صورت بلڈنگیں اور فلک بوس عمارتیں ہیں، پہلے ڈاک کے ذریعہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنا پیغام بھیجتے تھے مگر آج کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا زمانہ ہے ذرا بتاؤ تو سہی!............ کہ

اِن تمام چیزوں میں کس کی کرشمہ سازی ہے؟ اِن تمام چیزوں کے وجود میں کس کی کار فرمائی ہے؟ کس نے یہ ذہن دیا؟ کس نے یہ سبق پڑھایا؟ کس نے فضاء پر حکومت کرنا سکھایا؟ کس نے چاند پر کمند ڈالنا سکھایا؟ اور بتاؤ! کس نے تم کو زمین پر چلنا سکھایا؟ کس نے تم کو جینے کا طریقہ بتایا؟

اِن تمام سوالات کا جواب کیا دوگے؟............ یہی نا کہ ان تمام چیزوں میں اُسی ایک ذات کی کارسازی ہے..... جو خالق کائنات اور مالک کائنات ہے، جو رزاق ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِين ہے، جو کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالارْضِ ہے۔

وہی سارے جہاں کا پالن ہار ہے، اس لیے آج سے چودہ سے سال قبل جب کہ زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا عام رواج تھا، بے گناہ معصوم بچیوں کی زبانیں کاٹ لی جاتی تھیں، معیشت کے خیالات نے ان کو دیوانہ بنا دیا تھا، قرآن نے اعلان کیا: ﴿لَا تَقْتُلُوا

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم﴾ رزق کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا: ﴿وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ ایک جگہ فرمایا: وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا دنیا میں اپنا حاصل کرنا نہ بھولو۔ اور ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَ لَا تَجْعَل يَدَكَ مَغْلُولَةً﴾ اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا مت رکھو۔

یعنی اسلام رہبانیت اور جوگیت کی تعلیم لے کر نہیں آیا ہے، جاؤ اور رزق تلاش کرو بنجر زمینوں کو کاشت زار بناؤ اور جھاڑیوں سے زمین نکالو، کوشش تم کرو، روزی ہم دیں گے۔

حضرات گرامی! شریعت میں اِس کی کوئی گنجائش نہیں کہ توالد و تناسل کا سلسلہ بالکل ختم کر دیا جائے۔ ولادت کے خوف سے وضع حمل کیا جائے، برتھ کنٹرول اور فیملی پلاننگ شریعت اسلامیہ اور تعلیمات نبوی کے خلاف ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ضبط ولادت ساری بدکاری اور برائیوں کی جڑ ہے۔ اس سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے، بے حیائی عام ہو جاتی ہے، بداخلاقی اور بدکرداری کی آندھی چل پڑتی ہے اِن ہی خرابیوں سے متاثر ہو کر یورپ کے مشہور ڈاکٹر ستیاوتی اپنی کتاب ''فیملی پلاننگ'' میں لکھتا ہے ''برتھ کنٹرول کے ثمرات بہت خطرناک نکلتے ہیں، سکون قلب ختم ہو جاتا ہے، نیند کا نام و نشان نہیں رہتا، عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں اور بے شمار خرابیاں اس میں پائی جاتی ہیں''۔

یہ رائے ہے ایک دشمن اسلام ڈاکٹر کی مگر اس نے واقعہ کی صحیح تفسیر کی ہے۔ حقائق کا انکشاف کیا ہے اور اگر تمہیں اس کا اعتراف نہیں ہے تو پھر ہمیں بتاؤ کہ ویت نامی ملک نے امریکہ کو کیوں پریشان کر رکھا ہے، اس کے سامنے اس کو کیوں جھکنا پڑ رہا ہے، چین کے نام سے امریکہ کے بدن پر کیوں کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے اور ذرا یہ بھی بتاؤ کہ اسامہ کے ایک نام نے تمہاری نیندیں کیوں حرام کر دی ہیں؟

سکھائے ہیں محبت کے نئے انداز مغرب نے
حیا سر پیٹتی ہے عصمتیں فریاد کرتی ہیں

حضرات محترم! توالد و تناسل معاشرہ کی فلاح و بہبود اور سماج کی تشکیل کی پہلی ضرورت ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تناکحوا وتناسلوا، کہ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ۔

اور ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: ''تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَـوْمَ الْـقِيَـامَةِ'' زیادہ بچہ دینے والی اور زیادہ محبت کرنے والی عورت سے شادی کرو، تاکہ کل قیامت میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

اور جب حضرت ام سلیمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت انس کے لیے دعاء کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: اَللّٰهُـمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ: اے اللہ اُن کے مال اولاد کو زیادہ کردے۔

اس طرح کی ایک دو نہیں ،درجنوں ایسی احادیث ہیں جن میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری امت کو توالد وتناسل کی ہدایت کی ہے، چناں چہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

وَالْاَخْبَارُ فِي هٰذَا الْمَعْنٰى كَثِيرَةٌ تَحُثُّ عَلٰى طَلَبِ الْوَلَدِ وَتَنْدِبُ اِلَيهِ لِمَا يَرجُوهُ الانْسَانُ مِن نَفْعِه فِي حَيَاتِه وَبَعدَ مَوتِه.

اس سلسلہ میں روایات کثیر ہیں جو طلب اولاد پر ابھارتی ہیں اور اس کی رغبت دلاتی ہیں، اس لیے کہ انسان ان سے اپنی زندگی اور مرنے کے بعد نفع کی امید رکھتا ہے۔

دوستو! لیکن آج مجھے افسوس ہے مسلمانوں پر، جن کے عقائد بدلتے جارہے ہیں، جن کے قول وعمل میں یورپ کی تقلید ایک عام مزاج بنتا جارہا ہے، غیر مسلموں کی طرح مسلمانوں میں بھی یہ احساس جاگزیں ہوتا جارہا ہے، کہ فیملی پلاننگ ایک بہترین عمل ہے ورنہ ہماری زمین تقسیم ہوجائے گی، دولت بٹ جائے گی، اور ہم بھوکے مرجائیں گے آہ! کتنے دکھ کی بات ہے۔

حالاں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ رزق دینے والی، عزت دینے والی، دولت دینے والی اور پرورش وپرداخت کرنے والی بس ایک خدا کی ذات ہے، جو ساری دنیا کا پالن ہار ہے، جو پہاڑوں کی بلندیوں پر رینگتی ہوئی چونٹیوں کو کھلاتا ہے، جو زمین کی تہہ میں رہنے والے جانوروں کی پرورش کرتا ہے، جو سمندر میں تیرنے والی مچھلیوں اور جانوروں کو پالتا ہے جو اُڑتے ہوئے پرندے کو آسودہ کرتا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، لیکن ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔

تقلید یہ یورپ کی ، رضا مند ہو اتو   مجھ کو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

وماتوفیقی الا باللہ العظیم لاحول ولا قوۃ الا باللہ

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّي عَلیٰ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم. أَمَّا بَعْدُ:

فَأعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَ لَا تَھِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ أَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْن.

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

محترم حضرات معزز سامعین کرام!!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کی سربلندی وبرتری کی ایک تدبیر بتلائی ہے۔ بڑے پُر وثوق لہجہ اور بھرپور اعتماد کے ساتھ بابانگِ دہل اور ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا ہے کہ: اے مسلمانو! تمہیں کامیاب ہو، تمہیں اس دنیا کے مالک ہو! دنیا کی تمام چیزیں تمہارے لیے ہیں ۔عزت وشرافت کے تم ہی ٹھیکیدار ہو، کائنات تمہارے آگے جھک سکتی ہے۔ چرند وپرند تمہاری اطاعت کر سکتے ہیں ۔لیکن اس کے لئے ایک شرط لگائی ہے: وَ اَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْن فرمایا: ’’تمہیں سربلند ہو بشرطیکہ تم مومنِ کامل ہو‘‘ ایمان کی حلاوت وچاشنی تمہارے اندر ہو، یقینِ کامل کی دولت سے تم مالامال ہو، مومن کی تمام صفات تمہارے اندر موجود ہو۔

فرزندانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سے جملے اور اس چھوٹی سی آیت میں حقیقت کا انکشاف کیا ہے، آنکھیں کھول دی ہیں اور صاف طریقہ سے فرمادیا کہ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، کوئی خوف محسوس نہ کرو دنیا کی کوئی چیز تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، شیر تم سے ڈر سکتے ہیں، چیتے تم سے کپکپا سکتے ہیں، دنیا کی بڑی سے بڑی چیز تمہاری غلام بن سکتی ہے۔لیکن وہی شرط لگادی ہے۔ اگر ایمان وایقان کی بادِ بہاری نے تمہارے قلوب میں گلشن پیدا کردیا ہو، ایمانی صفات اور دینی خصوصیات کے تم حامل ہو۔

لیکن دوستو! آج کا انسان یہ تو چاہتا ہے کہ دنیا اس کے آگے جھک جائے، جس چیز کو وہ چھوئے تو وہ سونا بن جائے، دس کے مقابلے میں اکیلا کافی رہے، اس کی عزت وشرافت کو دنیا

سلام کرے، ہر تمنا اس کی پوری، ہر خواہش اس کا بڑھ کر استقبال کرے۔لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ اس کو یہ شرافت وعظمت، اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب خدا کی غلامی کرے، رنگ وخون کے بتوں کو پاش پاش کر کے ایک ہی حقیقی فرماں روا کا پرستار ہو، چڑھتے سورج کی پوجا چھوڑ کر مسجودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو، اس کو یہ مقام تبھی حاصل ہوسکتا ہے جب کہ اس کی چیز اللہ کی ہو جائے۔ شیخ سعدیؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ شیر پر بیٹھا ہوا ہے، ڈنڈا اس کے ہاتھ میں ہے۔اور شیر کا کان اینٹھ رہا ہے، اس کو جدھر چاہتا ہے چلاتا ہے شیر بلا چوں وچرا اس کی تابعداری کر رہا ہے، اس کے آگے آگے چل رہا ہے۔شیخ صاحبؒ کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا، اس آدمی نے شیخ سعدیؒ کو متعجب وحیران دیکھ کر کہا کہ اے سعدیؒ! تعجب کیوں کر رہے ہو؟ تمہیں حیرانی کیوں ہے ؟ یہ تو شیر ہے دنیا کی ہر چیز تمہاری تابعدار بن سکتی ہے۔لیکن شرط یہ ہے ؎

تو از حکمِ داور گردن میچ که گردن نہ پیچد ، از حکمِ تو ہیچ

کہ تم خدا کے حکم سے سرتابی نہ کرو، دنیا کی کوئی طاقت تمہارے حکم سے سرتابی نہ کرے گی۔کسی عارف نے سچ کہا ہے: مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ جو اللہ کا ہوگیا، اللہ اس کا ہوگیا۔

حضرات! آج مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وہ ایمان سے کوسوں دور، حقیقی معرفت کا اس کے پاس کوئی نام ونشان نہیں، نہ اس کا کوئی مقام ہے، نہ منصب وٹھکانا، وہ در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔کل جو تمام دنیا پر حکومت کرتا تھا آج وہ خود غلام بنا ہوا ہے۔کل جو سمندروں میں گھوڑے ڈال دیتا تھا۔آج خود وہ پانی سے ڈرتا ہے، کل جو ہواؤں کے رُخ موڑ دیتا تھا، آج ہوا کے تھپیڑے اس کے رُخِ زیبا کو جھلسا دیتے ہیں۔کل جو آگ سے صحیح سلامت نکل جایا کرتا تھا، آج اس کی حالت یہ ہے کہ ایک ہی چنگاری اس کے پورے وجود کو خاکستر کر دیتی ہے۔کل جو حاکم تھا آج محکوم ہے، کل جو آقا تھا آج غلام ہے حقیقت یہ ہے کہ فلاکت ونکبت نے اسے ہر چہار جانب سے گھیر لیا ہے، پریشانی وزبوں حالی اس کی قسمت بن گئی ہے، اس کا ایمانی شعلہ سرد پڑ چکا ہے۔

مولانا حالی نے درد بھرے انداز میں اس کا رونا رویا ہے ؎

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے

نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے؟ آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

حاضرینِ کرام!! یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں، کہ آج ہمیں اپنے ایمان کا بھی پاس ولحاظ نہیں رہا ہے، صرف نام کے مسلمان باقی رہ گئے ہیں مسلمانوں کی صفات تک باقی نہیں رہی، وہ جوش وہمت، جذبۂ اطاعت اور اخلاص وللّٰہیت نہیں ہے، کفر ہمارے اوپر ہنس رہا ہے، باطل ہم پر خندہ زن ہے لیکن ہم ہیں کہ خدا کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ اقبالؒ مرحوم نے قوم کو اس الفاظ میں احساس دلایا ہے۔ کہا ہے ؎

خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

دوستو! ایک وہ بھی مسلمان تھے جب مدائن فتح کرنے کے لئے گئے تو راستہ میں ایک سمندر پڑ گیا، مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے، مسلمانوں کی ایمانی قوت اور دین کے پُر جوش ولولہ نے کہا، ایمان کی طاقت کے سامنے یہ سمندر کیا چیز ہے؟ ہم اِسی میں گھوڑے ڈال دیں گے۔ چناں چہ مجاہدینِ اسلام نے، صحابۂ کرام کی مقدس جماعت نے سمندر میں گھوڑے ڈال دیے اور اس طرح باتیں کرتے گزر گئے جیسے خشکی پر سے گزر رہے ہیں اور پورا سمندر عبور کر گئے۔ کافروں نے جب یہ حالت دیکھی تو سب یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے، دیوآمدند، دیوآمدند، کہ دیو آگئے دیو گئے۔ اسی طرح مجاہدینِ اسلام کو فتح حاصل ہوگئی ہے۔ اقبالؒ نے خوب ترجمانی کی ہے ؎

دشت تو دشت ہے، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑادیئے گھوڑے ہم نے

حضرات! یہ ایک ہی ایسا واقعہ نہیں ہے، بل کہ تاریخ کے صفحات پر ایسے سیکڑوں، ہزاروں واقعات آپ کو مل جائیں گے جس میں مسلمانوں نے ہر میدان میں فتح پائی، انہوں نے پہاڑوں سے ٹکر لی تو پہاڑوں کی سنگینی کے دل چھوٹ گئے، برق وباد راہ میں حائل ہوئے تو ان کا رُخ موڑ دیا۔ وہ جنگلوں میں گئے تو جنگلوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، انہوں نے خاک پر

ہاتھ ڈالا ، اُسے سونا بنادیا۔ چرند، پرند اور درندے، سب اُن کے تابع فرمان ہو گئے۔ سمندروں کے قطرے ، بیابانوں کے ذرّے، پہاڑوں کی گھاٹیوں، آسمانوں کے تارے سب نے خوش آمدید کہا، انہیں اعزاز بخشا، اقبالؒ نے درست فرمایا ۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

آپ کو یاد ہوگا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔ افریقہ کے بیشتر علاقے فتح ہو گئے ہیں، اسلامی نام لیواؤں اور ملت کے جیالوں نے افریقہ کی سرزمین پر اسلامی علم بلند کر دیا ہے، درودیوار پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، وہاں کی پرشکوہ عمارات اور بلند و بالا مینار اسلامی عظمت وسطوت کے سامنے خم ہو گئے اس وقت کچھ اوباشوں اور دشمنانِ اسلام نے دین کی راہ میں روڑے اٹکانے اور وہاں کے سیدھے سادے نو مسلموں کو بہکانا اور ورغلانا شروع کر دیا، اس سے بڑی رخنہ اندازی پیدا ہونے لگی تھی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی سرکوبی کے لئے اور حالات کو معمول پر لانے کے لئے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بھیجا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں جا کر حالات کا جائزہ لیا اور طے یہ ہوا کہ یہاں ایک اسلامی چھاؤنی بنائی جائے، باتیں ہونے لگیں، کسی نے کہا کہ چوکی بیچ چوراہے پر بنائی جائے، کسی نے کہا کہ یہ محل سرا اس کے لیے موزوں جگہ ہے لیکن اسلامی لشکر کے سردار نے کہا کہ چوکی افریقہ کے جنگل میں بنائی جائے گی افریقہ کے لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ بالکل بے وقوف اور پاگل معلوم ہوتے ہیں، افریقہ کا جنگل تو وہ ہے جہاں دن میں ہی لوگ جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ کوئی اگر وہاں پہونچ جاتا ہے تو واپس نہیں آتا ہے۔ وہاں بڑے بڑے اژدہے ، دھاڑتے ہوئے شیر، ڈکارتے ہوئے بھیڑیے اور قسم قسم کے موذی جانور رہتے ہیں، بھلا وہاں چوکی کس طرح بنائی جائے گی؟ لوگوں نے منع کیا، لیکن یہ فیصلہ اٹل تھا، کہ چوکی جنگل ہی میں بنے گی۔ اپنی جماعت کو لے کر مسلمان افریقہ کے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ افریقہ کے کچھ غنڈے اور اوباش قسم کے لوگ بھی ساتھ ہو گئے یہ تماشا دیکھنے کے لیے، کہ دیکھیں کہ آج ان بدّوؤں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، تماشائی کی حیثیت سے ساتھ چلے، جنگل کے کنارے پہونچ کر امیر لشکر جنگل میں داخل ہو گئے، پوری جماعت کنارے کھڑی رہی، اس امیر لشکر اور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان مومنِ کامل

نے ایک آواز لگائی کہ اے جنگل کے رہنے والے چرندو، پرندو، درندو اور موذی جانورو!!! آج مہمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، غلامانِ اسلام کو اِس جنگل کی ضرورت ہے، میں اس ایمان کے ناطے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ جنگل ہمارے لئے خالی کر دو، اگر تم نے نہ مانا تو پھر جس کو ہم پائیں گے، قتل کر ڈالیں گے۔

سامعینِ کرام!!

اندازہ لگائیے! آواز کیا تھی؟ نہ معلوم کوئی گولی چلی تھی، یا کوئی بم پھٹا تھا، یا اس آواز میں جادو تھا، موّرخین نے لکھا ہے، تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت دیتے ہیں، بھیڑیے اپنے اپنے بچوں کو منہ میں دبائے اس طرح جا رہے تھے جیسے کوئی مفتوح قوم فاتح کے سامنے سے گذرتی ہے، یا جس طرح غلام اپنے آقاؤں کی فرماں برداری کرتے ہیں؛ آن کی آن میں پورا جنگل خالی ہو گیا؛ افریقہ کے اوباشوں کے اوسان خطا ہو گئے، تماشائی حیرت زدہ رہ گئے، یہ قوّتِ ایمانی تھی، یہ ایمانی صفات تھیں جس کے ذریعہ وہ ہر چیز پر حکومت کیا کرتے تھے، برگ وشجر، بحر وبر، ارض وسماء کائنات کی ہر چیز ان کے تابع تھی۔

سامعین حضرات!!

آج بھی اگر وہ ایمان پیدا ہو جائے، یقین کی وہ کیفیت ہمارے اندر آجائے۔ ہم ظاہر کے مسلمان نہیں رہیں، بل کہ باطن اور اندرون قلب کو مسلمان بنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں عزت حاصل نہ ہو، ہمیں دونوں جہان میں کوئی ٹھکانا نہ ملے، اطمینان وسکون ہمیں میسر نہ ہو، باطل اور طاغوتی طاقتیں ہم سے نہ ڈرنے لگیں۔ قرآن مجید کا اعلان ہماری زندگی کے عین مطابق ہو۔ صرف یہ شرط اپنے اندر پیدا کریں۔ ﴿وَ أَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن﴾

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ کامل کی دولت سے مالا مال فرمائے اور مومنِ کامل بن جائیں۔ آمین یَا رَبَّ العَالمین !

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْن

قوموں کا عُروج وزوال

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُبِا للّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَاo مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ،وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ o وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .أَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالىٰ فِي الْقُرآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرقَانِ الْحَمِيدِ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o "وَتِلْكَ الاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ".

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
یہ گورِ سکندر یہ ہے قبرِ دارا
مٹے ناميوں کے نشان کیسے کیسے

صدرِ محترم، حاضرینِ اجلاس، اور سامعین کرام:۔آج کی اس محفل اور مبارک بزم میں آپ حضرات کے سامنے "قوموں کے عروج وزوال" کی حقیقت اور دنیا کی ترقی وتنزلی کے نقشہ کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔مجھے امید ہے کہ اس آئینہ اور حقیقت کی چھلنی میں ہم اقتدار باختہ اور ترقی یافتہ اقوام کا چہرہ دیکھ سکیں گے۔ان کے مستقبل کا اندازہ ہمیں ہو جائے گا۔ اور خود اپنے تئیں فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

حضرات! دنیا آج سے نہیں ہزاروں بل کہ کروڑوں برس سے قائم ہے اور قیامت تک باقی رہے گی، اس مدت میں نہ معلوم کتنی قومیں روئے زمین پر نمودار ہوئیں، کتنی قوموں نے اس دنیا کے اسٹیج پر کرشمہ سازی کی، اپنے کرتب دکھلائے، تماشہ کیا اور چل بسیں، فنا کے گھاٹ

اتر گئیں، کتنی ہی قوموں نے اس قدر ترقی کی کہ دنیا کو معلوم ہونے لگا کہ ان کی ترقی لازوال ہے، یہ قوم فنا ہو ہی نہیں سکتی، اس کی حکومت ختم نہیں ہوسکتی۔ لیکن جب حقیقی طاقت رکھنے والے فرماں روا نے ان کی قسمت کا فیصلہ کیا تو ایسی گری، کہ دنیا ان کے نام سے بھی واقف نہیں رہی، ان کے وہ نقوش بھی باقی نہیں رہے، جن پر ان کو ناز تھا۔ نمرود نے سوچا کہ ہم نے تو اب خدائی کا دعویٰ کرڈالا، بابل ونینوا کے تمام اختیارات ہمارے قبضہ میں ہیں، ان کے کھنڈرات پر بھی ہمارا سکہ جاری ہے، اقتدار کا تازیانہ ہمارے پاس ہے، قوت وطاقت اور غلبۂ وتسلط، فوج وسپاہ لشکر ورعایا سب پر ہماری حکمرانی کا سکہ چل رہا ہے اسی نشۂ اقتدار میں سرمست ہوکر نمرود نے تمرد وسرکشی کی، ظلم وستم اور کفر وعدوان کا ایک نیا باب شروع کیا، غریبوں کے خون سے نشاط کا ساغرِ احمری تیار ہونے لگا۔ رعایا کی جھونپڑیاں اجاڑ کر شاہی محل سرا تعمیر ہونے لگے اور اس نے سوچا کہ میرے اقتدار کو کوئی خطرہ نہیں، قوت وطاقت میرے ادنیٰ غلام ہیں۔ لیکن جب فیصلۂ خداوندی ہوا، اور ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ کا اصول سامنے آیا تو نمرود اتنا بے حقیقت ہوکر مرا۔

شیخ فریدالدین عطار نے فرمایا ع　　　　پشۂ کارش کفایت ساختہ

کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر اس پر مسلط کیا اور اس ایک مچھر نے اس کا کام کرڈالا، فنا کے گھاٹ اتار دیا، اِس دنیا سے اُس دنیا کا راستہ دکھادیا، اور اس کی حکومت کے نقوش بھی باقی نہ رہے۔

فرعون نے سر ابھارا، فرعونیت وطاغوتیت کے نتیجہ میں حق سے ٹکر لی، خدا سے پنجہ آزمائی شروع کی اَنَا رَبُّكُمُ الاعلیٰ کا دعویٰ کیا، سب سے بڑا خدا ہونے کا نعرہ بلند کیا، اسی عجب وغرور کے نتیجہ اور اقتدار وطاقت کے نشہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ ناروا سلوک کرنا شروع کیا، انہیں طرح طرح سے ستایا جانے لگا، پیدا ہوتے ہی ان کے نرینہ بچوں کا قتل عام ہونے لگا، ممتا کی آغوش سے ان کے جگر پاروں کو چھین کر انہیں کے سامنے خنجر وتلوار کی نوک پر ہوا میں اچھالا جاتا اور پھر دو ٹکڑے کرکے ان کی آغوش میں دے دیا جاتا۔

فرعون نے سوچا کہ وقت کی طاقت تیرے پاس ہے، دریائے نیل پر تیری حکمرانی ہے، مصر کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں، شاداب کھیتیاں اور سبزہ زار پھلواریاں تیرے تصرف میں ہیں، خدم وحشم، جاہ ومنصب، نوکر وچاکر، دولت وثروت تیرے ادنیٰ اصیل ہیں، آسمان مصر کی گردنیں تیرے آگے جھکی ہوئی ہیں۔

لیکن دوستو! جب اس کی بھی باری آئی، خدا کے حکم سے ضربِ عصائے موسیٰ علیہ السلام نے اس کا کام تمام کر ڈالا تو وہ بحرِ قُلزم میں اس طرح غرقاب ہوا کہ اسے کوئی رونے والا بھی میسر نہ ہوا، تاج وتخت سے دور، حکومت وسلطنت سے الگ اور اپنے اعزہ واقرباء سے تنہا بے حقیقت ہو کر ختم ہوا کہ اپنی حکمرانی میں کسی کو اپنی بے بسی کی داستان سنا بھی نہ سکا، اور آن کی آن میں اس کے اقتدار کا شاخسانہ ٹوٹ پھوٹ کر خاک میں مل گیا۔

سامعین کرام! واقعہ یہ ہے کہ اس فانی دنیا کے اسٹیج پر کتنے ہی جبابرہ، نماردہ، فراعنہ، اکاسرہ، قیاصرہ آئے اور اپنے اپنے وقت میں ایسے ایسے.......... کرشمے دکھائے جس نے دنیا کو حیرت کے سمندر میں ڈال دیا۔ اور دنیا نے یقین بھی کر لیا کہ ان کی ترقی لازوال ہے، وقت کا دیوتا ان پر مہربان ہے، اب یہ طاقت کبھی ختم نہیں ہو سکتی، ان کے اقتدار کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا، لیکن جب اس قوم میں اوصاف جہاں بانی ختم ہو گئے، حکمرانی نے ان کے ذہن ودماغ کو عجب وغرور کی گندگی سے سڑا دیا، رقص وسرود، انانیت اور ظلم وستم، خدا سے سرکشی وبغاوت ان کا شیوہ بن گیا، تو صدیوں کی اس مستحکم عمارت کو تہ خاک کر دیا، شوکت وعظمت کے اس مضبوط قلعہ کو اس طرح اُکھاڑ پھینکا کہ دنیا میں ان کا نام لیوا تک نہ رہا، ان کا جلال وجرأت، شاہانہ اقتدار، اور حاکمانہ قوت وسطوت صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گئے۔

محترم حضرات!!

چھٹی صدی عیسوی میں صحرائے عرب سے ایک قوم اٹھی جس نے بہت تھوڑے سے وقت میں قیصر وکسریٰ کے پرخچے اڑا دیئے، رومن امپائر کا خاتمہ کر دیا۔ ایرانی تمدن وتہذیب کو بدل ڈالا، ایک عظیم خطہ کے کلچر وثقافت کو اسلامی کلچر وثقافت میں تبدیل کر دیا، دنیا نے اس ثقافت اور اس عظیم انقلاب میں امن وآشتی، انسانی اقدار وقیم اور حکمرانی وجہاں بانی کے اوصاف دیکھے، ان میں زبردست اخلاقی قوت، روحانی طاقت، اور انسانیت کی تعمیر کا جذبہ پایا نہیں نہیں، بل کہ ان کے کشکول میں ایک لائحہ عمل، ایک ضابطۂ حیات اور انسانی زندگی کے ایسے اصول پائے جو ہر تغیر پذیر زمانہ کا ساتھ دے سکتے ہیں، انہیں جاہ ومنصب سے واسطہ، نہ اقتدار وصلے کی تمنا، ان کا مقصد صرف اور صرف مخلوق کی خالق سے معرفت کرانا تھا، بندوں کو خدا سے ملانا تھا کلمہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عام کرنا تھا، لیکن جب یہ قوم بھی ان اصولوں

سے منحرف ہوگئی، وہ تعمیرِ انسانیت کا جذبہ ختم ہوگیا، وہ اقدار وقیم، وہ اخلاق وافکار ان کی زندگی سے نکل گئے، ان کے قلب ونظر میں وہ جذب ومستی کی کیفیت ختم ہوگئی، تو اقبال نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اس کا نام بھی زوال پذیر قوموں کی فہرست میں آنے لگا۔ غم گسار ملت حضرت اقبال مرحوم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے یوں کہا تھا۔

اے لا الہ کے وارث، باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل، سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا وہ تیرا، جذبِ قلندرانہ

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ کی کسی سے رشتہ داری نہیں ہے، جس قوم کو وہ سربلند کرتا ہے اگر وہ اصول وقوانین کے ساتھ عمل پیرا رہے، خدائی اصول سے منحرف نہ ہو، قوت واقتدار سے وہ نشہ سرمستی سے سرشار نہ ہو، مخلوق کا رشتہ خالق سے جوڑنے کی فکر میں رہے، اس قوم کے سر پر سدا ہمائے سعادت سایہ فگن رہے، اگر وہ ان اصولوں سے منحرف ہوجائے خدا سے رشتہ توڑلے، خود کو سب سے بڑا تصور کرلے، تو یہ خداوندی قانون اس کی سرکوبی کے لیے تیار ہے۔ ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

دنیا میں جن قوموں نے بھی ترقی کی ہے، وہ شروع میں بہت کمزور وگمنام تھیں، دیکھنے والوں کو گمان ہوتا تھا کہ ان کا ستارۂ قسمت کبھی نہ چمکے گا، ان کا آفتابِ اقبال کبھی طلوع نہ ہوگا، مگر صبر واستقلال اور تدبیر وحکمت نے یہ اندازے غلط ٹھہرا دیئے، اور وہ کمزور وناتواں بے سہارا قومیں ترقی کے بامِ عروج پر پہونچ گئیں، کامرانی کی ان بلندیوں تک پہنچ گئیں جس کی وہ آرزومند تھیں۔

بھلا کسے یقین تھا کہ اس جزیرۂ عرب، اس بے آب وگیاہ سنسان صحرا سے نور معرفت کے چشمے ابلیں گے، روحانی ارتقاء اور سیاسی رسوخ کی بدولت دنیا کی عظیم ترین سلطنتیں اس کے آگے سرنگوں ہوں گی، کسے گمان تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفقت ودل سوزی کے پیکر، رقت ونرمی کے مظہر بغاوتوں کے ہجوم میں ہوں گے، اس کے باوجود وہ ایک ہی دن میں گیارہ گیارہ لشکر روانہ کرسکیں گے جو باغیوں کی تادیب، بددماغوں کی تنبیہ، سرکشوں کی سرزنش اور

ارتداد پسندوں کی سرکوبی کریں گے، اور مانعینِ زکوٰۃ سے اللہ کا حق وصول کر کے دم لیں گے۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ آلِ علی وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ چھوٹی سی گمنام وبے نام ٹولی صبح وشام میں اس پر شکوہ سلطنت کو الٹ کر رکھ دے گی؛ حالاں کہ ایک دن وہ تھا جب اسے کہیں پناہ بھی نہیں ملتی تھی، ہر آن اُس کے سر پر دھمکیوں کے بادل گرجتے تھے، وہ تلواروں اور سنگینوں کی زد میں تھی اور کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ صلاح الدین ایوبیؒ کا چھوٹا سا ناتواں جسم برسہا برس تک کوہِ گراں اور سدِ سکندری کے مانند اپنی جگہ ڈٹا رہے گا۔ بیک وقت پچیس پچیس جابر وقاہر بادشاہوں سے مقابلہ ہوگا، زبردست لشکروں کا ہجوم ہوگا، لیکن وہ سلاطین یورپ کو نہایت ذلت وبے آبروئی کے ساتھ لوٹا کر دم لے گا اور کون یہ باور کر سکتا تھا کہ وہ جرمن مزدور ہٹلر قوت وطاقت اور ایسی محیر العقول کامیابی حاصل کر لے گا۔ اسی ہٹلر کا نازی ازم مسولینی کا فاشی ازم اور اسٹالین کا کمیونزم اس طرح ترقی کے بامِ عروج پر پہونچ جائے گا۔

حضرات! جن قوموں میں بے پناہ حوصلہ ہوتا ہے، ان کے عزائم جوان ہوتے ہیں وہ قوم سدا ترقی کرتی ہے، اور جب اس کے مقاصد بھی پاکیزہ، اس کے اصول بھی جامع اور ضابطۂ حیات بھی بلند وآزمودہ ہو وہ قوم کیسے ترقی نہ کرے، کیسے بامِ عروج پر نہ پہونچے، لیکن جب یہ پاکیزہ مقاصد، یہ اصول، یہ بلند دستور اور عزائم جوان نہ رہیں تو وہ قوم فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔

جو قوم بھلا دیتی ہے تاریخ کو اپنی
اس قوم کا جغرافیہ باقی نہیں رہتا

اور یہ دستورِ خداوندی اپنا کرشمہ دکھا دیتا ہے: ﴿وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ **آیئے!** ہم اپنے اندر نورِ سحر، آبِ گہر اور عزمِ جواں پیدا کریں، بلند مقاصد کے حصول میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں، تا کہ ہم سدا ترقی پذیر رہیں، ہمیں ہر مقام پر فتح وکامرانی ہو......اور یہ دعا کریں ؎

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

وما توفیقی إلا باللہ

جہیز
ماڈرن زمانے کے ماڈرن فقیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن. اَمَّا بَعْدُ! قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ. صدق اللہ العظیم.

بیٹے کا جنم ہو تو ، یہ کہتے ہیں فخر سے
اِک لاکھ کا ٹکٹ ہے یہ ، بچہ جہیز کا
یورپ کے جو تھے اہلِ دل، اہلِ زر، دیتے تھے بیٹی کو موٹر خرید کر
ہندوستان کی شانِ امارت تو دیکھئے ، دیتا ہے باپ، بیٹی کو شوہر خرید کر

مؤقر صدر جلسہ، معزز سامعین کرام! آج جو حالات ہمارے سامنے ہیں اور جو معاشرے کی تھکی تصویر ہمارے سامنے آرہی ہے، اسے دیکھ دیکھ کر، پڑھ پڑھ کر ہمارے دلوں میں غم والم کا ایک طوفان اٹھ رہا ہے، کہ اے میرے مولیٰ! ہم انسانیت کے چمن میں ہیں یا درندوں کے کسی جنگل میں زندگی بسر کررہے ہیں، ہمارا ایک ایک گھنٹہ، ایک ایک لمحہ انسانیت کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہوگیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ انسان کی شکل میں درندے کہاں سے آگئے، جنہوں نے شیطانوں کو بھی شرمندہ کردیا، ہم لوگ روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ آج کہیں معصوم لڑکی کو زندہ جلا دیا، آج فلاں مقام پر ایک نوجوان نے اپنی نئی نویلی دلہن کو زندہ جلا دیا، اوران جلتی ہوئی تصویروں کو ہم دیکھتے ہیں، اوران رپورٹوں کو ہم پڑھتے ہیں، تو دل یہ پوچھتا ہے، کیا ظلم تھا ان کا، کیا پاپ تھے ان کے، کس ظلم کے بدلے میں ایک معصوم لڑکی کو زندہ جلا دیا گیا، اور جب کسی معصوم بیٹی پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتے ہو تو تمہارے دل میں یہ سوال

نہیں اٹھتا کہ بتاؤ، اس معصوم سی، نازک سی زندگی نے کیا ظلم کیا تھا؟ وہ کون سا جرم تھا جس کی سزا تمہاری عدالت نے موت لکھی؟؟؟

اللہ رب العزت کا پاک ارشاد ہے ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ کہ ہم نے مردوں کو عورتوں پر قوام مقرر کیا کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں، اللہ رب العزت نے اس آیت کے ذریعے مردوں کو اُس کی حیثیت، اُس کی اوقات، اس کی شخصیت اور اس کی ذمہ داری کو مردوں، عورتوں پر واضح فرمایا کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تمہاری حیثیت قوام کی ہے، تم پر لازم ہے کہ تم محنت سے کمائی کر کے حلال رزق کے ذریعے اپنی بیوی کے نان نفقہ اور بچوں کی پرورش کرنا مردوں پر فرض ہے۔

فرمایا اپنی بیوی اور بچوں کی نفوس کی حفاظت کرنا تم پر لازم ہے، کمانا بیوی پر لازم نہیں، شوہر کو دولت دینا یہ بیوی کی ذمہ داری نہیں، پیسہ کمانا، بازاروں میں جانا، فیکٹریوں کو چلانا، دوکانوں پر بیٹھنا، یہ ذمہ داری عورت کی نہیں، بل کہ مردوں کی ہے، تم کام کو سنبھالو عورتیں گھر کو سنبھالتی رہیں گی، تم زمانے سے لڑتے رہو، عورتیں تمہارے گھر کو جنت کا نمونہ بناتی رہیں گی ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ لیکن آج اس کے معنی بدل دیئے گیے، اس کے جغرافیہ بدل دیئے گئے۔

دوستو اور بزرگو اور ہمارے وطن کے شریک بھائیو!

جو لڑکا شادی کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ جس گھر سے اپنی بیوی کو لا رہا ہے، اُس کے ماں باپ کے غمگین اور دُکھتے دلوں کو کچھ سہارا دے کر آئے، کچھ پیسے دے کر آئے، کچھ دولت دے کر آئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مہر کا ادا کرنا تم پر واجب ہے، بغیر مہر کے نکاح نہیں ہوتا، اور تم اپنی بیبیوں کے مہر اُن کے حوالہ کر دو، مگر آج کے ڈاکو اور فقیر تو ایسے ہیں، جو جہیز کے نام پر بھیک مانگ رہے ہیں، اور بیوی کے باپ سے مطالبہ کرتے ہیں، ہم تمہارے گھر کے بھکاری ہیں، ہم تمہارے گھر کے، تمہاری بیٹی کے کتے اُس وقت ملیں گے جب تم ہمیں خرید لوگے۔

کہا: ٹھیک ہے جناب، آپ ہماری بیٹی کے غلام بن جائیں گے؟

جواب دیا: ہاں ہاں بن جائیں گے

پوچھا: کیا چارج ہیں آپ کے؟

کہا: ایم،اے (M.A) فیل ہوں، بس پندرہ ہزار میں کام چل جائے گا۔

کہا: آپ کی فیس کیا ہے جناب؟

کہا: گریجویٹ ہوں اس لیے ایک لاکھ روپے چاہیے۔

یعنی آج فقیروں کے الگ الگ لسٹ بنے ہوئے ہیں، یہ دس ہزار کے فقیر ہیں، یہ پندرہ ہزار کے فقیر ہیں، یہ ماڈرن فقیر ہیں جو جہیز کے نام پر بھیک مانگ رہے ہیں، مثال کے طور پر آپ دیہات میں چلے جائیں تو وہاں ایک فقیر ملے گا، السلام علیکم بھائی صاحب، کچھ دے دو اللہ کے نام پر، آپ اس فقیر کو دس پیسے دے دیجئے گا تو وہ دعائیں دے کر خوشی خوشی چلا جائے گا، اور کہے گا بھائی دانا ہیں، سخی ہیں، انہوں نے مجھے دس پیسے دیا، لیکن آپ بنگلور کے ایم جی روڈ پر چلے جائیں، دلی کے چاندنی چوک پر چلے جائیں، مدراس اور کلکتہ، بمبئ اور کئی کئی بڑے شہروں میں آپ چلے جائیں، وہاں کوئی فقیر آئے، سوٹ بوٹ، ٹائی لگا کر انگریزی میں مانگے گا: ''پلیز ہیلپ می سر'' ''پلیز گیو می سر'' آپ اس فقیر کو پچیس پیسے نکال کر دیں گے، تو وہ فقیر پچیس پیسے پر نگاہ پڑتے ہی الٹا آپ کی طرف دیکھے گا، کہے گا کہ اپنے زمانے میں خود تو فقیر نہیں تھا؟ کہتا ہے شرم نہیں آتی، مہنگائی کے زمانے میں پچیس پیسے دے رہے ہو، یہ دیہاتی فقیر ہے، جو پچیس پیسے میں مان جاتا ہے، مگر یہ شہری فقیر ہے اس لیے اسے کم از کم ایک روپے دینا پڑے گا، یہ ماڈرن فقیر ہے، یہ وی آئی پی (V.I.P) فقیر ہے، یہ تو انٹرنیشنل بھکاری ہیں، یہ ڈائریکٹ نہیں مانگتے، انہوں نے بھیک مانگنے کے لیے الگ سے رکھا ہے کہ ہم اتنی بھیک دلائیں گے، اتنا کمیشن چاہئے۔

لیکن سنو! اے کمیشن کھانے والو لعنت ہو اُن پر کہ کسی کی بیٹی کو اجاڑ کر لے جانے سے بہتر ہے کہ تم کسی کے دروازے پر بیٹھ جاؤ، تمہیں صبح سے شام تک بھیک مل ہی جائے گی، مگر خدا کے واسطے کسی پر ظلم مت ڈھاؤ، کسی کے گھر کو برباد مت کرو، کسی کو کہنے پر مجبور مت کرو، تم ایک نوجوان ہو، تمہاری ماں نے تمہیں جنم دیا اولاد سمجھ کر، اگر تمہاری ماں یہ سمجھتی کہ میرے پیٹ میں کسی انسان نے نہیں بل کہ کسی بندر نے جنم لیا ہے تو خدا کی قسم پھینک دیتی، اور انسانوں کے اسکول میں تمہیں داخلہ نہیں ملتا، باپ تمہیں اپنی اولاد نہیں سمجھتا، کالج اور یونیورسٹی کے پروفیسر تم پر محنت نہیں کرتے، بسوں کے کنڈکٹر تمہیں انسان نہیں سمجھتے، ریل گاڑی میں تمہیں ریزرویشن نہیں

ملتا، گاڑیوں میں تمہیں سیٹ نہیں ملتی، اور ہندوستان کی حکومت میں تمہیں ملازمت نہیں ملتی، کیوں کہ ملازمت کے لیے انسانوں کی ضرورت ہے، جانوروں کی نہیں۔

تمہارے ماں باپ نے تمہیں انسان سمجھا، تمہارے اسکولوں کے پرائمری ٹیچروں نے تمہیں انسان سمجھا، گلی گلی اور سڑک پر چلنے والے انسانوں نے تمہیں انسان سمجھا، بچپن سے جوانی تک تمہیں سمجھا جاتا رہا، لیکن جب تمہارے نکاح کا وقت قریب آیا تو اب کی بار تم نے ثابت کردیا، کہ پچیس سال تک جن لوگوں نے مجھے انسان سمجھا تھا غلط سمجھا تھا، دراصل میں انسان نہیں ایک شکاری کتا ہوں، درندہ ہوں، جو نکاح کے وقت گھروں میں آگ لگا دیتا ہے، جھونپڑی سے محلّہ تک خاکستر کردیتا ہے، اگر وہ غریب جانتا کہ تم درندے، شکاری ہو تو شاید وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیتا۔ وہ تمہیں انسان سمجھتا ہے، انسان کی اولاد سمجھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تمہارے سینے میں انسان کا دل دھڑک رہا ہے، شاید کہ تم انسانیت کا احترام کرسکو گے، شاید اس کی دھڑکتے ہوئے دل کی دھڑکنوں کو سمجھ سکو گے، وہ تمہیں انسان کی اولاد سمجھ کر اپنا داماد بناتا ہے، اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہے، لیکن تم اس معصوم لڑکی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہو، اور جب تم ان سے مطالبہ کرتے ہو کہ تم اپنے باپ کے گھر کو لوٹ کر میرے گھر کو بساؤ اور اس بوڑھے کی کمائی سے مجھ نوجوان کے سر پر تاج پہناؤ۔

دوستو! پہلی بار انسانیت کا احساس ہوتا ہے کہ انسان کی شکل میں یہ کوئی درندہ تھا، انسانیت کی شکل میں کوئی ڈاکو تھا، انسانیت کی شکل میں کوئی شکاری کتا تھا، جس کے ہاتھ میں ایک معصوم لڑکی کا ہاتھ دے دیا گیا۔

اپنوں کے ستم ہم سے بتائے نہیں جاتے
یہ حادثے تو وہ ہیں جو سنائے نہیں جاتے

محترم بزرگو اور دوستو!

جناب فانی بدایونی صاحب جو بہت بڑے شاعر تھے، جب انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کی تو ساری دولتوں سے اپنی بیٹی کو نوازا اور اپنے داماد کو تمام جہیز دیئے، جہیز جب کم پڑ گئے تو جس گھر میں فانی بدایونی صاحب رہتے تھے، اس گھر کو بھی انہوں نے بیچ دیا اور گھر کو بیچنے کے بعد وہ دولت بھی داماد کے حوالے کردیا، بیٹی جب رخصت ہونے لگی تو باپ نے بیٹی کے کان میں

کہا: ”اے بیٹی ! اس گھر سے جارہی ہو اب دوبارہ اس گھر میں مت آنا، تمہارے نکاح کے جہیز کے ساتھ ساتھ ہم نے اس گھر کو بھی ختم کر دیا، اب تمہارے ماں باپ کسی کرائے کے گھر میں چلے جائیں گے“ بیٹی روتی تڑپتی ہے، مجبور ہے، لیکن سسرال جاتی ہے، چند دنوں میں اطلاع آتی ہے کہ اس کے ظالم سسرال والوں نے بیٹی کو قتل کر دیا ہے، فانی بدایونی صاحب اپنی بیٹی کے جنازے میں جاتے ہیں اور جا کر ایک شعر پڑھتے ہیں۔

اب آیا یاد، اے آرام جاں، اس نامرادی میں
کفن دینا بھولے تھے، ہم تجھے سامانِ شادی میں

سب کچھ دے دیا تھا تیرے جہیز میں دو گز کفن کے ٹکڑے بھی دے دیتے تو کیا فرق پڑ جاتا، تاکہ آج کم از کم جن ظالموں نے تجھے قتل کیا ہے کفن اپنے باپ کے گھر کا دے دیتے۔

حضرات گرامی!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو آسان بتایا، سب سے آسان نکاح کو بتایا، اور سب سے مشکل کام زنا کو بتایا، فرمایا زنا حرام ہے، اور نکاح میری سنت ہے، جو انسان نکاح کرنا چاہے، منٹوں میں کام ہو سکتا ہے، لیکن اگر کوئی زنا کرنا چاہے تو اسلام نے اس کی ایسی دردناک اور سخت اذیت ناک اور عبرت ناک سزا مقرر کیا ہے، کہ اگر ایک انسان کو سرِ عام وہ سزا دے دی جائے تو سزا دیکھ کر دنیا کانپ اٹھے گی، اور قیامت تک کسی کو زنا کرنے کا تصور بھی نہیں ہوگا، معاشرے میں اس کا الٹا ہو گیا ہے، نکاح مشکل زنا آسان، اگر انسان کسی عورت کے آبرو سے کھیلنا چاہے تو بہت آسان ہے، جہاں چاہے زنا کر لے، لیکن اگر کوئی نکاح کرنا چاہے تو بہت مشکل ہے، کیوں کہ رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اگر اس میں رسم و رواج کی زنجیر کو ہمارے مرد توڑنا بھی چاہتے ہیں تو اللہ رحم کرے، ہمارے گھر کی عورتوں پر ساری دنیا کی بات ایک طرف عورتوں کی ہٹ دھرمی ایک طرف، ہمالیہ پہاڑ میں زلزلہ آسکتا ہے، زمین پھٹ سکتی ہے، آسمان ٹل سکتا ہے، مگر یہ عورت اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتی، وہ کہتی ہے جو میں چاہوں گی وہی ہوگا، جو اللہ کے رسول نے چاہا وہ نہیں ہوگا۔

ممکن ہے کہ ٹل جائے زمیں اپنی جگہ سے
عورت کی فطرت نہ ٹلی ہے نہ ٹلے گی

اس عورت سے کہو: تو بھی تو کسی کی بیٹی ہے، اگر یہی ظلم تجھ پر ہوتا تو بتا تیرے ماں باپ پر کیا گزرتی، آج تو عورت ہوکر دوسرے کی بیٹی کو ستا رہی ہے، آج تو عورت ہوکر دوسرے کی بیٹی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی ہے، کل اگر تیری بیٹی دوسروں کے گھر میں گئی اور یہی ظلم تیری معصوم بیٹی پر کیا گیا تو بتا، تیرے دل ودماغ پر کیا گزرے گی؟

بزرگو اور دوستو!

ہر انسان کو اپنے واقعہ کو سوچنا چاہئے، آج ہمارے رسم ورواج، دعوت کے طریقے، شاہانہ جوڑے، یہ جب تک نہیں ہوگا، شادی نہیں ہوگی، مال داروں کے چونچلے جن کے گھروں میں حرام سے کمائی ہوئی دولت ہے، جب وہ اپنی بیٹی کی شادی کرتے ہیں تو اپنی حرام دولت سے انسانیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور غیروں کو کہتے ہیں نکاح آسان نہیں، آج مسلمانوں کی لڑکیاں غیروں کے ساتھ بھاگ رہی ہیں تو ہمارے نوجوان مسجد میں آکر کہتے ہیں، کہ حضرت غضب ہوگیا، ہماری ماں، بہن دوسروں کے ساتھ بھاگ گئیں، ارے! کیوں نہیں بھاگیں گی، شرم کرو، حیا کرو، تمہارے ظلم نے ہماری عورتوں کو گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے، جب انسان پر غریبی اور بھک مری آتی ہے تو انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

کانپتے ہونٹوں کی فریاد بِک جاتی ہے
چادرِ پیکرِ اَجداد بھی بِک جاتی ہے
تم تو دولت کے پجاری ہو، تمہیں کیا معلوم
فاقہ پڑتے ہیں تو، اولاد بھی بِک جاتی ہے

محترم حضرات!

غریب انسان سے پوچھو کہ غریبی میں سسکنے کا مزہ کیا ہے؟ کسی بھوکے سے پوچھو سوکھی روٹی کا مزہ کیا ہے؟ کسی سونے والے سے پوچھو کہ ٹوٹے کھاٹ کی قیمت کیا ہے؟ کسی پیاسے سے پوچھو کہ دھوبی گھاٹ کی قیمت کیا ہے؟ اور کسی غریب ماں باپ سے پوچھو اس کے گھر میں اس کے دل پر جو چٹان ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟؟؟؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو آسان بتایا ہے، کہ صحابہ کرامؓ اگر نکاح کرنا چاہتے تو زیادہ غور وفکر کی کوئی بات نہیں تھی، ایک صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں

اور کہتے ہیں، یارسول اللہ! ہماری بہن جوان ہے، نکاح کے لیے کسی لڑکے کا انتخاب کر دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں بلال پسند ہیں؟ کچھ نہیں بولے، کہا کیوں نہیں، اِس لیے کہ بلال بے چارے مزدور ہیں، کالے کلوٹے ہیں، پھر دوسرے دن آئے، پھر تیسرے دن آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا جنتی پسند ہے؟ کہا ہاں جنتی پسند ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ خدا کا رسول کہہ رہا ہے، کہ بلال جنتی ہے، اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے؟ تمہارے بہنوئی کے جنتی ہونے کی بشارت دنیا ہی میں اللہ کے آخری رسول دے رہے ہیں۔

دوستواور بزرگو!

آج ہم لوگ لڑکے کا انتخاب کرتے ہیں، کبھی ہم نے سوچا کہ لڑکا نمازی ہے، دین دار ہے، کبھی سوچا کہ وہ اللہ والا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے۔ ارے محلوں کی بے چینی سے جھونپڑی کا سکون بہتر ہوا کرتا ہے، فرمایا ٹیپو سلطان شہیدؒ نے کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسال کی زندگی سے بہتر ہے'' تمہاری بیٹیاں محلوں کے اندر، تاج محل کے اندر سسک سسک کر دم توڑے، اس سے بہتر ہے کہ کسی جھونپڑی میں آرام کی نیند سوئیں، لیکن آج ہم لوگ دولت کے پرستار بن گئے ہیں، دیکھتے ہیں کون کتنی کاریں لے کر آتا ہے، کون کتنا دولت لے کر آتا ہے، یہ بھی دیکھ لینا کہ جنازے کے لیے لوگ کافی ہیں یا نہیں؟؟؟

ان دولت کے بھکاریوں کو، ان دولت کے ناگ کو تم کب تک دولت کے دودھ پلاتے رہو گے، ان کا جوش کبھی ختم نہیں ہوگا، یہ دولت کے درندے ہیں، خبردار! اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے ہم نوجوانوں کو آگے آنا ہے۔

برادران محترم!

سرور عالم، فخر دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی راستے میں ٹہلتے جا رہے ہیں، دونوں دوست ہیں، پیار ہے، دونوں کو راستے میں ایک گھر ملتا ہے، ان میں سے ایک ساتھی کہتے ہیں اِس گھر میں ایک لڑکی ہے، جاؤ میرا رشتہ لے کر آؤ، وہ بے چارہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے، اے تو یہیں ٹھہر میں اندر جاتا ہوں، اندر جا کر لڑکی کے باپ سے کہتے ہیں ''السلام علیکم'' لڑکی کا باپ کہتا ہے ''وعلیکم السلام'' کہا کیا بات ہے؟ فرمایا میرا ایک ساتھی ہے، اس کے ساتھ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ کر دیجیے، کہا وہ مجھے پسند نہیں، مجھے تم پسند ہو، نکاح کرو گے، کہا: ہاں میں کروں گا،

لڑکی کے باپ نے کہا ٹھیک ہے تو یہیں بیٹھ، ادھر بے چارے باہر کھڑے ہو کر خوش ہو رہے ہیں، کہ میری شادی ہو جائے گی، لڑکی کے باپ نے خطبہ پڑھا، نکاح ہو گیا، لڑکا باہر آتا ہے ہنستے ہوئے، دوسرا ساتھی اُن سے کہتا ہے، کیا کام ہو گیا؟ کہا ہاں ہو گیا، رشتہ تمہارا لے گیا تھا نکاح میرا ہو گیا۔

اگر ہم لوگ رہتے، تو مسجد کے بے نمازی صدر کو بلاتے، لڑائی چلتی، کیس چلتا، وکیلوں کی جیب بھرائی ہوتی، خاندانوں میں خاندانی دشمنی چلتی، اور کہتے اتنی غداری، رشتہ میرا لے کر گیا، اور نکاح اپنا کر لیا، وہ صحابی کہتے ہیں: "بَارَکَ اللّٰہُ لکَ وَجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِی خَیرٍ" مبارک بادی دیتے ہیں، کہتے ہیں میرے دوست مجھے معاف کرنا، رشتہ تیری قسمت میں تھا، بیچ میں رکاوٹ میں بن گیا تھا، دیکھا نکاح کتنا آسان ہے۔

اگر ہم لوگ نکاح کرنا چاہیں تو ستر سال اِسی امید میں گزر جاتے ہیں کہ کس گھر میں ڈاکہ ڈالیں، اس کے بعد عمر آتی ہے، قبر میں جانے کی تو کریں گے کیا؟ دوسرے جناب کی حالت اور گھر تو اسی چکر میں بربادی کے گھاٹ پہنچ گئے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو بہت آسان بنایا، لیکن آج شادی میں امریکہ کے دوست آئیں گے، جاپان سے ملک الموت آئیں گے، پھر جوتے چپل والے آئیں گے، تب جا کر شادی ہوگی، یہ آسان نہیں کہ دو چار لوگ بیٹھ گئے، آسانی سے نکاح ہو گیا، نہیں نہیں جب تک تمام ایجنٹ نہیں آئیں گے، نکاح نہیں ہوگا، پھر محل بک ہوگا، فائیو اسٹار، تب جا کر نکاح تمام خرافات کے ساتھ ہوگا۔

ارے مسلمانو! شرم کرو، مر گئے تو جنازے کی نماز مسجد میں ہوگی۔ تو کتنا بدبخت اور بدنصیب انسان ہے، کہ تمہارے بچے کے لئے اچھا نکاح اور خیر و برکت کے لیے خدا کا گھر نصیب نہیں ہوا، اور دوسری جگہ نکاح ہوتا ہے، شادی ہوتی ہے، جہیز لینے والے دندناتے ہوئے مظاہرے کرتے ہیں اور وہ پوری دولت کو طلب کرتے ہیں۔

ہمارے علمائے کرام ان کا بائیکاٹ نہیں کرتے، انہیں چاہیے کہ اپنا سخت دل، اور شریعتِ مطہرہ کا استعمال کریں اور اعلان کر دیں، ایسے لوگ جو سنت کا مذاق اڑاتے ہیں، سنت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، ہمارے علماء اُن کے دشمن ہیں، اگر علماء ان کا بائیکاٹ کر دیں تو کیا

اپنی بیٹیوں کا نکاح کسی پنڈت جی سے پڑھوائیں گے؟ آئیں گے انہیں علماء کے پاس، مگر ہمارے علماء کے پاس لگتا ہے ایسا جگر نہیں، اتنا بڑا دل نہیں، نہ جانے کیوں؟ ان کی شخصیت مجبور ہوتی جارہی ہیں، نہ جانے کیوں دولت کے پیچھے پڑے جارہے ہیں، اگر ہماری یہ بات علماء کے دل ودماغ کی فیکٹری میں اتر گئی تو یاد رکھئے کہ پوری قوم سیدھی ہوجائے گی۔ میں آواز دیتا ہوں، آپ ان برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے، اگر آپ نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ انبیاء تو اب دنیا میں تشریف نہیں لانے والے، نبیوں کا سلسلہ تو اب بند ہوگیا ہے، اب معاشرے کے اصلاح کی تمام ذمہ داریاں علمائے کرام ہی کو انجام دینا، اور ساری دنیا میں اسلام کا پرچم لہرانا یہ علماء کا فرض اولین ہے۔

سامعین گرامی قدر! مگر آج نہ جانے کیوں معاشی مجبوری، چمچہ گیری، کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا، جو حقانیت سے ہمیں دور کرتی جارہی ہے اور نہ جانے کیوں ہمیں بولنے کی جرأت نہیں دیتی، آج ہم اپنی نظروں سے سنت کا مذاق اڑاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

ہمارے نوجوان بھائیو! ہمیں ہوش کب آئے گا، ہم کب سمجھیں گے، سنت کا مذاق اڑانے والے کو اپنے شہر اور گلیوں سے نکال کر پھینک دیں اور کہہ دیں کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے، یہ اعلان ہمیں کرنا ہے۔

دوستو! ہمیں ان حقیقتوں کو سمجھنا ہے، قرآن نے اسی لیے کہا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ مردوں کو عورتوں پر قوام مقرر کیا گیا، لیکن جب مرد بکنے لگے، جب مرد دولت کے ہاتھ میں گرفتار ہونے لگے، اور اپنی بیبیوں کے نوکر بننے لگے، تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگیا، آپ بڑے بڑے شوپنگ کمپلیکس میں چلے جائیں تو وہاں نئی نئی گاڑیوں سے اترتے ہیں، شوہر بیوی دونوں مل کر خرید وفروخت کرتے ہیں۔

اچھا جناب واہ! لگتا ہی نہیں ہے کہ وہ بے چارے ہز بینڈ ہیں، وہ تو لگتے ہیں کہ دو ہزار روپئے کے ملازم ہیں، شاید وی، آئی، پی (V.I.P) نوکر ہیں، چوں کہ ڈریس اچھا ہوتا ہے، دیکھتے ہیں کار سے اترے، ان کی میڈم نے ساڑی کو سنبھالا اور سیدھا دندناتی ہوئی کپڑے کے دوکان کے اندر داخل ہوگئیں، شوہر بے چارے بیگ لیکر کار کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہوئے ہیں، باہر میں ایک شخص آیا اور کہا ''السلام علیکم'' پوچھا: کیا آپ میڈم کے سرونٹ ہیں یا آپ محترمہ کے

غلام ہیں؟ کہنے لگے: کیا بک رہے ہو، شرم نہیں آتی، میں اُس عورت کا شوہر نام دار نہیں تو دُم دار ضرور ہوں، واہ جناب! جب آپ شوہر ہیں تو باہر بیگ پکڑ کر کیوں کھڑے ہوئے ہیں، اندر کیوں نہیں گئے؟ جب آپ ساتھ ہیں؟ کہتے ہیں اگر میں اندر گیا تو ڈسکاؤنٹ کم ملے گا، اور میری بیوی اکیلے گئی تو ساٹھ پرسنٹ ڈسکاؤنٹ ملے گا، میرے محترم! کیا آپ کو معلوم ہے کہ ڈسکاؤنٹ زیادہ کیوں ملے گا؟ اس لئے کہ ملکۂ عالیہ اندر جا کر دوکان دار کو شربت دیدار تو پلائیں گی۔ اس وجہ کر ڈسکاؤنٹ زیادہ ملے گا۔ یہ لوگوں کی سائیکالوجی ہوگئی ہے، کہ اگر میری بیوی اندر جائے گی تو دوکان دار ڈر کے مارے ڈسکاؤنٹ دیتا ہے، اس لیے میڈم اندر آئی ہیں اور یہ نوکر بن کر باہر دُم ہلاتے رہتے ہیں، کیوں کہ تم بازار میں بھی نوکر ہو چوں کہ لڑکی کے باپ نے تمہیں خرید لیا ہے، اپنی بیٹی کا پاؤں دبانے اور چاٹنے کے لیے۔

نوجوان بھائیو! کیا خدا نے تم کو جوانی اسی لیے عطا کیا ہے کہ تم دنیا میں اپنی جوانی پر لعنت کرو، اور اپنی جوانی کی توہین کرو، ارے محنت کرو، اور اپنے بازو پر بھروسہ کرو، محنت کرنا تمہارا کام اور پھل دینا اللہ کا کام ہے، آگے بڑھو اور اپنے اوپر بھروسہ کرو، ایک خدا کی رحمت پر بھروسہ کرو، دوسروں کے مال و دولت پر کیوں لالچ کرتا اور رال ٹپکاتا ہے۔

دوستو! ظلم وستم کا یہ سلسلہ اسلام کے آنے سے پہلے، زمانۂ جاہلیت میں اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے، یہ دنیا بہت تاریک تھی، اس دنیا میں جب تک اسلام نہیں آیا تھا، ظلم وستم اور جبر وتشدد کا بازار گرم تھا، قتل وغارت گری عام بات تھی، انسان انسان سے ڈرتا تھا، انسان حیوان سے بدتر تھا، شام ہوتے ہی لوگ رہبری کے بجائے ڈاکو اور چور بن جایا کرتے تھے اور اپنی معصوم بیٹیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔

جب اسلام آیا، تو اسلام نے فرمایا لڑکیاں قتل کرنے کے لیے نہیں، بل کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس تین بیٹیاں ہوں اور ان کو اچھی طرح پڑھائے لکھائے اور اچھی جگہ نکاح کر دے، میں کہتا ہوں کہ وہ شخص جنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو جہیز جیسی منحوس ترین رسم کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

جہیز اور ہمارا معاشرہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفیٰ وَ سَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطفیٰ أمَّا بَعْدُ: فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَءَ ۃً لِعِزِّھَا لَمْ یَزِدِ اللّٰہُ اِلَّا ذِلًّا وَمَنْ تَزَوَّجَھَا لِمَالِھَا لَمْ یَزِدِ اللّٰہُ اِلَّا فَقْرًا اِلیٰ آخِرِہ او کما قال علیہ الصلوٰۃ و السلام.

بیٹے کا جنم ہو تو ،یہ کہتے ہیں فخر سے
ایک لاکھ کا ٹکٹ ہے یہ بچہ جہیز کا

صدرِ محترم اور گرامی قدر سامعین کرام!

اس وقت میرا موضوعِ سخن ہمارے معاشرے کا وہ ناسور ہے، جس نے زندگی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے، سیکڑوں ہزاروں گھروں کو تباہ و برباد کردیا ہے، اور کتنے ہی جذبات کو مسل کرر کھ دیا ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جسے آپ جہیز کے نام سے یاد کرتے ہیں، میں نے خطبہ کے بعد ایک حدیث شریف پڑھی ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص عزت حاصل کرنے کے لئے شادی کرے گا، تو رب ذوالجلال ایسے شخص کو ذلت کے سوا کچھ نہ دیں گے اور جو شخص مال کے لالچ میں شادی کرے گا تو اس کو فقر وفاقہ اور تنگ دستی کے سوا کچھ نصیب نہ ہوگا۔

اسلام کے پاسبانو! آج ہندوستان کے اندر اور خاص طور سے ہمارے معاشرے میں جہیز ایک ایسا ناسور بن گیا ہے، جو ایٹمی ہتھیار سے زیادہ خطرناک اور مہلک ثابت ہوتا جارہا ہے، اِس منحوس جہیز کی بنیاد پر ہندوستانی معاشرے میں روزمرہ اخبارات کی رونقِ زار بن کر یہ سرخیاں چھپتی ہیں کہ فلاں شوہر نے اپنی سسرال والوں سے اسکوٹر نہ ملنے پر اپنی نئی نویلی دلہن کو جلادیا، فلاں شخص نے مزید جہیز کا مطالبہ پورا نہ کرنے پر بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

عجب ماجرا ہے حضرات دیکھئے
داماد مانگتا ہے اب، خیرات دیکھئے

پیارے دوستو! اخبارات کی یہ سرخیاں ابھی غیر قوموں ہی کے بارے میں نظر آتی

تھیں مگر افسوس صد افسوس کہ رفتہ رفتہ ہمارے اسلامی معاشرے کے اندر بھی یہ وبا پھیل چکی ہے، آج اخبارات کے اندر جہیز کے لئے بھینٹ چڑھنے والی کہیں فاطمہ، کہیں رضیہ، تو کہیں شبنم وفرزانہ اسلامی شریعت کے نام لیواؤں سے یہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کاش ہماری اسلامی شریعت کتابوں اور وعظوں کے بجائے عمل میں آجاتی۔

پیارے دوستو اور اسلام کے نوجوانو!

عورت رب ذوالجلال کی جانب سے عطا کردہ وہ حسین تحفہ ہے، جس نے انسانی زندگی کو رعنائی بخشی، اسی عورت کے دم سے نظاروں میں خوبصورتی پیدا ہوئی، اسی معصوم کلی نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی سے خوف و وحشت کو دور کیا، مگر ان تمام باتوں کے باوجود ظلم وستم کی تاریخ شاہد ہے کہ اس دارِ فانی میں جتنے مظالم برپا ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر صنفِ نازک ہی پر کیے گئے ہیں، اس بے رحم سماج نے عورت کو جس نظر سے دیکھا ہے وہ نہایت ہی قابلِ مذمت ہے، تاریخ عالم ان دردناک واقعات سے بھری پڑی ہے۔ کبھی حضرت مریم علیہا السلام کو دنیا والوں نے مُتّہم کر کے جنگلوں کی خاک چھاننے پر مجبور کیا تو کبھی نمرود نے اپنی بیٹی کو ایمان لانے کی پاداش میں آگ میں ڈالا تو کبھی عرب کے جاہل معاشرے نے لڑکیوں کی پیدائش کو اس قدر منحوس تصور کیا کہ ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا۔

محترم حضرات!

آج بھی ان معصوم دوشیزاؤں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں جبر وتشدد کی خاردار جھاڑیاں ان کی راہ میں حائل ہیں، آج بھی ان عورتوں کے ارمانوں کا خون کیا جا رہا ہے، غریب گھرانے کی بچیوں پر خدا کی زمین اپنی وسعت اور کشادگی کے باوجود تنگ ہو رہی ہے، ساری دنیا پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں کہ جس گھر میں لڑکی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے، اسی وقت سے والدین کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، زندگی کا ہر لمحہ سانپ بن کر ڈسنے لگتا ہے۔ ایک طرف لڑکی کی اٹھتی ہوئی جوانی ہوتی ہے تو دوسری طرف جنسی بھیڑیوں کی اٹھتی ہوئی نگاہیں ہوتی ہیں، تو تیسری طرف پڑوسیوں کی چہ می گوئیاں ہوتی ہیں، والدین اس گلاب کے پھول کو سجانے کے لئے جب کسی گل دان (لڑکے) کی تلاش کرتے ہیں، تو جہیز کے مطالبات ان کے ارادوں کو وہیں مسمار کر دیتے ہیں۔

ارے جہیز کے ٹھیکیدارو!

کان کھول کر سن لو! ذرا دیکھو! سید الانبیاء، تاجدارِ بطحا، احمدِ مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقدِ مسنون کس انداز سے ہوتا ہے کہ جسم پر جو چادر ہے، اس میں سولہ پیوند لگے ہوئے ہیں، اور بنتِ رسول اللہ ہونے کے باوجود پیادہ پا شیرِ خدا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے گھر کی جانب روانہ ہو رہی ہیں، اور جہیز میں ایک بستر، ایک چکی اور ایک تکیہ دو مٹکے پر مشتمل مختصر سا سامان علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جا رہا ہے۔

آج ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا ڈاکٹر ہے، ہمارا بیٹا انجینئیر ہے، ہمارا بیٹا پائلیٹ ہے، ہمارا بیٹا گریجویٹ ہے، ہمارا بیٹا ٹیلی فون آپریٹر ہے، ہمارا بیٹا سعودی عرب میں رہتا ہے، اس لئے جہیز میں جہاز چاہئے۔

اُرے اولاد پیدا کر کے جہیز کی تمنا کرنے والو!

کان کھول کر سن لو! اگر تمہارا بیٹا ڈاکٹر ہے تو حضرت علیؓ امیر المومنین تھے، اگر تمہارا بیٹا انجینئیر ہے تو حضرت علیؓ مجاہد تھے، اگر تمہارا بیٹا پائلیٹ ہے تو حضرت علیؓ خلیفۂ رسولؐ تھے، اگر تمہارا بیٹا ٹیلی فون آپریٹر ہے تو حضرت علیؓ فاتح خیبر تھے۔ اگر تمہارا بیٹا گریجویٹ ہے تو حضرت علی اسد اللہ الجبار تھے، اگر تمہارا بیٹا پیکرِ سیاست ہے تو حضرت علیؓ پیکر ولایت تھے۔

حضرات!

آیئے ہم سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ اس جہیز جیسی ملعون رسم کو دنیا سے مٹا کر ہی دم لیں گے۔

یہ سنگ گراں جو حائل ہے
رستے سے ہٹا کر دم لیں گے
ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی ہیں
باطل کو مٹا کر دم لیں گے

وما علینا الا البلاغ

اسلام اور سائنس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّين ـ أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الأَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لا يَعْلَمُونَ ـ صدق الله العظيم۔

آج کے اس مسابقتی اجلاس میں عناوین مقررہ میں سے ایک دل کو چبھتا ہوا عنوان ''اسلام اور سائنس'' کے متعلق آپ حضرات کے سامنے لب کشائی کرنے کی جرأت کرنے جا رہا ہوں اس دعا کے ساتھ ۔

کہ یارب یہ التجا ہے، کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ، جو دل پر اثر کرے

برادرانِ اسلام! جس دور سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے۔ آج قدم قدم پر سائنسی ایجادات ہیں، مادیت کے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہے، انسانیت کے دامن میں علم ودانش کی بھرپور تجلیاں ہیں، بلندیاں اس کے سامنے سمٹ چکی ہیں حقیقتوں کے جاننے کا جذبہ آج عروج پر ہے اور یہی چیز سائنسی تحقیقات کا محور بنی ہوئی ہے۔ خدا وندقدوس نے بھی عقل انسانی کی گرہوں کو کھول دیا جس کا نتیجہ ہے کہ آج انسان ہواؤں کے دوش پر اڑ رہا ہے، فضاؤں میں اسٹیشن بنا رہا ہے، چاند پر کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاؤں کو گرفتار کر رہا ہے، زمین کے پوشیدہ خزانے کو نکال رہا ہے۔

غرض کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا،

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سائنسی ایجادات اسلام کے لیے چیلنج ہے، کیا مذہب اسلام پر اس کی صداقت وحقانیت پر کوئی زور پڑتا ہے، کیا اس سے اسلامی عقائد پر کوئی حرف آتا ہے؟ نہیں !!!

بل کہ اس سے اسلامی عقائد کی تائید ہوتی ہے، قرآنی دعوے کی حقانیت کھل کر سامنے آتی ہے، قرآن نے چودہ سو سال پہلے اعلان کیا تھا ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيلَ وَالنَّهَارَ ﴾

کہ چاند اور سورج تمہارے تابع ہیں، تمہارے حکموں کے فرماں بردار ہیں، دنیا کی ساری چیزیں تمہارے تابع ہے، یہ بلند پہاڑ، یہ دریائے شور، یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، یہ پُر آشوب موجیں، یہ چمکتا ہوا چاند، یہ جگمگاتے ہوئے تارے یہ چڑھتا ہوا سورج، یہ چرند و پرند، یہ کوہ وصحرا سب کے سب تمہارے تابع اور غلام ہیں، لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا اور کہا یہ محض افسانہ ہے۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کروڑوں میل اونچائی پر طلوع ہونے والا سورج، ہزاروں میل کی بلندی پر چمکنے والا چاند ہمارے تابع کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے سائنس دانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ قرآنی دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

اسی طرح جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے معراج کرا کر ہم کلامی کا شرف عطا کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین سے کہا کہ آج رات میں نے بیت المقدس کا سفر کیا، راتوں رات آسمان پر گیا، خدا سے کلام کیا تو مشرکین مکہ انکار کر بیٹھے کہ اتنی قلیل مدت میں جنت اور دوزخ کی سیر کیسے ممکن ہوسکتی ہے، بیت المقدس کا سیر کیسے ممکن ہوسکتا ہے، لیکن جب ہوائی جہاز ایجاد ہوا تو لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں، زبانیں گنگ ہوگئیں، ماننے پر مجبور ہوگئے کہ جب انسانی دماغ کا بنایا ہوا یہ ایروپلین چند منٹوں میں میلوں کا سفر کرسکتا ہے تو خدا کا بنایا ہوا براق جنت اور دوزخ کی سیر کیوں نہیں کراسکتا ہے۔

آج سائنس کہتی ہے کہ جب انسان کو چھینک آتی ہے تو اس کے دل کی حرکت چند لمحے کے لیے بند ہوجاتی ہے، روح کا رشتہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ میرے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی بیان کر دیا تھا کہ جب تم کو چھینک آئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ لیا کرو، جس کا فلسفہ یہی تھا کہ چھینک کے بعد خدا نئی زندگی بخشتا ہے، جس کے شکر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کی ترغیب دی۔ یہ ہیں مذہب اسلام کے چند عقائد جن کی تائید سائنس 1

بھی کرنے پر مجبور ہو رہی ہے۔

لیکن بزرگو!

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کو سائنسی پیمانے پر نہیں تولا جاسکتا، جیسے کہ ہمالیہ پہاڑ کو صرّاف کے میزان پر نہیں تولا جاسکتا، کیوں کہ اسلام ایک عالم گیر اور آفاقی مذہب ہے، اسلام کا تعلق، اسلام کا رشتہ انسان کی روح کے مانند ہے، سائنس کا تعلق انسان سے جسم کے مانند ہے، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں متاع عیش وعشرت کے باوجود انسان حقیقی خوشی وخوش حالی سے محروم ہے۔

دورِ جدید نے انسان کے جسمانی تقاضوں کو تو پورا کیا لیکن روحانی تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ انسان کو سائنس نے مادیت کے ساز وسامان تو بہت دیئے، مگر اس کے خدا کو اس سے چھین لیا، جسم کی خوراک کا انتظام تو کیا مگر روح کو فاقہ کی دَل دَل میں پہونچا کر چھوڑ دیا۔ جسے دیکھ کر علامہ اقبالؒ نے کیا خوب رونا رویا ہے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

مسلمان اور اتحاد و اتفاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ الرَّسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِین. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ وَقَالَ فِی مَقَامٍ اٰخَرَ اَلْمُسْلِمُوْنَ کَجَسَدٍ وَاحِدٍ (اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ)

نفرت کی بات ہے نہ عداوت کی بات ہے　　میری زبان پہ صرف محبت کی بات ہے
اِس دور انتشار میں آپس کی دشمنی　　سوچو جو غور سے تو قیامت کی بات ہے
دیوار نفرتو ں کی گراؤ تو بات ہے　　انسان کا شعور جگاؤ تو بات ہے
ظلمت میں زندگی کی محبت کے نام پر　　قندیل دوستی کی جلاؤ تو بات ہے

شیدائیانِ اسلام اور عزیز دوستو! میں آپ جیسے عظیم المرتبت اشخاص کے روبرو اتحاد و یک جہتی کے عنوان پر لب کشائی کی ہمت کر رہا ہوں۔ یہ سب آپ حضرات کی کرم فرمائی اور محبت کا نتیجہ ہے ورنہ ع　　کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل

آج مسلمانوں کے اندر نفرتوں اور عداوتوں کی خلیج اور آپسی تنازعے کی ایک مہلک بیماری ہر مسلمان کے رگ رگ وریشے میں سما چکی ہے، ہمارے اندر اختلافات، تنازعات اور تشاجرات نے جنم لے لیا ہے جس کی بنا پر مسلمان ذلت و رسوائی کے دَل دَل میں پھنسا ہوا ہے، مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور تنظیموں میں آپسی اتحاد و اتفاق باقی نہیں۔

کوئی اپنے آپ کو سنی کہتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو شیعہ کہتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو مودودی کہتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو بریلوی کہتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو دیوبندی کہتا ہے۔ 1

مسلمانوں کی مختلف تنظیموں نے آپسی اتحاد واتفاق کو باقی نہیں رکھا ایسا کیوں ہورہا ہے؟اس کی وجہ کیا ہے؟

صرف ایک بنیاد ایسی ہے جس پر مسلمانوں کے تمام لوگ ،گروپ اور تمام تنظیمیں متحد ہوسکتی ہیں۔اور وہ بنیاد قرآن واحادیث ہیں۔

قرآن پر شیعہ،سنی، بریلوی،مودودی،دیوبندی تمام تنظیمیں ایمان رکھتی ہیں،قرآن کی فریاد وللکار سننے کے لیے تمام جماعتیں اور تمام تنظیمیں ایک پلیٹ فارم پر آسکتی ہیں۔سب متحد ہو سکتے ہیں۔

برادران ملت! نفرتوں اور تنازعات کی خلیج کو دور کیا جاسکتا ہے،عداوت وتشاجرات کی دیوار کو منہدم کیا جاسکتا ہے۔شرط یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن کی للکار کو سننے والے کان ہوں۔ ہم مسلمان ہیں۔قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔احکام پر بھی ایمان ہے۔رہبر ہمارا قرآن ہے۔ہادیٔ رسول کا فرمان ہے۔جس پر سب کچھ قربان ہے۔

تو آیئے!رب رحمٰن کا قرآن اور رسول خدا کا فرمان سنئے!اور اپنی زندگی سے نفرتوں اور تنازعات کی دیوار کو گرا ڈالیں۔

قرآن کہتا ہے:﴿اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُون﴾جب قرآن ہمیں ایک کہہ رہا ہے۔رسول کا فرمان یہ بتارہا ہے کہ ہم ایک جسم کی مانند ہیں۔تو پھر ہمارے اندر اختلافات نے جنم کیوں اور کیسے لیا؟ہمارے اندر تنازعات وعداوت پیدا کیوں ہوئی؟ہم الگ الگ اور منفرد کیوں ہیں؟اس کی وجہ کیا ہے؟

یادرکھیں!جس قوم وملت نے انتشار واختلافات وتنازعات کو اختیار کیا،اس قوم نے کبھی بھی کامیابی وکامرانی کا حسین چہرہ نہیں دیکھا اور ذلت ورسوائی کے گہرے اور اندھیرے کنوئیں میں گر گئے اور جس قوم وملت نے اجتماعیت ووحدت اور یک جہتی کو اختیار کیا وہ ہمیشہ فلاح وکامرانی کے اونچے اونچے پہاڑوں پر نظر آئے۔

شریعت اسلامیہ نے اتحاد واتفاق کو پسند کیا۔ اختلافات وتنازعات کو دور رکھنا پسند کیا۔اسلام آپسی محبت واخوت کو چاہتا ہے۔

لیکن آج مسلمانوں نے شریعت اسلامیہ کو فضول بحث وتکرار اور آپسی ضد سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔سیکڑوں ٹولیاں اور جماعتیں آپس میں بنی، اس ملت کی ایک ایسی دُرگت بنی کہ دوسروں کو راہِ ہدایت تو کیا بتا سکتے خود آپس میں اختلافات وتنازعات کی دنیا آباد کر کے دین میں متفرق ہو کر ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء ہو گئے۔

اسلام کے غیور نوجوانو! یہ آپسی مناظرہ بازی اور مذہبی اختلافات کی بنا پر سیکڑوں غیر مسلم مسلمان ہونے سے رک گئے۔ڈاکٹر امبیڈکر جو ہریجنوں اور ہندو پس ماندہ ذاتوں کے سب سے مقبول رہنما تھے۔ ہندوستان کی پوری ہریجن آبادی کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے خواہش مند تھے۔گاندھی جی کو جب پتہ چلا تو انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر سے پوچھا کہ تم کون سا اسلام قبول کرنا چاہتے ہو؟شیعہ مسلمان ہونا چاہتے ہو یا سنّی مسلمان؟اگر شیعہ مسلمان ہونا چاہتے ہو،تو اس میں بھی بہت سارے مذہبی فرقے ہیں،کس فرقہ کا اسلام قبول کرو گے؟اگر سنّی ہونا چاہتے ہو تو اس میں بھی بہت سارے فرقے ہیں،کوئی وہابی ہے،کوئی مودودی ہے،کوئی بریلوی ہے،کوئی دیوبندی ہے۔اور اِن سب میں آپس میں ایسی نفرت ہے کہ ایک دوسرے کو داخلِ اسلام ہی نہیں مانتے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اس گفتگو کے بعد اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔اور کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ اسلام میں ذات پات نہیں ہوتی اور اسی لیے میں اس مذہب کو پسند کرتا تھا۔ یہ وہ عبرت کی داستان ہے جس کی سیاہی ابھی تک تاریخ کے صفحات سے خشک بھی نہیں ہوئی۔

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

دردمندانِ اسلام! یہ سب کچھ ہمارے ہی اختلافات وتنازعات کی وجہ سے ہو رہا ہے،

ابھی وقت ہے،تفرقہ بازی ومناظرہ بازی ترک کردواورایک پلیٹ فارم پرآجاؤ۔آج جوبھی ظلم وستم کے پہاڑ مسلمانوں کو برداشت کرنے پڑرہے ہیں وہ آپسی پھوٹ اور نفاق کی بنا پر ہورہا ہے۔جو قابل مذمت ہے۔

قرآن للکارکرکہتاہے﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ﴾تمام لوگ اللہ کی رسی کومضبوطی کے ساتھ پکڑلواورتفرقہ بازی مت کرو۔قرآن وحدیث کی فرمائش وحدت واتفاق ہے، اللہ ورسول کی خواہش تنازعات وعداوت کو دور کرنا، اسلام وشریعت کی پسند محبت و اخوت ہے۔کسی شاعر نے کہا:

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشیدِ مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیابات بنے

شیدائیان ملت! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پرغورتو کرو! محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:اَلْمُوْمِنُ لِلْمُوْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضَہ بَعْضًا۔

ترجمہ:ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کہ ستون کوایک دوسرے سے باندھا گیاہو۔

حدیث کے اندرغورکریں تو چارسووحدت،اخوت ومحبت ہی نظرآئے گی،لیکن آج وہ ایمان والا جوفرمانِ رسول پرعمل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے،آپسی اختلافات میں پڑاہوا ہے،ایک مسلمان دوسرے مسلمان کوتکلیف وایذا پہنچانے میں گریز بھی نہیں کرتا، حالاں کہ محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ:

اَلْمُسْلِمُوْنَ کَجَسَدٍ وَاحِدٍ۔ترجمہ:مسلمان ایک جسم کے مانند ہے۔

مسلمان کوایسا ہونا چاہیے تھا،کہ ایک مسلمان کوتکلیف پہنچے تو دوسرا مسلمان تکلیف کو محسوس کرے،ایک مسلمان کو چوٹ لگ جائے تو دوسرا یہ کہتے ہوئے اخوت کا حق ادا کرے۔

’’چوٹ لگے تجھ کوتو درد مجھے ہوتا ہے‘‘

رب کائنات کے فرمان پرغورکرو،ارشادفرماتا ہے:﴿اِنَّمَا الْمُومِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوا بَیْنَ اَخَوَیْکُم﴾قرآن ہم سب مسلمانوں کو بھائی کہتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ماہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِم ۔فرمان رسول سے بھی اخوت ثابت ہے۔.....تو پھر کیوں ہم قرآن کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں؟ کیوں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں؟ آپسی اختلافات وتنازعات میں کیوں پھنسے ہوئے ہیں؟

برادرانِ اسلام! ہم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ہم شیعہ بعد میں ہیں، سب سے پہلے مسلمان۔

ہم بریلوی بعد میں ہیں، سب سے پہلے مسلمان۔

ہم سنّی بعد میں ہیں، سب سے پہلے مسلمان۔

ہم مودودی بعد میں ہیں، سب سے پہلے مسلمان۔

ہم دیوبندی بعد میں ہیں، سب سے پہلے مسلمان۔

ہم سب قرآن وحدیث کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اُس پر ایمان رکھتے ہیں تو آیئے۔

ہم اختلافات وانتشار کو اپنی زندگی سے دور کردیں، ہم عداوت وتنازعات کو آپس سے دور کردیں، ہم آپسی تفرقہ بازی ومناظرہ بازی کو پھر سے ختم کردیں۔ اور فرمانِ قرآن وفرمانِ رسالت کے پلیٹ فارم پر متحد ہوجائیں، تو کسی کی کیا مجال کہ ہمارا مقابلہ کرسکے۔

اس لیے کہ ظلم وزیادتی کا مقابلہ کرنے کے لیے جماعتی قوت درکار ہے۔ ہمیں آپسی پھوٹ اور آپسی حسد وکینہ اور بغض نفرت کو دور ہی سے سلام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث کو دستور العمل بنانے کی توفیق دے۔ اور اتحاد واتفاق اور وحدت جیسی نعمتوں سے نواز کر اختلافات، تنازعات وانتشار جیسی منحوس لعنت سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

ایک ہو جائیں، تو بن سکتے ہیں خورشیدِ مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

وما توفیقی الا باللہ العظیم

سوداوررشوت اسلام کی نظر میں

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّي عَلیٰ رَسُولِہِ الۡکَرِیمِ .اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوا مِمَّا فِي الاَرۡضِ حَلاَلًا طَیِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیۡطَانَ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡن ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یَأتِي عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لا یُبَالِي الۡمَرۡءَ مَا اَخَذَ اَمِ الۡحَلالِ اَمۡ مِنَ الۡحَرَامِ ۔ صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبي الکریم ۔

سامعین کرام! اسلام میں سوداور ربا کی حرمت کوئی مخفی چیز نہیں ہے ۔ ہر کس و ناکس اس سے واقف ہے، بل کہ جو کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہو، وہ اتنا ضرور جانتا ہوگا کہ اسلام نے سوداور رشوت کو حرام قرار دیا اور بیع کو حلال قرار دیا۔ ﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یَأتِي عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لا یُبَالِي الۡمَرۡءَ مَا اَخَذَ اَمِ الۡحَلالِ اَمۡ مِنَ الۡحَرَامِ کہ میری امت کے لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ اس بات کی پروانہیں کریں گے کہ مال کو حلال طریقے سے کسب کیا یا حرام طریقے سے کیا وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم اَلرِّبٰی سَبۡعُوۡنَ جُزۡءً اَیۡسَرُھَا اَنۡ یَّنۡکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ ربا کے ستر درجے ہیں ان میں سب سے ہلکا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے نَعُوذُ بِاللّٰہِ۔ وعن ابن عباس رضي اللّٰہ عنھُمَا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا ظَھَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِي قَرۡیَۃٍ اَحَلُّوا بِاَنۡفُسِھِم عَذَابِ اللّٰہِ جب کسی بستی میں سودخوری، بدکاری اور زناکاری عام ہو جائے ایسے بستی کے لوگ اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیتے ہیں۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! یوں تو ہندوستان میں مختلف قسم کے حرام خور پائے جاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے حرام خوری ہو رہی ہے ۔ چوری کے ذریعہ، ڈکیتی کے ذریعہ، اغوا کر کے، ناپ تول میں کمی کر کے، گھٹیا مال کو اعلیٰ مال بتلا کر، لیکن میری حقیر نظر میں سب سے

خطرناک حرام خوروہ ہے جو سود خوراور رشوت خور ہو۔ جس نے مملکت ہند کو تباہ و برباد کر دیا ہے وزیر اعلیٰ سے لے کر چپراسی تک رشوت خوری میں مبتلا ہیں اور قانون چند پیسوں میں بِک رہا ہے بے گناہ کو مجرم اور مجرموں کو بے گناہ ثابت کیا جا رہا ہے۔

گویا کہ آپ رشوت دے کر انسانوں کا ناحق خون بہاسکتے ہیں، ان کے مستقبل سے کھیل سکتے ہیں، ان کی صلاحیتوں کو تباہ کر سکتے ہیں، رشوت دے کر آپ قانون کو خرید سکتے ہیں، جھوٹے گواہوں کا انتظام کر سکتے ہیں، زمین و مکانات پر ناجائز قبضہ کر سکتے ہیں، امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے پاس ہوسکتے ہیں۔ رشوت کی مہربانی سے آپ اپنے تمام جرائم پر خوش نما پردہ ڈال سکتے ہیں۔

آج کل چلتا ہے یوں ہی کاروبار زندگی
جرم کر کے پھنس گئے تو گھوس دے کر چھوٹ جا

یعنی دنیا کا ہر کام رشوت کے بل بوتے پر انجام دیا جاسکتا ہے لیکن اگر آپ رشوت دینے کی سکت اور حوصلہ نہیں رکھتے، آپ قانون کی پاس داری کرتے ہیں، آپ کو خوف خدا غالب ہے، آپ غربت وافلاس کے شکار ہیں تو بس! لیجئے قانون کی پاس داری کرتے ہوئے بھی آپ کو اپنی قیمتی زندگی جیل کی نذر کرنا پڑے گی۔

چند ہی دنوں پہلے اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک بے گناہ شخص کو آوارہ گردی کے الزام میں جیل خانے میں ڈال دیا گیا تھا آج اس کی ضمانت ہوئی جب اس کو داخل کیا گیا تھا تو وہ نوجوان تھا اور جب اس کو نکالا گیا تو اُس کی کمر بھی خم ہو چکی تھی اس کے بال بھی سفید ہو چکے تھے وہ اپنے ماضی پر شرمندہ اور مستقبل سے مایوس ہو چکا تھا۔ کیوں کہ اس کے پاس رشوت دینے کی سکت نہیں تھی اس لئے اس کو اپنے قیمتی پچاس سال جیل کی نذر کرنے پڑے:

اُو رشوت کھانے والو! لعنت ہو تمہاری زندگی پر، تمہارے طرزِ عمل پر، کہ تم نے نہ جانے کتنے نوجوانوں کی جوانیوں کو تباہ کر دیا، نہ جانے کتنے گھروں کو اجاڑ دیا، نہ جانے کتنی ماؤں سے ان کے بیٹوں کو جدا کر دیا، نہ جانے کتنی بیبیوں سے ان کے شوہر کو چھین لیا، نہ جانے کتنی بہنوں سے ان کے بھائیوں کو جدا کر دیا۔ تم نے محض اپنی ہوس کاری کے خاطر کتنے بے گناہوں کو مجرم اور کتنے مجرموں کو بے گناہ ثابت کر دیا۔ 1

ظالمو! تم نے قانون کے ساتھ غداری کی، تم ہندوستان کے بدترین دشمن ہو، سوسائٹی کے غلط ترین مجرم ہو، تمہارا جرم نا قابل معافی ہے، تم صرف ہندوستان کے قانون کے ساتھ ہی غدار نہیں ہو، بل کہ تم مجرموں کے خون کو چوس رہے ہو اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہندوستان میں غریبوں کو جینے کا حق نہیں ہے۔ اگر جینا چاہتے ہیں تو رشوت دے کر ہمارے پیٹ کے جہنم کو بھرنا پڑے گا۔ میں ان رشوت خور کتوں اور خاکی وردی والے اُن پولیس کمشنروں سے، یہ کالج اور یونیورسٹی کے پروفیسروں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب ہندوستان میں قانون بن رہا تھا اور ڈاکٹر امبیڈکر یہ قانون بنا رہا تھا تو یہ کیا پاس ہوا تھا کہ ہندوستان میں غریبوں کو جینے کا حق نہیں ہے؟ کیا یہی پاس ہوا تھا کہ مال دار عہدیدار عوام کے پیٹ پر لات مار سکتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ نعرے کیوں لگائے جاتے ہیں کہ ہندوستان میں غریبوں کو جینے کا حق نہیں، اور مجھے شرم آرہی ہے کہتے ہوئے کہ اس طرح کے نعرے لگانے والے، مطالبات کرنے والے محض غیر مسلم ہی نہیں بل کہ مسلمان عہدیدار بھی اس لعنت میں پورے طور پر شامل ہیں۔

میں اپنے تمام مسلمان عہدیدار، خصوصاً بزنس کرنے والوں، فیکٹریاں چلانے والوں سے اپیل کروں گا کہ وہ رشوت کے لین دین کو ختم کریں، سودخوری کو ترک کریں اپنے معاملات کو شرعی حدود کے دائرے میں انجام دیتے ہوئے اسلامی قوانین کی پاس داری کریں۔ اللہ تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

یارب! عمل خیر کی توفیق، عطا کر
ہیں خیر کے طالب، رہِ صدیق عطا کر
طویل عمر ہے درکار اس کے پڑھنے کو
ہماری داستاں، اوراقِ مختصر میں نہیں

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

نوجوان ایک نشانِ منزل

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:
فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوا بِرَبِّهِم وَزِدْنَا هُم هُدًى وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوبِهِم اِذْ قَامُوا۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو ،اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

جنابِ صدر! سامعین کرام!

آج کی اس مبارک اور بابرکت مجلس میں چاہتاہوں کہ کچھ اپنے نوجوان ساتھیوں کے خون کوگرماؤں، ان کے جوش و ولولے کومہمیز لگاؤں، اورانہیں اس وقت کے پرخطر حالات سے آگاہ کر کے اپنا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کروں جن کے بارے میں اقبالِ مرحوم نے ایک حقیقت اوراپنے درد وکرب کااظہار اِس پیغام کےساتھ کیاتھا۔فرمایا ؎

ترے صوفے ہیں افرنگی ،ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے ،جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں، نہ استغنائے سلیمانی
نہ ڈھونڈ اِس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں ہے معراجِ سلیمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

حضرات!

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج حالات اتنے پُرخطر ہیں کہ کبھی تاریخ میں اس قسم کے حالات سننے میں نہیں آئے، یہ مغربی تہذیب، یہ تمدن کی دلفریبیاں، یہ خودغرضی وخود فراموشی، یہ رقابت وہوسنا کی، یہ فطرت کی طاقتوں کو عریاں کرنے والا فکر گستاخ، یہ ترقیات کے پردے میں تنزل وانحطاط اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آیا، اور پھر یہ قوم وملت اپنا بہترین اثاثہ اور اپنی سیادت وقیادت کے پاکیزہ اصول رکھنے کے باوجود دوسروں کی دست نگر بنی ہوئی ہے اور اس امت کے افراد اپنی تہذیب وثقافت سے جیسے آشنا ہی نہیں۔اور..........

دوستو!

خاص طور پر امت مسلمہ کا وہ نوجوان جو ستاروں پر کمندیں ڈال دیا کرتا تھا۔ جو پہاڑوں کو زیر کرلیا کرتا تھا، جس کے آگے بڑی بڑی طاقتوں کی جبیں خم ہوجایا کرتی تھیں، جو دریاؤں، سمندروں میں اپنا راستہ تلاش کرلیتا تھا، جن کے عزمِ سفر سے چٹانیں چور ہوجایا کرتی تھیں، جن میں مریم کی سی عفت، سلیمان جیسی دانائی اور ایوب جیسا صبر تھا۔ جو صرف اور صرف خدا کے سامنے جھک سکتا تھا۔

لیکن دوستو! آہ!!

آج وہ نوجوان جو بے باکی وشجاعت، عفت وعصمت اور عزم وحوصلہ سے عبارت تھا۔ زندگی کے میدان میں وہ سب سے پیچھے ہے۔اس کے حصے میں طاؤس ورباب، عیش وسرمستی اور آرام وراحت ہے۔ان کی زندگی، ان کے سیرت وکردار اور ان کے ذہن ودماغ میں کوئی انقلابی تصویر ابھر کر نہیں آتی ہے۔ جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نوجوان انقلاب کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، مستقبل کی تعمیر میں ان کے افکار وعزائم کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ان کی تعمیر، قوم وملت کی تعمیر اور ان کی تخریب، قوم وملت کی تخریب ہوا کرتی ہے۔ اگر یہ ٹھوس عزائم، سرفروشانہ جذبہ،

اور بامقصد زندگی کے لیے کھڑا ہو جائے تو دنیا میں ایک مرتبہ پھر امن وآشتی اور مساوات و رواداری کا درس دہرایا جاسکتا ہے۔اس روئے زمین اور تاریخ کے اسٹیج پر طارق بن زیاد، محمد بن قاسم ثقفی، محمد فاتح رحمہم اللہ تعالیٰ کے کارناموں میں رنگ وروغن بھرا جاسکتا ہے۔ان کی یاد آج کے نوجوان تازہ کرا سکتے ہیں۔ اسپین، ہندوستان، قسطنطنیہ الفت ومحبت اور بامقصد زندگی گذارنے کا گہوارہ دوبارہ بن سکتے ہیں۔اس کے لیے ضرورت ہے کہ آج کا نوجوان ان کی تاریخ پڑھ کر، سرفروشانہ عزم لے کر نئی بیداری اور جداگانہ اسلامی روح کے ساتھ میدان عمل میں آئے، مایوسی وناامیدی کو پیش پشت ڈال کر آگے بڑھے۔

حضرات!

حقیقت بھی یہی ہے کہ جب جوانوں میں عقابی روح بیدار ہوتی ہے اور چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس ہوتا ہے تو وہ اپنا نشیمن تلاش کرتا ہے۔ ہر چیز سے نبرد آزما ہونا اور اسے خدا کے آگے لاکر ڈالنا اپنا فریضہ ہوتا ہے۔پھر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عشرت کدوں اور آرام گاہوں میں اپنا مسکن تلاش نہیں کرتا، بل کہ وہ خم دار اور زلف درزلف زندگی کے ساتھ پنجہ آزما ہوتا ہے اور وہ اپنی بیداری سے ایک نیا انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔

کاش آج کا نوجوان اٹھے، میدانِ عمل میں آئے اور نئے عزم اور ولولے لے کر اس کارگہِ حیات کا مقابلہ کرے، جس کے ذہن میں یہ تصور بھی ہو ؎

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اور پھر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

وما علینا الا البلاغ

محاسبۂ نفس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّين.
أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ٥
''عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ''

برادرانِ اسلام، سامعین کرام اور حاضرین عظام......! میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۂ تکویر کی ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کی ہے جس میں قرآن کریم نے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا اور کھلے طور پر آگاہ کیا ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ، عنقریب ایک دن ایسا آنے والا ہے جب کہ یہ پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، ہر ایک شخص اپنے پروردگار کے روبرو پیش کیا جائے گا، کیا شاہ کیا گدا، کیا فقیر کیا امیر، ہر ایک رب ذوالجلال کے سامنے تھرتھرا رہا ہوگا، تمام رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے، سالہا سال کی محبت شیشے کی طرح چکنا چور ہو جائے گی، کوئی ٹخنوں تک، کوئی کمر تک، کوئی چھاتی تک، اور کوئی پیشانی تک پسینوں میں شرابور ہوگا، ایک دوست جس نے اپنے محبوب کے لیے سب کچھ قربان کر دیا تھا اجنبی ہو جائے گا، آہ! کیسا وقت ہوگا وہ جب کہ ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھلا دے گی، سورج بالکل قریب ہو جائے گا اور رب ذوالجلال اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ موجود ہوگا، اعمال ناموں کا دفتر کھول دیا جائے گا، اور یہ ناتواں کمزور انسان اپنے کیے ہوئے اعمال کا حساب دینے کے لیے دست بدست سامنے کھڑا ہوگا۔ اللہ رب العزت سوال کرے گا کہ بتاؤ! ہم نے تجھ کو ڈھیر ساری نعمتیں دی تھیں تم نے ان کو کہاں خرچ کیا؟ کڑوروں اور کھربوں روپئے کی آنکھ اور کان دیئے تھے تم نے اسے کہاں استعمال کیا؟ اتنی بڑی قیمتی زندگی عطا کی تھی تم نے اُس کا کیا حق ادا کیا؟ کھانے کے لیے پھل میوے انگور اور شیریں شہد، اور پینے کے لیے صاف وشفاف دودھ اور میٹھے شربت عطا کیے تھے، تم نے اس کا شکریہ کہاں تک ادا کیا؟ اس سے سوال کیا جائے گا کہ پہننے کے لیے حریر وریشم اور خوب صورت ودلکش جوڑے، رہنے کے لیے صاف ستھری فضا، سونے کے لیے بنگلے اور محلات، چلنے کے لیے گاڑیاں اور سواریاں عطا کی تھیں۔ ٹوٹ جائیں گے ٹوٹ جائیں گے۔

بتا! تو نے میری اِن نعمتوں کو کہاں کہاں خرچ کیا؟ آیا عیش پرستی اور دنیا کی دلدادگی میں

خرچ کیا یا میری اطاعت اور بندگی میں لگایا؟ چھوٹی بڑی تمام نعمتوں حتیٰ کہ ایک ایک سانس کے بارے میں پوچھ ہوگی، اس وقت نہ کوئی زیادتی ہوگی، اور نہ کسی پر کوئی ظلم ہوگا ﴿اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ آج ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ ملے گا جیسا کسی نے بویا ہوگا ویسا ہی کاٹے گا ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ﴾ اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی نیک اعمال کیا ہوگا وہ وہاں اسے دیکھ لے گا اور اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی برائی کی ہوگی تو وہ اس کے سامنے آجائے گا، اس کے سامنے اس کرتوت اور کیے ہوئے اعمال ناموں کا دفتر کھلا ہوگا جس میں چھوٹی بڑی تمام چیزیں درج ہوں گی انسان اسے دیکھ کر حیران ہوجائے گا اور چیخ اٹھے گا ﴿مَالِ ھٰذَا الْکِتَابِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّا اَحْصَاھَا﴾ میرے اس اعمال نامہ کو کیا ہوگیا؟ اس میں تو کوئی ایسی چیز نہیں، جو لکھی ہوئی نہ ہو! آج تو میرے گناہوں کی تمام پوتھیاں کھل گئیں، جو گناہ میں نے تمام انسانوں سے چھپ کر رات کی تاریکی وتنہائی میں شہر سے دور دراز ویرانے میں کیا تھا آج تو اس کا بھی پردہ فاش ہوگیا؟ اور تمام لوگوں کے درمیان بھانڈا پھوٹ گیا، وہ چیخے گا، چلائے گا، اور اپنے گناہوں کے غم میں گھل گھل کر اپنی انگلیاں کاٹے گا، وہ تمنا کرے گا اور اپنے پروردگار سے عرض کرے گا کہ اے ہمارے رب؟ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ وہاں جاکر اب تو بس! آپ ہی کی بندگی کروں گا، اب تو میری پوری زندگی تیری ہی رضا میں بسر ہوگی۔ ﴿رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ﴾ اے ہمارے رب! اب ہم کو یہاں سے نکال لیجئے کہ ہم کچھ نیکیاں کرلیں برخلاف اس کے جواب تک ہم کرتے رہے۔

برادرانِ اسلام! ذرا سوچئے اور اندازہ لگائیے کہ آج ہم کن کن گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ہماری ہر صبح وشام گناہوں کے کن کن اڈوں پر بسر ہورہی ہے؟ فرعونی اور طاغوتی نشے اور غرور نے ہمیں جہنم کے کس دہانے پر لا کھڑا کردیا ہے؟ حیوانیت اور بہیمیت کی اس انتہاء پر پہنچ گئے ہیں جہاں جاکر آگے کوئی منزل نہیں ہوتی۔ شراب نوشی، جوابازی، بے حیائی، چوری ڈکیتی، جھوٹ، بہتان، الزام تراشی، غیبت، چغل خوری، زنا کاری، عیاشی، عصمت دری، نام ونمود، فضول خرچی، نمائش وآرائش، نہ جانے کیسے کیسے خرافات اور کیسی کیسی برائیاں آج ہماری زندگیوں کا لازمی حصہ بن گئی ہیں، پیار ومحبت، بھائی چارگی، رحم دلی اور اخوت ومحبت جیسے الفاظ تو اب ہمارے لیے اچنبھے کی بات ہوگئی ہے، حیرت تو اس بات پر ہے کہ ہم یہ ساری چیزیں بے خوف وخطر کرتے بھی ہیں اور اس کے جواز کی دلیلیں بھی قرآن واحادیث سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی

جیسے ''مارو گھٹنا پھوٹے سر''۔

اُدھر صحابہ کرام کا حال دیکھئے اور اپنے کردار پر سر دُھنئے کہ ﴿لِلّٰہِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَمَا فِي الأرْضِ وَاِنْ تُبْدُوا مَا فِي اَنْفُسِكُم اَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰه﴾ کہ اللہ ہی کی ملک میں ہیں سب کچھ، جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں اگر تم ان کو ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے، حق تعالیٰ تم سے ان کا بھی حساب لیں گے اور اس پر بھی مواخذہ فرمائیں گے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ روتے اور سر پیٹتے دوڑے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اے اللہ کے رسول اب کیا ہوگا؟ ہم میں سے کون اس گناہ سے بچ پائے گا؟ اپنے دل پر کس کو اختیار حاصل ہے کہ برا خیال بھی نہ آنے پائے گرچہ بعد میں ﴿لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے ذریعہ اس کو منسوخ کر دیا گیا، مگر صحابہ کرام کا قلق، اصلاح نفس کی بے چینی واضطراب؟ کہ بڑا سے بڑا گناہ تو درکنار، اپنے دل کے وسوسے پر بھی کس طرح خوفِ گرفت سے لرز اٹھے؟ واہ! کیسا شوق ہے عمل کا! کیسی تڑپ ہے احکام خداوندی کے ایک ایک جزئیات پر عمل کرنے کی؟ کیا ہم میں سے کسی نے بھی اپنے گندے اور بھٹکتے خیالات کی اصلاح کی بھول کر بھی فکر کی؟

افسوس......! آج تو ہماری نگاہیں فحش ناولوں، عریاں تصویروں، گندے افسانوں اور رومانی لٹریچروں کو ڈھونڈتی ہیں۔ قرآنی الفاظ اور اس کے دل فریب ترجمے، احادیث نبوی کی ہدایتیں اور صحابہ کرامؓ کے بیش بہا خزانے ہمیں اچھے نہیں لگتے!

آج ہمیں اگر موقع مل جاتا ہے تو پیسے دے کر، جھوٹے وکیلوں کے ذریعہ، جھوٹی گواہیاں دلوا کر ہم بڑے ٹھاٹ سے مقدمہ کر کے کورٹ (Court) کے ذریعہ دوسروں کی زمینیں ہڑپ لیتے ہیں، پڑھو بخاری شریف کی وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے'' من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع ارضين '' کہ جس کسی نے ایک بالشت بھر زمین بھی ظلم سے حاصل کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں قیامت کے دن اس جیسی سات زمینوں کا طوق لٹکائے گا۔

محترم حضرات! ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ہم اپنا محاسبہ کریں اور قرآن وحدیث کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والے بنیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

جنت اور دوزخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّينِ أَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ o بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ o يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ o

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ،اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی، جو اپنے اوپر ملامت کرے۔ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے ہم ضرور کریں گے۔ کیوں کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ انگلیوں کا پور پور درست کردیں۔ بل کہ منکرین قیامت انسان چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ کی زندگی میں فسق وفجور کرتا رہے اس لئے وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ جس دن آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی اور چاند بے نور ہوجائے گا اور سورج وچاند ایک حالت میں ہوجائیں گے تو اس روز انسان کہے گا کہ کدھر بھاگوں۔

برادران ملت! اس دنیائے رنگ وبو کی زیبائیوں، رعنائیوں، سحر انگیزیوں، دل فریبیوں کے بارے میں ہم نے بہت کچھ سنا اور جانا، اس عالم فانی کی لذتوں، آسائشوں اور راحتوں سے بہت کچھ پایا اور اس کی رنگینیوں، حسن طرازیوں، جمال آفرینیوں، نشاط انگیزیوں کو قریب سے دیکھا بھالا، اس دنیا کے بنتے بگڑتے ماحول کو بھی دیکھا، سجتے سنورتے حالات کو بھی جانا، کیف وسرور کی ساعتیں بھی دیکھیں، طرب ونشاط کی رنگینیاں بھی دیکھیں، محفل وبزم کو بھی 1

جانا، گردش ایام سے بھی گزرے، بہت کچھ جانچا پرکھا، بہت کچھ دیکھا بھالا، اور اب جی چاہتا ہے کہ دارالبقاء سے بھی واقفیت حاصل کریں، یوم آخرت کو جانیں بوجھیں، روز محشر کی بات کریں اور روز جزاء کا بھی تذکرہ کریں، یوم قیامت کو بھی یاد کریں، یوم حساب کا بھی احساس کریں، اس لئے کہ ہمارا ایمان وعقیدہ ہے کہ ایک دن یہ رنگ برنگی دنیا فنا کے گھاٹ اتر جائے گی، یہ گیتی وارض درہم برہم ہوجائے گی، یہ نظامِ کائنات اتھل پتھل ہوجائے گا، یہ روشن آفتاب سیاہ ہو جائے گا، یہ منور وتاباں ماہتاب ٹوٹ پھوٹ جائے گا، یہ ردائے کہکشاں، یہ مہ وانجم بکھر جائیں گے اور پورا عالم نیست ونابود ہوجائے گا اور تمام انسان اپنے خالق ومالک اور معبودِ حقیقی کے دربار عالیشان میں جمع کئے جائیں گے، اُس دن ہر فرد کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور روزِ قیامت کی اُن ہولناک، خوفناک وہیبت ناک اور جاں گسل ساعتوں میں جب کہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کی بازپُرس ہوگی، ایک ایک ساعت کا حساب ہوگا، ایک ایک گھڑی کا محاسبہ ہوگا، جو فرد اپنے اعمال وکردار میں، اپنے افعال واقوال میں کھرا اُترے گا، اس کی نجات ہوگی، اور جو اس سخت دن میں اپنا حساب نہ دے سکا، اپنا چھٹکارا نہ کرسکا تو پھر وہ ہلاک وبرباد ہوجائے گا۔

عزیزانِ گرامی! آخرت کا یقین، ایمان وتوحید کا ایک لازمی عنصر ہے، اس دنیا پر ایمان کے بغیر ایمان ممکن نہیں، قیامت اور روزِ جزاء کا انکار کفر ہے، اور ایک مومنِ کامل کے لیے لازم ہے کہ روزِ جزاء پر یقین کامل رکھے، اور اسی دن کے محاسبہ کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اس کے عذاب سے لرزتا رہے اور رات کی تنہائیوں میں روتا گڑگڑاتا رہے، یہی شانِ بندگی ہے۔

﴿ وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ۝ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴾

ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ لوگ ہیں جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے لیے قیام وسجدے کی حالت میں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کے عذاب کو پھیر دیجئے، بے شک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے اور جہنم نہایت ہی بُرا ٹھکانہ اور قیام کی جگہ ہے۔

محبانِ اسلام اور عاشقانِ شمع رسالت! جب بندۂ مؤمن یوم آخرت کی حقیقتوں اور اس کے واقع ہونے کو دل وجان سے تسلیم کر لیتا ہے، اور روزِ جزاء پر اس کا یقین واعتماد پختہ اور مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر اس کے نزدیک دنیوی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، وہ اِس دنیا کی رعنائیوں، زیبائیوں اور دل فریبیوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتا ہے اور اس کا ہر عمل آخرت کے لیے ہوتا ہے، وہ قیامت کے دن کی جواب دہی اور روزِ محشر کی باز پُرسی سے بچنے کے لیے طاعت وعبادت، صلاح وتقویٰ، زہد وورع کی زندگی گزارنا پسند کرتا ہے، اس کے ہر ہر عمل کی غرض وغایت رضائے الٰہی ہوا کرتی ہے، اور وہ دنیا کی چند روزہ لذتوں کے حصول کے بجائے آخرت کی باقی رہنے والی لذتوں کو ترجیح دیتا ہے، کیوں کہ خالق ومالک نے اس کو دنیا وآخرت کی حقیقت بتا دی ہے، ارشاد ہے: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى، اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى﴾

ترجمہ: بل کہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالاں کہ آخرت کی زندگی زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، یہ باتیں ہم نے پہلوں کے صحیفوں میں بھی بتائی ہیں یعنی ابراہیمؑ وموسیٰ کے صحیفے میں۔

عزیزانِ ملت! ہم قیامت کی سختی وشدّت کا اندازہ نہیں کر سکتے، اس کی ہولناک وہیبت ناکی کو زبان سے بیان نہیں کی جا سکتی، اس کی طوالت کا احاطہ نہیں کر سکتے، قیامت کا دن تو وہ دن ہے، جو بچوں کو بھی بوڑھا بنا دے گا ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ قرآن کریم نے اس کی مقدار کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے ﴿كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ اور پچاس ہزار سال دنیا کا سال نہیں، بل کہ آخرت کے ماہ وسال ہوں گے، وہاں کا ایک دن دنیا کے ایک سال کے برابر ہوگا اور ہر سال بارہ ماہ کا ہوگا، اب اسی سے اندازہ لگا لیجیے اس دن کی درازی کا، وہاں کی شدت وحدت کوئی قلم کیوں کر تحریر کرے، کوئی زبان کیوں کر بیان کرے، بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے لیے صرف یہی صورت ہے کہ ہم قیامت کی حقیقتوں کو جاننے کے لیے اس ذاتِ پاک کا سہارا لیں جو شفیع المذنبین ہے، یوم حشر کا تاجدار ہے، روزِ جزاء میں اولادِ آدم کا قائد ہے، انبیاء ومرسلین کا متکلم ہے، اسی کے دست مبارک میں پرچم حمد وثنا ہوگا، اسی کے جلو میں انبیاء ومرسلین ہوں گے، اسی کے نظرِ کرم کے متلاشی انبیاء ومذنبین ہوں گے، وہ محبوب کبریا، وہ سید الانبیاء، وہ 1

رئیس الاتقیاء بیان کرتا ہے کہ جب محشر برپا ہوگا اس دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا، لوگ دہشت وخوف کے حال میں ہوں گے اور شفاعت کے لیے آدم صفی اللہ کے پاس جائیں گے، ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جائیں گے، موسیٰ کلیم اللہ سے درخواست کریں گے، عیسیٰ روح اللہ سے گزارش کریں گے، مگر ہر طرف سے یہی جواب ملے گا کہ اَنَا لَسْتُ لَهَا، اَنَا لَسْتُ لَهَا ، اور آخر میں میرے پاس آئیں گے اور مجھ سے شفاعت کے طالب ہوں گے اور میں کہوں گا کہ اَنَا لَهَا ہاں میں شفاعت کروں گا۔

برادرانِ ملت! ساقیِ کوثر، محسنِ عالم، شفیعِ محشر، اس دن بارگاہِ رب ذوالجلال میں سجدہ ریز ہوں گے، زبان پر حمدِ باری ہوگی، خدا کو اپنے حبیب ومحبوب کی یہ ادا پسند تر آئے گی، ارشادِ باری ہوگا، یَا مُحَمَّد! اِرْفَعْ رَاسَکَ وَاشْفَعْ تَشَفَّعْ ۔اے میرے حبیب، اے میرے محبوب، اے میرے رسول، اے میرے محمد!!! اپنے سر کو اٹھایئے اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ کی درخواست مانی جائے گی؛ اس وقت زبانِ محمد سے یہی الفاظ ادا ہوں گے اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ - اے اللہ! میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے۔ دنیا میں بھی امت کی فکر رہتی تھی، آخرت میں بھی فکرِ امت غالب ہوگی۔ سراپا شفاعت ہوں گے، گناہ گاروں کو بخشوا رہے ہوں گے، خطا کاروں کو چھڑا رہے ہوں گے، آنکھوں میں آنسو ہوگا، زبانِ نبی پر حمد ہوگی، دل امت کے لیے تڑپ رہا ہوگا اور حاکم مطلق کی رحمت جوش میں آئے گی، ارشاد ہوگا اے محمد! جاؤ جس بندے کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو جہنم سے نکال لاؤ؛ خدا کا محبوب جائے گا اور ان تمام لوگوں کو نکال لائے گا جس کے دلوں میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہوگا، ان کو عذابِ نار سے بچائے گا۔

برادرانِ اسلام! یہ سلسلہ چلتا رہے گا گنہ گار، خطا کار نکالے جاتے رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا محبوب، سارے جہاں کا سردار، یومِ محشر کا تاجدار آخر میں عرض کرے گا بارالٰہا! اجازت ہو تو میں ان بندوں کو بھی نکال لاؤں جنھوں نے صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہے، ندا آئے گی، اے محمد تمہارا یہ کام نہیں، تمہارا یہ منصب نہیں، لیکن میری عزت وجلال کی قسم، میری کبریائی وعظمت کی قسم، میں جہنم سے ہر اس فرد کو نکال دوں گا اور جنت میں داخل کردوں گا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ایمان کا اقرار کیا ہے۔

عزیزانِ ملت! قیامت کی اُس گھڑی میں جب کہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا، خوف ودہشت اور افراتفری کا ماحول ہوگا، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا، کوئی کسی کا غم خوار نہ ہوگا، باپ بیٹے سے بھاگے گا، بیٹا باپ سے بھاگے گا، ماں بیٹی سے بھاگے گی، بیٹی ماں سے بھاگے گی، بھائی بھائی سے بھاگے گا، دوست سے دوست بھاگے گا، رشتہ داریاں ٹوٹ جائیں گی، قرابت داریاں ختم ہوجائیں گی، کوئی سہارا نہ ہوگا، بجز اعمال حسنہ کے، سوائے رحمت خدا اور شفاعت رسول کے، سورج کی تپش جلا رہی ہوگی، پیاس کے مارے زبان لٹک رہی ہوگی، کفار ومشرکین بدحال ہوجائیں گے، چہرے پر پھٹکار برس رہی ہوگی، مردنی چھائی ہوگی، آنکھیں ویران ہوں گی، دل لرزاں وترساں، کمریں گناہوں کی گٹھری سے جھکی ہوگی، کیا عجیب منظر ہوگا؟ ایک طرف مجرمین ومقہورین ہیں تو دوسری طرف مؤمنین ومقبولین ہیں، قرآن شریف اِن تمام مناظر کو کیسے مؤثر انداز میں بیان کرتا ہے، سنئے اور غور کیجئے!!

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّاخَّةُ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾

ترجمہ: جس وقت کانوں کو بہرہ کردینے والا شور برپا ہوگا، جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ان میں سے ہر ایک کی ایسی حالت ہوگی جو اس کو ہر چیز سے غافل کردے گی، اس دن کچھ چہرے روشن اور خنداں وشاداں ہوں گے اور کچھ چہرے پر ظلمت راج کر رہی ہوگی، ان پر کدورت چھائی ہوگی، یہی لوگ کافر وفاجر ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کے دن جبکہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اس وقت آپ اپنے لوگوں کو یاد کریں گے؟ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تین مقام ایسا ہوگا کہ وہاں کوئی کسی کا فکر کرنے والا نہ ہوگا، ایک اس وقت جبکہ میزانِ عمل قائم ہوگا، دوسرے اس وقت جب کہ نامۂ اعمال دیا جائے گا، جب تک یہ نہ جان لے کہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جارہا ہے یا اس کی پشت سے دیا جارہا ہے، تیسرے اس وقت پل صراط پر گزرنے کا وقت ہوگا۔ 1

﴿وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ يَدْعُوْ ثُبُوْرًا وَّ يَصْلٰی سَعِيْرًا ﴾ مگر اس مصیبت کی گھڑی میں بھی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، امت کا محسن و غم گسار، رحمتِ عالم، ہادیٔ اعظم، شفیعِ محشر، نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بخشوانے کے لیے، ان کو بچانے کے لیے دوڑتے پھر رہے ہوں گے، کبھی میزانِ عمل پر ہوں گے، کبھی حوضِ کوثر ہوں گے، کبھی پل صراط کے پاس ہوں گے، کبھی عرش کے سایہ میں ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گزارش کی تھی، التجا کی تھی، درخواست کی تھی، التماس کی تھی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمایئے گا کہ نہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے انسؓ میں تمہاری شفاعت کروں گا تو انسؓ نے پتہ بھی معلوم کر کے امت پر احسان کیا تھا، عرض کیا یا رسول اللہ اس بھیڑ میں، اس عظیم الشان مجمع میں آپ کو کہاں تلاش کروں گا؟ کس طرح ملاقات کروں گا؟ تو فرمایا کہ انس میزان پر دیکھ لینا، وہاں نہ ملا تو پل صراط پر آجانا اور اگر وہاں بھی نہ ملا تو حوضِ کوثر پر ضرور ملوں گا، یہی تین جگہ ہے جہاں ملاقات کر سکتے ہو۔

دوستو! حوضِ کوثر پر خدا کا رسولؐ، اللہ کا محبوبؐ اپنی پیاسی امت کو آبِ کوثر پلا رہے ہوں گے، ستاروں کی طرح چمکتے دمکتے جام ہوں گے، دودھ سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا، شہد سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا، شہد سے زیادہ شیریں پانی ہوگا، جس نے ایک مرتبہ پی لی پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، سیراب ہو جائے گا۔

غور کیجئے! پانی کیسا ہے؟ ساقی کیسا ہے؟ فضا کیسی ہے؟ مقام کیسا ہے؟ حوضِ کوثر کی کیا تعریف کریں؟ وہ تو ایسا حوض ہے جس کا پینے والا بھی سیراب، پلانے والا بھی مبارک، خاص عطیہ ہے، خاص نوازش ہے، اسی کو تو قرآن نے بیان کیا ہے ﴿اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾

محترم حضرات! جنت جنت کی کن کن نعمتوں کو بیان کیا جائے، بس اللہ تعالیٰ ہمیں جنت والا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

دورِ حاضر میں ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل اور جدید آلات کا استعمال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّينِ۔ اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ صدق الله العظيم۔

برادرانِ اسلام! جس دور سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے، آج قدم قدم پر سائنسی ایجادات سے مادیت کے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہے، انسانیت کے دامن میں علم ودانش کی بھرپور تجلیاں ہیں، اس نے عقل انسانی کی گرہوں کو کھول دیا، جس کا نتیجہ ہے کہ انسان ہواؤں کے دوش پر اڑ رہا ہے، فضاؤں میں اسٹیشن بنا رہا ہے، چاند پر کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاؤں کو گرفتار کر رہا ہے، زمین کے پوشیدہ خزانے کو نکال رہا ہے۔ سمندروں کا سینہ چیر رہا ہے۔

غرض کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سائنسی ایجادات اسلام کے لیے چیلنج ہے، کیا مذہب اسلام پر اس سے کوئی حرف آتا ہے، کیا آلاتِ جدیدہ کے استعمال کا حل ہماری شریعت میں موجود نہیں؟ اگر ہے تو پھر مسلمان ان کا غلط استعمال کیوں کر رہا ہے؟ میں آلاتِ جدیدہ اور موبائل کے استعمال کا مخالف نہیں ہوں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا ﴿وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ان کے منافع مسلّم ہیں، پر ان کے ضرر کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آج جو دنیا میں عریانیت، فحاشی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے، اس کی بنیادی وجہ ان آلاتِ جدیدہ کا فروغ ہے، شیطان انسان کے ہاتھ میں ٹی وی، موبائل، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کا ہتھیار دے کر مطمئن ہوگیا، تجربہ اور تحقیق سے بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج ستر فیصد سے زائد فحاشیاں محض اس بنیاد پر وقوع پذیر ہورہی ہیں کہ آج باقاعدہ ٹی وی پر عریانیت، فحاشی، بے حیائی اور بے پردگی کی تعلیم دی جارہی ہے۔ 1

موبائل، انٹرنیٹ کے ذریعہ ان کی تعلیم دی جاتی ہے، ان شیطانی آلات کے فروغ نے مکرم و محترم رشتوں کے آنکھوں سے شرم وحیا کا پانی نکال کر گٹر میں ڈال دیا، باعزت گھرانوں کا معاشرتی وقار خاک میں ملا دیا، اچھے اچھے دین داروں کی شرافت داغدار ہوگئی، بلند و بالا ورع وتقویٰ کے میناروں میں دراڑیں پڑگئیں۔ اور زندگی بھر کی نیک نامیوں پر بٹہ لگادیا، مسلم معاشرے کا آپ جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ معصوم بچے، جن کو قرآن سننے سے وجد آتا تھا، جن کی زبان پر لا الٰہ اِلَّا اللّٰہ کی صدائیں ہوتی تھیں، جن کو تلاوت میں سکون ملتا تھا، جن کو مسجدوں میں راحت ملتی تھی، آج ان کو میوزک سے وجد آتا ہے، گانوں میں مزہ آتا ہے، موسیقی میں سکون ملتا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے کانوں میں ائیر فون لگائے گانے سنتے اور جھومتے ہیں۔

وہ ماں باپ بھی کتنے بے غیرت ہیں جو اپنے بچوں کی ایسی حرکتوں کو دیکھ کر ان کو دادِ تحسین دیتے ہیں، ان کی اسی خوشی میں اپنی خوشی بتلاتے ہیں، یعنی اپنی آخرت اور بچوں کے آخرت اور مستقبل دونوں کو تباہ کرتے ہیں، اور جب بچے بڑے ہوکر نافرمانیاں کر کے ناک میں دم کرتے ہیں تو والدین شکوہ کرتے ہیں کہ ہماری اولاد نافرمان ہوگئی، ہمارے حقوق ادا نہیں کرتی تو وہ اولاد جو اپنے رب کی نافرمان ہو، وہ اپنے والدین کی فرماں بردار کیسے ہوسکتی ہے۔ سچ کہا ہے خواجہ محمد اسلام نے کہ ''طبلے کی تھاپ پر، باجے کی آواز پر، گھنگھرو کی جھنکار پر، رنڈیوں کی آواز پر، جھومنے والی ماؤں کے بطن سے خالد بن ولیدؓ، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد پیدا نہیں ہوتے بل کہ خطا کار، بدکار اور نافرمان پیدا ہوتے''۔

بزرگو اور دوستو! گلی گلی، سڑک سڑک پر سینما بینی کے اڈے، ہال اور ٹاکیج ہمارے نوجوان کو تباہ کرنے کے لیے کافی تھے، لیکن دشمنانِ اسلام کے ارادے اس سے بھی خطرناک تھے، وہ چاہتے تھے کہ ہر گھر عریانیت وفحاشی کا مرکز بن جائے، رشتوں کے تقدس کی پامالی ہو، بے حیائی کا چرچا عام ہوجائے، نہ بھائی بہنوں کا احترام رہے، نہ بیٹی اور بیوی کا امتیاز رہے، نہ باپ بیٹے کا فرق رہے۔ اس لیے انہوں نے ٹی وی، موبائل اور انٹرنیٹ کو ایجاد کیا۔

مسلمانو! یہ سب یہودیوں کی سازشیں ہیں۔ ان سے آگاہ رہو، ان سے اجتناب کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ میری امت بنی اسرائیل کے قدم بہ قدم چلے گی حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسے افراد پیدا ہوں گے۔

اور ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا کریں گے اور شاید وہ دور آچکا ہے۔ اعلانیہ نہ سہی لیکن خفیہ طور پر ہو ہی رہا ہے۔

ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ دلی میں ایک باپ اپنی بیٹی کے ساتھ دو سال سے غلط کاری کر رہا تھا اور منہ کالا کر رہا تھا، جب لڑکی عاجز ہوگئی تو اس نے راز کو فاش کر دیا۔ یہ واقعہ اپنی زبانِ حال سے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ مسلمانو! اگر تم اپنی بہو بیٹی کی سلامتی چاہتے ہو، اگر تم اپنی ماؤں بہنوں کے ناموس کی حفاظت چاہتے ہو، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاتھ تمہاری ماؤں اور بہنوں کے گریبانوں تک نہ پہنچیں تو تم اپنے گھروں سے ٹی وی کو نکال دو، ناچ گانے کو چھوڑ دو، فلم بینی کو چھوڑ دو۔

سامعین کرام! ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل اور دیگر آلات کے وجود نے انسان کو حقیقی خوشی سے محروم کر دیا۔ دل کے چین کو چھین لیا، جسمانی تقاضوں کو پورا کیا، لیکن روح کو فاقہ کی حالت میں چھوڑ دیا۔ آج پوری دنیا چین وسکون کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ برہنہ تصویروں میں اسے سکون مل جائے گا، ناچ گانے میں اُسے سکون مل جائے گا، رقص وڈانس کی محفلوں میں سکون مل جائے گا، حسیناؤں کے پہلوؤں میں سکون مل جائے گا۔

﴿اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ سنو، سنو!! قرآن کہتا ہے کہ جاؤ فائیو اسٹار ہوٹلوں کے دھکے کھالو، جاؤ مغرب کی گندی تہذیب کی طرح کپڑے اتار دو، جاؤ ان جوانوں کی طرح جانور بن جاؤ، جاؤ بازاروں میں زنا کرتے پھرو، اگر کہیں تمہیں سکون مل جائے تو مجھے رب کہنا چھوڑ دینا ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ اگر سکون کی تلاش ہے تو آؤ! خدا کے دامن میں سکون ملے گا، موبائل، ٹی وی، اور آلاتِ جدیدہ میں کبھی تمہیں سکون نہیں مل سکتا، یہ آلات تمہارے جسم کو تو بنا سکتے ہیں لیکن تمہاری روح کو نہیں زندہ کر سکتے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا   اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا   آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا   زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

مسلمان ہونے کی پہچان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن. اَمَّا بَعْدُ!

قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی فِي الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

برادران اسلام، حاضرین عظام اور سامعین کرام!

ہم لوگ مسلمان ہیں اور اسلام کو ماننے والے کہلاتے ہیں، لیکن ہم نے کبھی سوچا کہ مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ اور مسلمان ہونے کی کیا پہچان ہے؟ تم اپنے کو مسلمان کہتے ہو، تمہارے مسلمان ہونے کی کیا علامت اور کیا پہچان ہے؟ اسلام کی وہ کون سی خوبی ہے، جسے دیکھ کر تمہارا مسلمان ہونا معلوم ہو؟

تمہارے اندر اگر اسلام کی خوبی نہیں، پہچان نہیں۔ اس کے باوجود اگر تمہارا دعویٰ اپنے متعلق مسلمان ہونے کا ہے، تو تمہارا دعویٰ بے سود اور غلط ہے۔

دیکھو! میں اگر اپنے متعلق تم سے یہ کہوں، کہ میں بڑھئی ہوں تم مجھ سے میز، کرسی اور چوکی بنواؤ، تو تمہاری نظر سب سے پہلے میرے سامان کی طرف جائے گی، تم میرے سامان میں بڑھئی کا اوزار تلاش کرو گے، اگر تم کو میرے پاس بڑھئی کا سامان نہیں ملے گا تو تم میرے بڑھئی کہنے کا اعتبار نہ کرو گے اور تم مجھے میز، کرسی اور چوکی بنانے کے لیے نہیں دو گے اور یہ کہو گے کہ یہ شخص غلط کہتا ہے، اگر یہ شخص واقعی بڑھئی ہوتا تو اس کے پاس بڑھئی کے اوزار ہوتے۔ بڑھئی کے اوزار نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص بڑھئی نہیں ہے۔

میرے عزیز بھائیو! غور کرو جب بڑھئی بغیر اوزار کے بڑھئی نہیں، لوہار لوہاری کے ہتھیار بغیر لوہار نہیں سمجھا جاتا تو تم اپنے اندر مسلمان ہونے کی نشانی رکھے بغیر مسلمان کیسے کہلاؤ گے۔

اگر لوہار کو لوہار کہلانے کے لیے لوہاری اوزار رکھنا ضروری ہے، ایک بڑھئی کو بڑھئی کہلانے کے لیے بڑھئی کے اوزار رکھنا لازمی ہے، تو تم کو مسلمان کہلانے کے لیے مسلمان کی پہچان رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ جس طرح آج تم لوہار کو لوہاری اوزار نہ رکھنے کی بنا پر لوہار نہ سمجھ کر نکال دو گے، اسی طرح کل قیامت میں اللہ تعالیٰ تمہارے اندر مسلمانی علامت نہ دیکھ کر تمہیں نکال دیں گے۔

ہم زمانہ سے مسلمان ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں، لوگ بھی ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں، لیکن وہ کون سی علامت ہے جسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی ہمیں مسلمان سمجھے، وہ کون سی پہچان ہے ، جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی مسلمان کہلائیں؟...... اب میں یہاں مسلمان کی بنیادی نشانی بیان کرتا ہوں۔

مسلمان ہونے کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے اور کسی کے سامنے نہیں جھکے، وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور کسی سے نہیں ڈرے۔

اور ہمارا حال کیا ہے؟ ہماری پیشانی سب کے سامنے جھکتی ہے، اگر نہیں جھکتی ہے تو، اللہ کے سامنے، ہم کو سب کا ڈر ہے اگر نہیں ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کا...... میں ذرا اِس کی وضاحت کردوں بات صاف ہو جائے گی۔ میں جو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ہے بلا وجہ نہیں کہتا، اس کی وجہ ہے، اللہ تعالیٰ کا خوف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے حکم کی بجا آوری میں کسی کا ڈر روک نہ بنے۔ اس کی آزمائش کا بہترین وقت وہ ہوتا ہے جب تم کسی حاکم کے پاس ہوتے ہو اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری ہونی چاہیے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ حاکم کا رعب و داب حکمِ الٰہی کی بجا آوری سے تم کو روک دیتا ہے۔

اگر تمہارے یہاں داروغہ آ جائے اور اس وقت تمہیں نماز کے لیے پکارا جائے تو اس خدائی پکار پر دھیان نہیں دو گے، یا اگر منسٹر صاحب کے پاس بیٹھے ہو اور اس دوران میں نماز کا وقت آ جائے تو کسی طرح اُس کے پاس سے اٹھ کر نماز کے لیے نہیں جاؤ گے، اب بتاؤ کیا میں 1

غلط کہتا ہوں؟

اب فیصلہ کرو! تم پر کس کا خوف غالب ہے؟ تم کس سے زیادہ ڈرتے ہو؟ مالک کائنات سے یا ایک تھانہ کے حاکم سے؟ صحیح معنی میں اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو اس کے حکم کی بجا آوری کے لیے دوڑ پڑتے، کسی کے کچھ کہنے سمجھنے اور کرنے کا خیال نہیں کرتے، تم سورہ فاتحہ روز پڑھتے اور سنتے ہو: ﴿ ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾ (اللہ! تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) کا اقرار ہر وقت سورہ فاتحہ کی قراءۃ پر کرتے ہو، لیکن تمہارا حال کیا ہے؟ تم کس کس کی عبادت نہیں کرتے ہو اور کس کس سے مدد نہیں چاہتے ہو، تم کو جس سے کام نکلنے اور بننے کی امید نظر آتی ہے، سب کی عبادت کرتے اور سب سے مدد چاہتے ہو۔ نفس پرستی اور آباء پرستی، شخصیت پرستی، قبر پرستی تم اِن میں سے کس کی پرستش نہیں کرتے؟ اور کس کو حاجت روا نہیں سمجھتے؟

عورت کا بچہ جب بیمار ہوتا ہے تو اُس وقت اس کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، بچہ کی صحت یابی کے لیے جو طریقہ اختیار کرنا پڑے اختیار کر لیتی ہے اور حد تو یہ کہ شفایابی کی امید اگر کفریہ شرکیہ طریقہ اختیار کرنے میں نظر آئے تو اس طریقہ کو اختیار کرنے سے بھی باز نہیں رہتی، ڈائین، اوجھا کو جھاڑ منتر کے لیے بلا لیتی ہے، بھگتی تھان پر خصی پاٹھا چڑھا دیتی ہے اور دیوی دیوتا تک کی دُہائی مانگ لیتی ہے، بچہ جس جتن سے شفایاب ہو ہر طریقے کو اختیار کر لیتی ہے۔

بھلا بتاؤ تو کیسے ہو، اللہ تعالیٰ سے شفا نہیں چاہتے، اس سے مدد نہیں چاہتے، اس کے سامنے اپنا دکھ درد نہیں رکھتے، غیروں سے مدد چاہتے ہو اور حاجت روائی چاہتے ہو، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ مانتے اور سمجھتے ہو!!

تم جانتے ہو اُس وقت اللہ کی غیرت جوش میں آتی ہے کہ ہمارا بندہ، جسے ہم نے ساری ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائیں، ہم کو چھوڑ کر غیروں سے مانگتا پھرتا ہے، ہمارے در پر آنے کے بجائے دوسروں کے در کی خاک چھانتا پھرتا ہے۔ تم اپنے اِس عمل سے اللہ تعالیٰ کو ذلیل کرتے ہو۔ ایک رئیس زادہ اگر دوسروں سے کپڑے اور کھانے کی بھیک مانگے تو اُس کے شریف باپ کو کس قدر روحی تکلیف ہوگی؟ وہ کیسا دل برداشتہ ہوگا؟ اور اس کی عزت کو کس قدر دھچکا لگے گا؟۔ باپ سوچے گا کہ جب اس کو کھانا ہم دیتے ہیں، رہنے کو مکان ہم دیتے

ہیں،تو اس کو کمی کس چیز کی ہے؟ کہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے، جب اُس کا بندہ غیروں سے مدد طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے خزانہ میں کس چیز کی کمی ہے؟ کہ دوسروں سے مانگتا پھرتا ہے، ہم اسے کیا نہیں دے سکتے؟ اس کی کس مانگ کو پورا نہیں کر سکتے؟ آج تک ہم نے اس کی کون سی ضرورت پوری نہیں کی؟ اور اسے کیا کچھ نہیں دیا؟ کہ وہ غیروں کا دست نگر بنا ہوا ہے، اور سب سے بھیک مانگتا پھرتا ہے۔

شرک کو ظلمِ عظیم اِسی لئے کہا گیا، شرک کا مرتکب خدا کی خدائی کو اپنے رویہ سے کمزور ثابت کرتا ہے اور اُسے قادرِ مطلق نہیں سمجھتا یا یوں کہئے کہ خدا کو اس لائق تصور نہیں کرتا، کہ وہ اس کی ساری ضرورتیں پوری کر سکے اور مراد بر لائے۔

یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کو حد درجہ ناگوار ہے کہ اس کا بندہ غیر سے مدد کا طالب ہو اور اس کے علاوہ کسی سے استعانت چاہے، اِس جرم کا مرتکب اسلام کی نظر میں مشرک ہے، اللہ تعالیٰ انسان کے دوسرے گناہوں کو معاف کر سکتے ہیں لیکن شرک کرنے والے کی کبھی مغفرت نہیں کریں گے، مشرک کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰـهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾

(اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو معاف نہیں کریں گے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے)

اگر دل میں شرک ہے، یعنی خدا کی محبت کے ساتھ غیر کی محبت بھی رچی بسی ہے، خدا کو دل میں جگہ دینے کے ساتھ دوسروں کو بھی جگہ دے رکھی ہے تو یہ بھی شرک ہے۔

ہمارے مسلمان ہونے کی یہی پہچان ہے، اگر صرف اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہے، دل میں اللہ تعالیٰ بسا ہے تو ہم مسلمان ہیں اور اگر دل میں اللہ نہیں ہے، دنیا اور دنیا کی چیز ہے تو ہم مسلمان نہیں۔

برائیاں اِسی لیے کرتے ہیں کہ دل میں اللہ نہیں، جب دل میں اللہ ہوگا تو رات کے وقت دوسروں کے کھیت میں بھینس نہیں چراؤ گے، ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال نہیں سمجھو گے، کسی کا نقصان نہیں سوچو گے اور نہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ گے۔

آج تم نے اپنے دل میں ہر چیز کو جگہ دے رکھی ہے، مال ودولت کو گھسا رکھا ہے، بال بچوں کو داخل کرلیا ہے، ساز وسامان کو بسالیا ہے، اور اگر تمہارے دل میں کسی کے لیے جگہ نہیں ہے تو وہ اللہ ہے، شرک کے معنی صرف بتوں کی عبادت ہی کے نہیں، بل کہ دل میں خدا کے سوا دوسروں کو بسانا بھی شرک ہے۔

ایک حدیث ہے گو یہ کمزور روایت ہے اس کا مفہوم یہ ہے "مومن کا دل اللہ کا عرش ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس گھر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کو جگہ نہیں دے سکتے، اوراس کے علاوہ اور کو نہیں بٹھا سکتے، اِس کو ایک مثال سے سمجھو۔

ایک شخص نے تم کو رہنے سہنے کے لیے آٹھ کمرے دے دیئے اور ایک کمرہ آٹھ کے سوا اُس نے اپنے لیے رکھا، تم کو اس میں رہنے سہنے کے لیے منع کر دیا۔ اب اگر تم ان آٹھ کمروں میں رہنے سہنے کے ساتھ اس نویں میں بھی رہنا شروع کر دو تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی جسم کے تمام اعضاء ناک، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں تمہیں عطا فرمائے ان کا مالک تمہیں بنایا اور ان کو استعمال کرنے کی اجازت دی، اور دل کے متعلق یہ کہا کہ یہ میرا گھر ہے اس کو میرے لیے خالی رکھنا اس میں میرے سوا کوئی داخل نہ ہو اور کسی کا اس میں بسیرا نہ ہو۔

اب بتاؤ! کہ دل میں جو دنیا بھر کی چیزوں کو تم نے بسا رکھا ہے، یہ ظلم عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟ تم جو دل میں خدا کے ساتھ دنیا بھر کی چیزوں کو جمع کیے ہو یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔

تم برائی اسی لیے کرتے ہو کہ تمہارے دل میں اللہ نہیں ہے ورنہ تم کبھی ظلم وزیادتی نہیں کرتے، کسی کا مال نہیں دباتے، ذخیرہ اندوزی سے پرہیز کرتے، بخیل وکنجوس نہیں ہوتے، اس کی بجائے فراخ دست وکشادہ دل ہوتے، غریب پروری اور محتاجوں کی خبر گیری تمہارا شعار ہوتا، حاجت مندوں کی حاجت روائی تمہارا شیوہ ہوتا، خدمت خلق کر کے خدا کی خوش نودی حاصل کرنا تمہارا نصب العین ہوتا۔

آج تم اپنے مال کو صرف اپنا مال سمجھتے ہو اس لیے اپنی تن آسانی اور عیش کوشی میں لگے ہو، تمہارے پیش نظر اپنی خوش حالی ہے، اس کی پرواہ تمہیں بالکل نہیں کہ تمہارے اڑوس پڑوس والے کس غربت کی زندگی گزار رہے ہیں اور مسلسل فاقہ نے ان کو جاں بہ لب اور نیم مردہ کر دیا ہے، حدیث قدسی ہے:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان سے کہے گا اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیماری پرسی کی تھی؟ بندہ کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہوگیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی، حالاں کہ تو اگر اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھ کو اُس کے پاس پاتا۔

اسی طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا ایسا کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کردیا تھا۔ اگر تو اُسے کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا: اَلْمَالُ مَالِي وَالْفُقَرَاءُ عَيالِي فَمَنْ بَخِلَ مِن مَالِي عَلىٰ عَيالِي فَلاُدْخِلَنَّ جَهَنَّمَ وَلا اُبَالِي۔

مال تو (دراصل) میرا مال ہے، اور فقراء میری اولاد ہیں تو جس نے میری اولاد پر میرا مال خرچ کرنے میں بخل کیا اس کو ضرور جہنم میں داخل کروں گا اور کوئی پروا نہ کروں گا۔

امراء و رؤسا کو دولت اللہ تعالیٰ نے صرف جمع کرنے اور اپنے کام میں لانے کے لیے نہیں دی ہے، بل کہ وہ دولت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی اولاد یعنی غرباء میں تقسیم کرنے کے لیے بھی دیا ہے۔ مگر ایسا اس لیے نہیں ہوتا ہے کہ دل میں اللہ نہیں ہے، اللہ کا ڈر نہیں ہے، ورنہ ضرور دولت غرباء میں تقسیم کرتے اور جہنم میں جانے سے بچتے۔

اسلام کی اصلی پہچان یہی ہے کہ دل میں اللہ کو بسائے، اس کے بعد دین کا ہر کام کرنا آسان ہوگا اور اللہ کے راستے پر چلنے میں سہولت ہوگی، اس کے بغیر اللہ کی مرضی کے مطابق نہ چل سکوگے اور نہ زندگی گزار سکوگے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اندر اسلام کی نشانی پیدا کرے اور غیر اللہ کی محبت سے دل کو خالی کرے، آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

موت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وعلیٰ الہ واصحابہ وذرّیّاتہ اجمعین. اَمَّا بَعْدُ:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیمo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ،وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَo وَمَاالْحَیٰوۃُ الدُّنْیَااِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرِo وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:اِنَّ الدُّنْیَاخُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ. اَوْکَمَاقَالَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ.

صدر محترم اور حاضرین جلسہ! آج میں آپ حضرات کے سامنے ایک ایسا موضوع، ایک ایسا عنوان، ایک ایسا مسئلہ اور ایک ایسا نظریہ انشاء اللہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا، جو اختلاف سے بالاتر ہے۔

میرے دوستو! دنیا میں ہر مسئلے، ہر نظریئے اور ہر فلسفے پر اختلاف موجود ہے، مگر دنیا کے کسی خطے، کسی فلسفے اور کسی نظریئے میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور وہ ہے ''موت'' دنیا کا کوئی بھی فرد، دنیا کی کوئی بھی قوم، دنیا کا کوئی بھی گروہ، دنیا کا کوئی بھی ملک اور دنیا کی کوئی بھی حکومت وسلطنت اس بات کا انکار کرنے والی نہیں۔

آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے، جو خدائے واحد کا انکار کرتے ہیں۔
آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے، جو آسمانی کتابوں کا انکار کرتے ہیں۔
آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے، جو انبیائے کرام کا انکار کرتے ہیں۔
آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے، جو جزا اور سزا کا انکار کرتے ہیں۔
آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے، جو قبر اور حشر، جنت اور دوزخ کا انکار

کرتے ہیں۔

مگر آپ کو دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملے گا، جو اس چیز کا انکار کرتا ہو، وہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے موت!

آپ کو دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملے گا جو موت کا انکار کرتا ہو، موت کا کوئی شخص انکار کر ہی نہیں سکتا۔

کیوں کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت، بل کہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

موت ایک نہ بدلنے والا فیصلہ ہے جس کا مشاہدہ ہر انسان اپنی دونوں آنکھوں سے دن رات اپنے گاؤں، محلوں اور گلی کوچوں میں کرتا رہتا ہے، اس روئے زمین پر رہنے والے ہر شخص، ہر قوم، ہر گروہ کو اس بات پر یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن اس عمر ناپائے دار کو ختم ہونا ہے۔ ہر شخص کو اس بات پر یقین ہے کہ جب موت آئے گی تو ہم سے اجازت لے کر نہیں آئے گی۔ ہر شخص کو یقین ہے کہ جب موت کے آنے کا وقت آئے گا وہ آ جائے گی۔ نہ تو اسے بادشاہوں کے قلعے روک سکتے ہیں اور نہ ہی بلند و بالا عمارتیں اور دیواریں اس کی راہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔

ہر شخص کو اس بات پر یقین ہے کہ موت نہ تو فرعون جیسے متکبر کو چھوڑتی ہے اور نہ ہی موسیٰ جیسے کلیم اللہ کو بخشتی ہے۔ ہر شخص کو یقین ہے کہ موت نہ تو نمرود جیسے مردود کو بخشتی ہے اور نہ ہی ابراہیم جیسے خلیل اللہ کو نظر انداز کرتی ہے۔ ہر شخص کو یقین ہے کہ موت کی نظر میں افلاطون، ارسطو اور لقمان جیسے بڑے بڑے حکماء، ابوجہل اور ابولہب جیسے بڑے بڑے نادان سب برابر ہیں۔ ہر شخص کو یقین ہے کہ موت سے نہ تو ابوبکرؓ و عمرؓ محفوظ رہ سکے اور نہ ہی کائنات کے سردار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہ سکے۔

ہر شخص کو یقین ہے کہ نبیؑ ہے تو موت آئے گی۔

ولی ہے تو موت آئے گی۔ قطب و ابدال ہے تو موت آئے گی۔

عالم ہے تو موت آئے گی۔ جاہل ہے تو موت آئے گی۔

بادشاہ ہے تو موت آئے گی۔ فقیر ہے تو موت آئے گی۔ 1

امیر ہے تو موت آئے گی۔ غریب ہے تو موت آئے گی۔
عاقل ہے تو موت آئے گی۔ پاگل ہے تو موت آئے گی۔
قوی وطاقتور ہے تو موت آئے گی۔ ضعیف وناتواں ہے تو موت آئے گی۔
مرد ہے تو موت آئے گی۔ عورت ہے تو موت آئے گی۔
بچہ ہے تو موت آئے گی۔ بڈھا ہے تو موت آئے گی۔
ہر شخص کو اس بات پر یقین ہے کہ زندگی گزارنے والا ہے تو موت آئے گی۔
گھاس پھونس کی جھونپڑی میں رہنے والا ہے اس کو بھی موت آئے گی۔

دنیا کا کوئی بھی شخص اور دنیا کا کوئی بھی جان دار موت سے بچنے والا نہیں ہے۔ مسند یعلیٰ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب سب لوگ مرجائیں گے، تو ملک الموت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرے گا، پروردگار! زمین وآسمان کے تمام لوگ مرگئے، سوائے ان لوگوں کے جن کو آپ نے نہیں چاہا، تو اللہ رب العزت جاننے کے باوجود پوچھے گا کہ بتاؤ! اب کون باقی رہ گیا ہے؟ ملک الموت کہے گا بس آپ باقی رہ گئے ہیں، جن کو کبھی موت نہیں آئے گی، اور آپ کا عرش اٹھانے والے فرشتے باقی رہ گئے ہیں، اور جبرئیل ومیکائیل رہ گئے ہیں، اور ایک میں ہوں، پھر اللہ رب العزت فرمائے گا، جبرئیل اور میکائیل بھی مرجائیں گے، تو عرش بولے گا کہ پروردگار! جبرئیل اور میکائیل بھی مرجائیں گے؟ تو اللہ پاک فرمائے گا تم خاموش رہو، آج میں نے یہ طے کردیا ہے کہ میرے عرش کے نیچے جو بھی ہوں گے سب مرجائیں، تو جبرئیل اور میکائیل بھی مرجائیں گے، اس کے بعد پھر دوبارہ ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس آئے گا اور کہے گا، اے آقا! جبرئیل اور میکائیل بھی مرگئے، اب صرف میں اور آپ کا عرش اٹھانے والے فرشتے رہ گئے، تو اللہ رب العزت فرمائے گا، میرا عرش اٹھانے والے فرشتے بھی مرجائیں، تو وہ بھی مرجائیں گے، اس کے بعد پھر ملک الموت تیسری بار اللہ تعالیٰ کے پاس آئے گا اور کہے گا: آقا! آپ کا عرش اٹھانے والے فرشتے بھی مرگئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھے گا: ملک الموت بتاؤ! اب کون بچا ہے؟ تو ملک الموت کہے گا: اب صرف آپ رہ گئے ہیں جن کو کبھی موت نہیں آئے گی، اور ایک میں ہوں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: ملک الموت! تم بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو، جس کام کے لیے ہم

نے تم کو پیدا کیا تھا اس کو تم نے پورا کیا، اب تم بھی مر جاؤ، اس کے بعد ملک الموت بھی مر جائے گا، اب صرف اللہ اکیلا بچے گا، اللہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا، اللہ جیسے ازل میں تھا ویسے ہی اب ابد میں بھی رہے گا، اللہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا، تو زمین و آسمان کتاب کی طرح لپیٹ لیے جائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو تین مرتبہ پھیلائے اور لپیٹے گا اور پھر تین مرتبہ فرمائے گا: میں ہوں زبردست و غالب، میں ہوں زبردست و غالب، پھر یہ اعلان فرمائے گا ''لمن الملک الیوم'' آج کس کی حکومت ہے؟ آج کس کی حکومت ہے؟ مگر اس سوال کا کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، ہر طرف سکوت ہی سکوت ہوگا۔

جس انسان کو اپنے مال و دولت پر بڑا ناز تھا۔

جس انسان کو اپنے کاروبار پر بڑا ناز تھا۔

جس انسان کو اپنی حکومت و سلطنت پر بڑا ناز تھا۔

جس انسان کو اپنی فیکٹری، اپنی کار اور کوٹھیوں پر بڑا ناز تھا۔

جس انسان کو اپنی قابلیت اور صلاحیت پر بڑا ناز تھا۔

جس انسان کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔

جس انسان کو اپنے حسن و جمال پر بڑا ناز تھا۔

آج وہ بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کے ڈھانچے کی صورت میں پڑا ہوگا۔ وہ انسان جس کی زبان ٹرٹر بولتی تھی، آج جواب دینے کے قابل نہیں ہوگی۔ وہ انسان جو بہت بڑی بڑی بول بولتا تھا، جو ہر چیز میں اپنا حق جتلاتا تھا، جو میری میری کہتے نہیں تھکتا تھا۔

وہ انسان جس کا یہ خیال تھا کہ اس کی حکومت، اس کی سلطنت اور اس کا اقتدار لافانی نہیں بل کہ جاودانی ہے۔ قیامت کے دن اس پر ہیبت طاری ہوگی، اعلان کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے گا، فضائے عالم میں یہ اعلان بار بار گونجے گا:

او، زمین پر خدا بن کر بیٹھنے والو!

او، فرعون اور نمرود کے نقش قدم پر چلنے والو!

او، کمزوروں پر مشق ستم ڈھانے والو!

او، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کا مال ہڑپ کرنے والو! 1

او، خدا کی زمین خدا کے بندوں پر تنگ کرنے والو!

او، رب السموات والارض سے بغاوت کرنے والو!

آج بولتے کیوں نہیں؟ خاموش کیوں ہو؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟

''لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَومَ؟'' بولو! آج کس کی حکومت ہے؟

تمہاری یا ہماری؟ خدا کی یا بندوں کی؟ خالق کی یا مخلوق کی؟

مالک یا مملوک کی؟ رازق کی یا مرزوق کی؟

یہ اعلان تین مرتبہ ہوگا، زمین وآسمان تھرا رہے ہوں گے، مگر اس اعلان کا کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا ''لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّار'' اس اکیلے اللہ کی حکومت ہے جو زبردست وغالب ہے، حقیقی بادشاہ ہے تو وہی ہے، حقیقی مالک ہے تو وہی ہے، حقیقی خالق ہے تو وہی ہے۔

''لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰہُ، لا رَازِقَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَعْبُودَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَسْجُودَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَقْصُودَ اِلَّا اللّٰہُ، لا مَطلُوبَ اِلَّا اللّٰہُ''

حقیقی مالک اور رازق تو وہی ہے، باقی سب حکومتیں اور طاقتیں فانی ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے موت ہر کسی کو آئے گی، مگر افسوس ہے کہ:

آج ہم دنیا کی ملمع سازیوں سے فریب کھا کر موت کو بھول گئے۔ ہم دنیا کی رنگینیوں میں پڑ کر موت کو بھول گئے۔

ہم دنیا کی چمک دمک، زرق برق اور لق دق کو دیکھ کر موت کو بھول گئے۔

ہم دنیا کی دولت میں پڑ کر موت کو بھول گئے۔

لیکن یاد رکھو! ہم تو موت کو بھول گئے، لیکن موت ہم کو نہیں بھولی ہے، موت تو ہر وقت یہ اعلان کرتی ہے: کہ مجھے بھول جانے والو! اَنَاالْمَوْتُ، اَنَاالْمَوْتُ

اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اُفَرِّقُ بَیْنَ الْبَنَاتِ وَالاُمَّھَاتِ.

اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اُفَرِّقُ بَیْنَ الْاَخِ وَالاَخَواتِ.

اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اُفَرِّقُ بَیْنَ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَاتِ.

اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اُفَرِّقُ بَیْنَ کُلِّ حَبِیْبٍ.
اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اخرب الدِّیَارِ وَالْقُصُورِ.
اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اَعْمَرُ الْقبورَ.
اَنَاالْمَوْتُ الَّذِی اُطْلُبُکُمْ وَاَدْرِکُکُمْ فِی بُرُوجٍ مُّشَیَّدۃ.
ولایَبْقیٰ مَخْلُوقٌ اِلَّا یَذُوقُنِی.

مجھے بھول جانے والو! میں موت ہوں، میں موت ہوں۔
میں موت ہوں جو ماؤں اور بیٹیوں کے درمیان جدائی ڈالتی ہوں۔
میں موت ہوں جو بھائیوں اور بہنوں کے درمیان جدائی ڈالتی ہوں۔
میں موت ہوں جو دوستوں اور محبوں کے درمیان جدائی ڈالتی ہوں۔
میں موت ہوں جو گھروں اور محلوں کو برباد کرتی ہوں۔
میں موت ہوں جو قبروں کو آباد کرتی ہوں۔

میں موت ہوں جو تم کو ڈھونڈتی ہوں اور پالیتی ہوں، چاہے تم مضبوط قلعے میں کیوں نہ ہو "ولایبقیٰ مخلوق الایذوقنی" اور مخلوق میں کوئی ایسا باقی نہیں رہے گا جو میرا مزہ نہ چکھ لے۔

میرے دوستو! یہ موت اعلان کرتی ہے اور موت صرف اعلان ہی نہیں کرتی، بل کہ موت وارننگ بھی دیتی ہے۔

پڑھنے والے جانتے ہیں کہ امتحان قریب آتے ہیں، تو اساتذہ طلباء کو محنت کی تلقین کرتے ہیں، جب مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر مریض کو پرہیز کی تلقین کرتا ہے، جب افسر اپنے عملے کو احکامات صادر کرتا ہے تو ان کی تعمیل کے لیے انہیں تاکید کرتا ہے، لیکن جب یہ تمام طبقے سستی اور غفلت برتنے لگتے ہیں تو اساتذہ طلباء کو، ڈاکٹر مریض کو اور افسر اپنے ماتحت کو وارننگ دیتا ہے کہ:

تمہاری غفلت، تمہاری بد پرہیزی اور تمہاری سستی کی، برابر شکایتیں مل رہی ہیں، تمہیں خبر دار کیا جاتا ہے کہ سنبھل جاؤ! ورنہ نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی نظام کائنات میں بندوں کے لیے طرح طرح کی

وارننگ کے اشارے اور کنائے دے رکھے ہیں جس سے دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہوتا ہے۔

ایک بستی سیلاب کی زد میں آ کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی، دیکھنے والوں کے لیے وارننگ ہے کہ تمہارا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے، خیال رکھنا!

زلزلے سے ہزاروں انسان زمین کے اندر دھنس گئے، پیوند زمین ہو گئے، دیکھنے والوں کے لیے وارننگ ہے کہ تمہارا بھی حشر یہی ہو سکتا ہے، یاد رکھنا!

ایک ہوائی حادثے میں بڑے بڑے وزیر کرنل جرنل آناً فاناً دنیا سے رخصت ہو گئے ان کے جسم کا کوئی حصہ نہ مل سکا، دیکھنے والوں کے لیے وارننگ ہے کہ تمہارا بھی یہ حشر ہو سکتا ہے، بھولنا مت!

ایک ریلوے حادثے میں سیکڑوں انسان موت کے منہ میں آ گئے، دیکھنے والوں کے لیے وارننگ ہے کہ تمہارا بھی یہ حشر ہو سکتا ہے، غفلت میں نہ رہنا!

گھر سے ہنستے کھیلتے خوشی کے شادیادنے بجاتی ہوئی ایک بارات روانہ ہوتی ہے، مگر موت نے راستہ میں ہی آ پکڑا، والدین کے گھر کہرام مچ گیا، سسرال والوں کے یہاں صف ماتم بچھ گیا، کیا ہوا؟ ایکسیڈنٹ ہو گیا اور بارات کے اہم اہم لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن'' دیکھنے والوں کے لیے وارننگ ہے کہ تمہارا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے، خیالی دنیا سے باہر نکل جا!

میرے دوستو! یہ قدرت کی طرف سے تنبیہات ہیں۔

ہمیں بتایا اور سمجھایا گیا ہے، ہمیں وارننگ دی گئی ہے کہ اے لوگو! موت کی تیاری کرلو، اس لئے کہ تمہاری زندگی کے اسٹیشن قریب آ رہے ہیں، تمہارا بھی ٹکٹ جلد ہی کٹے گا اور ایک دن تمہیں بھی اس دارِ فانی کو چھوڑ کر اُس دارِ باقی میں جانا ہے۔

میرے دوستو! موت تو بہر حال آئے گی ہی، لیکن جس چیز نے ہم کو موت سے غافل کر رکھا ہے، وہ ہے دنیا کی اندھا دھند محبت اور لمبی لمبی آرزوئیں۔

میرے دوستو! دنیا کا کمانا یا مال دار ہونا، کوئی بری بات نہیں ہے، بل کہ کسب حلال، اور حلال روزی پر بڑی بڑی بشارتیں ہیں، حلال روزی کمانے والے تو کل قیامت کے دن صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دنیا کمانے

میں استقامت ہو جائے، استقامت ہو جائے، کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہے کہ:

میں مسلمان ہوں، میرے اوپر کچھ ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ میرا خالق و مالک ایک ہے، جو میرے ہر ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

میری موت کا ایک وقت متعین ہے، جس میں ایک سیکنڈ کے لیے تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔ ﴿إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

آج انسان یہ بھول گیا ہے کہ ایک دن مجھے قبر میں جانا ہے، جو وحشت اور تنہائی کا گھر ہے۔ مجھے منکر نکیر کے سوالوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ مجھے میدان حشر کے کٹھن مرحلے سے بھی گزرنا ہے۔ مجھ سے زندگی کے ایک ایک لمحہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا، کہ اپنے اوقات کو کہاں کہاں گزارا؟ اپنے اوقات کو کن کن چیزوں میں گزارا؟ اپنی جوانی کہاں گنوائی؟ اپنی تندرستی کہاں کھپائی؟

آج انسان یہ بھول گیا، کہ اگر میں نماز نہیں پڑھوں گا تو قبر میرے لیے جہنم کا ایک دھکتا ہوا ٹکڑا ہوگی۔ انسان یہ بھول گیا کہ اگر میں نماز نہیں پڑھوں گا تو دنیوی نقصان یہ ہوگا کہ میرے مال میں سے برکت اٹھا دی جائے گی، میری زندگی میں برکت نہیں ہوگی، نیک لوگوں کی دعاؤں میں میرا حصہ نہیں ہوگا۔ اگر میں نماز نہیں پڑھوں گا تو میری قبر اتنی تنگ کر دی جائے گی، کہ ایک پسلیاں دوسری پسلیوں میں گھس جائیں گی۔ آج انسان یہ بھول گیا، کہ اگر میں نماز نہیں پڑھوں گا تو قبر میں مجھ پر ایک خطرناک گنجا سانپ مسلط کر دیا جائے گا۔ آج انسان یہ بھول گیا، کہ اگر میں زکوۃ ادا نہیں کروں گا، تو میرا مال اژدھے کی شکل میں میرے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ آج انسان یہ بھول گیا، کہ اگر میں یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کا مال ہڑپ کروں گا، تو کل قیامت کے دن میرے منہ میں آگ کے پتھر ٹھونسے جائیں گے۔ آج انسان یہ بھی بھول گیا، کہ اگر کسی کی زمین دبا لوں گا تو میرے گلے میں زمین کا طوق ڈال دیا جائے گا۔ اگر میں زنا کروں گا، تو سانپ اور بچھو میرے اوپر مسلط کر دیئے جائیں گے۔

اے دنیا پر فریفتہ ہونے والے انسان! تمہارا دنیا میں آنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، تمہارے جیسے بے شمار لوگ اس فانی دنیا میں آئے، جو اکڑ اکڑ کر چلتے تھے۔ آج وہ اندھیری کوٹھری میں پڑے، اپنی زندگی کا حساب دے رہے ہیں، ان کے سر کبھی نیچے نہیں ہوتے 1

تھے۔آج ان کی کھوپڑیاں پیروں کی ٹھوکر بنی ہوئی ہیں، وہ جدھر سے گزرتے تھے،فضا معطر ہو جاتی تھی۔آج ان کی لاشوں سے بدبو اٹھ رہی ہے،ان کے جسم پر حریر اور کمخواب کا لباس ہوتا تھا۔ آج وہ بوسیدہ چیتھڑوں میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں مال و دولت اور بیوی بچوں پر بڑا ناز تھا، لیکن قبر میں ان میں سے کوئی کام نہ آیا۔

اے موت سے غافل انسان! ذرا دیکھ!

کہاں ہیں وہ لوگ، جن کے خوب صورت چہرے، سورج کی طرح چمکتے دمکتے تھے؟

کہاں ہیں وہ لوگ، جن کے حسن کی، بتوں کی طرح پرستش اور پوجا کی جاتی تھی؟

کہاں ہیں وہ لوگ، جن کی جوانی اور تن درستی پر لوگ رشک کرتے تھے؟

کہاں ہیں وہ لوگ، جن کو جنگ کے میدانوں میں غلبہ حاصل ہوتا تھا؟

کہاں ہیں، وہ بادشاہ جن کی فصیلوں کے ساتھ حفاظت کی جاتی تھی؟ جنہوں نے بڑے بڑے شہروں کو آباد کیا۔

حقیقت میں آج ان کو موت نے برباد کر کے رکھ دیا، بالآخر آج وہ قبر کے اندھیرے میں پڑے، ہائے آگ! ہائے آگ! ہمیں بچاؤ،ہمیں بچاؤ کی فریاد کر رہے ہیں۔

اے اللہ کے بندو! تم رات دن کی گزرگاہ ہو، تمہاری زندگی کم ہوتی جارہی ہے، تمہارے اعمال ریکارڈ رکھے جارہے ہیں اور موت اچانک آنے والی ہے،اس لیے خدارا! اب آخرت کی تیاری کرلو۔

ہوسکتا ہے اس سال، اس مہینہ یا اس ہفتہ مرنے والوں کی فہرست میں تمہارا بھی نام ہو۔ہوسکتا ہے تمہاری زندگی کے دن پورے ہوچکے ہوں۔ہوسکتا ہے جس گاڑی میں تمہاری موت آنی ہے،اس کا ایکسیڈنٹ عنقریب ہوجائے۔ہوسکتا ہے تمہارے کفن کا کپڑا مولانا کلاتھ ہاؤس میں آچکا ہو۔

ان ہی چند باتوں پر میں اپنی تقریر کو اختتام کے سپرد کرنے جارہا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ جل جلالہ ہم تمام امت محمدیہ کو زیادہ سے زیادہ موت کی فکر کرنے کی توفیق عنایت فرمادے۔آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن